وَفِي الْأَرْضِ آيَاتٌ لِّلْمُوقِنِينَ وَفِي أَنفُسِكُمْ أَفَلَا تُبْصِرُونَ

الحمد للہ کہ کتاب مستطاب

اکمال الشیم

شرح

اتمام النعم

ترجمہ

تبویب الحکم

از افاضات مولانا مولوی حافظ محمد عبد اللہ صاحب گنگوہی سلمہ

جسکو

جناب مولانا مولوی حکیم محمد ابراہیم صاحب راندیری نے

سنہ ۱۳۳۹ھ

باہتمام لالہ ٹھاکر داس صاحب اینڈ سنز

دلی پرنٹنگ ورکس واقع دہلی میں طبع کرا کر شائع کیا

باراول سنہ ۱۹۲۱ء تعداد ۱۰۰۰ قیمت وقف

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

تذکرہ مصنف کتاب و مبوب رحمۃ اللہ علیہما

مختصر حالات شیخ ابن عطاء اللہ اسکندری مصنف الحکم

آپ کا نام احمد بن محمد بن عبد الکریم بن عطاء اللہ اسکندری ہے اور تاج الدین لقب ہے شاذلی اور مالکی مسلک ہے اور ابو الفضل کنیت ہے اور شیخ تقی سبکی کے تلمیذ ہیں شیخ یاقوت عرشی رضی اللہ عنہ اور شیخ ابو العباس مرسی انصاری رضی اللہ عنہ بھی آپ کے استاد ہیں اور شیخ یاقوت رحمۃ اللہ علیہ اس لحاظ سے کہ آپ شیخ ابو العباس مرسی رضی اللہ عنہ کے بڑے شاگردوں میں ہیں شیخ اسکندری کے استاد بھائی بھی ہیں اور شیخ یاقوت رحمۃ اللہ علیہ کو عرشی کہنے کی وجہ یہ ہے کہ ان کا قلب ہمیشہ عرش پر رہتا تھا اور زمین پر صرف جسم ہی جسم تھا۔ اور بعض کا قول یہ ہے کہ یہ ملائکہ حاملین عرش کی اذان سن لیتے تھے اسلئے عرشی کے نام سے مشہور ہوئے۔

اور شیخ ابو العباس مرسی رضی اللہ عنہ اپنے زمانہ کے اکابر عارفین میں سے تھے اور سلطان شیخ ابو الحسن شاذلی رحمۃ اللہ علیہ کے خاص تلامذہ میں سے ہیں یہاں تک کہ ان کے بارہ میں یہ جملہ مشہور ہے کہ لم یرث علم الشیخ الشاذلی رضی اللہ عنہ غیرہ یعنی شیخ ابو الحسن شاذلی رحمۃ اللہ علیہ کے علم کا وارث سوائے شیخ ابو العباس رضی اللہ عنہ کے اور کوئی نہ ہوا۔

ناظرین کو ایک ضروری اطلاع

اصل کتاب کا نام الحکم ہے جس کے مصنف شیخ احمد بن محمد بن عبدالکریم ابن عطاء اللہ رح ہیں۔ آپ ابن عطاء اللہ کے نام سے شہرت رکھتے ہیں۔ الحکم کے مضامین بابوں پر منقسم نہ تھے۔ اسلیئے شیخ علی متقی رح نے ان متفرق مضامین کو ابواب میں مرتب فرما کر کتاب کا نام تبویب الحکم رکھا۔ پھر تبویب الحکم کا جناب مولانا الحافظ الحاج خلیل احمد صاحب نے اردو ترجمہ کیا۔ اور اس کا نام اتمام النعم رکھا اب مولانا محمد عبد اللہ صاحب گنگوہی نے اتمام النعم کی شرح لکھی اور اس شرح کا نام اکمال الشیم رکھا جو آپ کے پیش نظر ہے +

حصول بصیرت کے لیے مصنف اور مبوب رحمۃ اللہ علیہما کے مختصر حالات بھی لکھ دیئے گئے ہیں۔ جو صاحب اس کتاب سے فائدہ اٹھائیں وہ مصنف اور مبوب اور مترجم اور شارح اور شائع کنندہ اور تمام سعی کرنے والوں کو دعائے خیر سے یاد فرمائیں +

(۴) شرح الحکم ۔ علامہ ابو الطیب ابراہیم بن محمود الاقسرائی المواہبی الشاذلی الحنفی رحمۃ اللہ علیہ
یہ شرح علامہ نے مکہ مکرمہ ۹۰۳ھ میں لکھی ہے۔

(۵) شرح الحکم ۔ علامہ شیخ صفی الدین ابن المواہب رحمۃ اللہ علیہ   علامہ کے شاگرد ابو الطیبؒ
مذکور الصدر کہتے ہیں کہ علامہ استاد صفی الدین نے اس شرح میں طوالت کر دی ہے۔

(۶) شرح الحکم ۔ علامہ محمد بن ابراہیم حنبلی حلبی رحمۃ اللہ علیہ نے ۹۷۱ھ میں لکھی۔

(۷) الدُّرَرُ الجَوْہَرِیَّہ ۔ علامہ محمد عبد الرؤف مناوی مصری شافعی رحمۃ اللہ علیہ۔

(۸) شرح الحکم ۔ علامہ شیخ عبد اللہ شرقاوی متوفی ۱۲۲۷ھ نے ۱۲۰۴ھ میں لکھی جو مصر میں علامہ نفری کی شرح کے حاشیہ پر چھپ چکی ہے۔

تیسری کتاب لطائف المنن شیخ ابن عطاء اللہ سکندری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے استاد شیخ ابو العباس مرسی انصاری رضی اللہ عنہ اور اپنے استاذ الاستاذ شیخ ابو الحسن شاذلی رحمہما اللہ کے مناقب میں لکھی ہے جسکو انھوں نے ایک مقدمہ اور دس باب اور ایک خاتمہ پر مرتب کیا ہے۔ از کشف الظنون مصنفہ علامہ کاتب چلپی صفحہ ۳۴۲ وصفحہ ۳۴۳ جزء اول۔

شیخ اسکندری رحمۃ اللہ علیہ کی کرامات وخوارق میں سے دو واقعے جنکو شیخ یوسف بن اسمٰعیل نبہانیؒ نے اپنی کتاب جامع کرامات الاولیاء کے صفحہ ۳۱۷ پر شیخ عبد الرؤف مناوی مصری شارح الحکم کے حوالے سے لکھا ہے۔ بہت مشہور اور حیرت انگیز ہیں وہ لکھتے ہیں کہ علامہ کمال بن ہمام صاحب فتح القدیر رحمہ اللہ شیخ اسکندری کی قبر شریف پر زیارت کے لئے گئے اور سورہ ہود پڑھنی شروع کی جب اس آیت تک پہونچے فمنہم شقی وسعید (یعنی پس بعض ان لوگوں میں سے بدبخت ہیں اور بعض نیک بخت) تو شیخ قبر کے اندر ہی بلند آواز سے جواب دیتے ہیں کہ یا کمال لیس فینا شقی یعنی (اے کمال ہم میں کوئی بدبخت نہیں ہے) اسی لئے علامہ کمال بن الہمام نے وقت انتقال وصیت کی کہ میں شیخ کی قبر کے متصل دفن کیا جاؤں۔

دوسرا واقعہ یہ ہے کہ شیخ کے تلامذہ میں سے کوئی صاحب حج کے لئے بیت اللہ گئے تو شیخ کو انھوں نے

شیخ احمد بن عطاء اللہ اسکندری رحمۃ اللہ علیہ اپنے زمانہ کے بڑے زاہدین اور صاحب مرتبہ لوگوں میں سے تھے آپ کا کلام نفوس میں حلاوت پیدا کرتا تھا سنہ ۷۰۹ھ میں آپنے مقام قرافہ میں قاہرہ کے متصل دار فانی سے دار باقی کو کوچ کیا از طبقات الکبریٰ صفحہ ۲۵ جزو دوم مصنفہ شیخ عبدالوہاب شعرانی رحمۃ اللہ علیہ۔

آپ کی تصنیفات میں سے التنویر فی اثبات التقدیر اور الحکم العطائیہ اور لطائف المنن بڑی جلیل القدر کتابیں ہیں۔ شیخ اسکندری نے اول الذکر کو مکہ مکرمہ میں تالیف فرمایا پھر دمشق میں اسپر نظر ثانی کرکے چند فوائد اسپر اور زیادہ کئے اور فرمایا کہ مرید صادق جب اسکا مطالعہ کرے گا تو اُسپر خوب روشن ہو جائیگا کہ جو شخص نجاست معاصی سے آلودہ ہو وہ ہرگز اس قابل نہیں ہے کہ اُس مقدس بارگاہ میں حاضر ہو۔

شیخ اسکندری رحمۃ اللہ علیہ جب اپنی دوسری کتاب الحکم العطائیہ کی تالیف سے فارغ ہوئے تو اُسے اپنے اُستاد شیخ ابوالعباس مرسی رضی اللہ عنہ کو دکھلایا شیخ اُستاد نے اُس میں غور کرکے فرمایا۔ لقد اتیت یا بنی فی ھذہ الکراسۃ بمقاصد الاحیاء وزیادہ یعنے اے میرے عزیز بیٹے تونے اس رسالہ میں تمام دوستوں کے مقاصد پورے کردئے بلکہ اُن سے بھی اور زائد مضامین بیان کئے۔

اور چونکہ اس کتاب کے مطالب لوگوں کے قلوب میں رقت پیدا کرتے تھے اسلئے اسکو ارباب ذوق اصحاب نے بہت ہی پسند کیا۔ اس کتاب کی بڑی بڑی شرحیں کی گئی ہیں۔ چنانچہ اُن کے نام مع شارحین مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱) شرح شیخ زروق رحمۃ اللہ۔ انکا نام شہاب الدین احمد بن محمد برنسی ہے بعض کا مقولہ ہے کہ شیخ زروق نے الحکم کی تین شرحیں لکھی ہیں اُن سب میں صحیح تر وہ ہے جو خاص اپنے لئے لکھی ہے

(۲) غیث المواہب العلیہ فی شرح الحکم العطائیہ } علامہ محمد بن ابراہیم بن عباد النفری الرندی الشاذلی رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۷۹۲ھ۔

(۳) التنبیہ۔ علامہ علی بن محمد رحمۃ اللہ علیہ صاحبزادہ علامہ محمد بن عباد نفری مذکور الصدر۔

خاطر تواضع کی اور کئی مہینے اپنے یہاں مہمان رکھا اسکے بعد مولنا حجاز کی، مقدس سرزمین میں چلے گئے اور مکہ معظمہ میں سکونت اختیار کی۔

شیخ ابوالحسن بکری اور شیخ محمد بن محمد السخاوی جو عرب میں بڑے زبردست عالم گزرے ہیں۔ اُسوقت موجود تھے مولنا نے حدیث و تصوف کے متعلق اُن سے بہت کچھ فائدہ اُٹھایا۔ اور قادری شاذلی، مدنی، طرق کی بھی خلافتیں حاصل کیں۔ امام جلال الدین سیوطی نے جمع الجوامع کے نام سے ایک کتاب تالیف کی تھی جو تمام قولی اور فعلی احادیث پر حاوی تھی چونکہ سندوں کے اعتبار سے حروف تہجی پر مرتب تھی اس لئے عوام اُس سے فائدہ نہیں اُٹھا سکتے تھے شیخ علی متقی نے سنہ ۹۵۷ھ میں اس کتاب پر نظر ثانی کی اور اُس کو مضامین کے لحاظ سے ابواب و فصول پر ترتیب دیکر کنز العمال نام رکھا یہ کتاب تھوڑے ہی عرصہ میں مقبول اہل عرب و عجم ہوگئی اور اصل کتاب جمع الجوامع کا صرف نام ہی نام رہگیا۔ اسی وجہ سے ابوالحسن بکری فرماتے ہیں (للسیوطی منة علی العلمین وللمتقی منة علیہ) یعنی سیوطی کا احسان تمام عالم پر ہے اور متقی کا احسان سیوطی پر۔ سنہ ۹۶۰ھ میں مولنا نے کنز العمال پر نظر ثانی کی اور مکرر و موضوع احادیث کو خارج کرکے ایک چھوٹی سی کتاب تالیف کی اور اُسکا نام منہج العمال رکھا ان کتابوں کے علاوہ شیخ کی عربی اور فارسی میں سو سے زیادہ تصانیف ہیں۔

شیخ عبدالوہاب متقی علامہ شیخ علی متقی کے شاگرد رشید نے اپنے رسالہ اتحاف التقی فی فضل الشیخ علی متقی میں ایک عجیب بات لکھی ہے کہ شیخ کی وفات سے بہت پیشتر مکہ معظمہ میں آپ کی وفات کی افواہ اُڑگئی، حالانکہ وہ اُسوقت خوب تندرست تھے۔ یہ سُنکر وہاں کے اکابر علما، و صلحا اور علامہ کے دوست احباب اور مریدین گروہ کے گروہ جمع ہوگئے جب آپ کو انھوں نے زندہ اور تندرست پایا تو بہت حیران ہوئے شیخ نے مسکرا کر فرمایا کہ اس فقیر کی مثال اُس شخص کی سی ہے جس نے موت کا ذائقہ چکھ لیا اور آخرت کے احوال سے واقف ہوگیا پھر اس نے خدا تعالیٰ سے درخواست کی کہ اے باری تعالیٰ دوبارہ مجھکو دنیا میں بھیج، پس خدا تعالیٰ نے اُسکی درخواست قبول فرمائی اور

مطاف میں پایا حالانکہ اُن کو اپنے مقام پر چھوڑ گئے تھے۔ پھر آگے چلکر مقام ابراہیم میں دیکھا اُس کے بعد پھر صفا مروہ کے درمیان دیکھا اُسکے بعد عرفہ میں بھی دیکھا جب حج سے واپس آئے تو شاگرد نے لوگوں سے دریافت کیا کہ کیا میرے بعد شیخ حج کو چلے گئے تھے لوگوں نے انکار کیا جب اُستاد کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے دریافت کیا کہ سفر حج میں کن کن لوگوں کو دیکھا شاگرد نے عرض کیا کہ حضرت آپ کو بھی دیکھا تھا شیخ مسکرا دئیے فقط غفر الله لنا ولجميع عباد الله الصالحين بحرمة سيدنا محمد واله واصحابه الطاهرين ومتبعي سننه اجمعين ۞

مختصر حالات مولنا علی متقی رحمۃ اللہ علیہ مؤلف کتاب تبویب الحکم

علی متقی مولنا کا لقب ہے اور علاؤ الدین بن حسام الدین بن عبد الملک بن قاضی خان نام ہے۔ مولنا کے آبا اجداد اصلی باشندے جونپور کے تھے کسی وجہ سے مولنا کے والد حسام الدین اپنا آبائی وطن چھوڑ کر ممالک خاندیس کے ایک شہر برہان پور میں جسکو وہاں کے حاکم نصیر خان نے سنہ ۸۰۰ھ میں دریائے تاپتی کے کنارے پر آباد کیا ہے سکونت پذیر ہو گئے تھے۔

مولنا علی متقی ۸۸۵ھ میں بمقام برہان پور پیدا ہوئے آٹھ سال کی عمر میں ان کے والد نے شاہ باجن کا مرید کر دیا شاہ باجن کا اصلی نام بہاؤ الدین چشتی ہے آپ اپنے زمانہ کے بہت بڑے عالم اور ولی کامل تھے مولنا علی متقی نے شاہ صاحب سے ابتدائی کتابیں پڑھیں ۹۱۲ھ میں جب شاہ صاحب دار فانی سے عالم بقا کو سفر کر گئے تو ان کے فرزند شاہ عبد الحکیم کے مریدوں میں شامل ہو گئے اور ان سے عرصہ دراز تک تصوف اور دیگر علوم سیکھتے رہے یہانتک کہ چشتیہ طریقہ میں خلافت بھی حاصل کی۔ اسکے بعد شہر ملتان چلے گئے اور وہاں ایک بزرگ شیخ حسام الدین متقی کی خدمت میں حاضر ہو کر بیضاوی شریف اور عین العلم وغیرہ کا مطالعہ کیا ۹۵۳ھ میں مکہ معظمہ کا ارادہ ہوا اس زمانہ میں ہندوستان سے عرب کو جانے والے گجرات سے جایا کرتے تھے۔ شیخ متقی ملتان سے چلکر گجرات میں آئے اُسوقت گجرات میں سلطان محمود ثالث کی حکومت تھی بادشاہ نے شیخ کی مناسب

ذکر میں حرکت کرتا ہی تو اُسوقت تک یہ ہی سمجھو کہ روح نے ابھی تک قالب سے پرواز نہیں کیا ہی یہانتک کہ جب وہ ساکن ہوجائے تو اُسوقت جانو کہ اب روح قالب کو ہمیشہ کے لئے وداع کہہ گئی چنانچہ وقت نزاع اسی طرح دیکھا گیا کہ آپکے تمام جسم کی جان نکل چکی تھی اور کسی عضو میں کوئی اثر حیات کا باقی نہ رہا تھا مگر وہ انگشت اُسی کیفیت سے حرکت کر رہی تھی سر مبارک جناب کا شیخ عبدالوہاب کے زانو پر تھا کہ تھوڑی دیر میں انگشت کو سکون ہوگیا اور خدا کا ذکر کرتے کرتے روح مقدس نوّے سال کی عمر میں ۲ - جمادی الاولی ۹۷۵ھ میں اُسی بابرکت سرزمین مکہ میں اس مادی عالم کو خیرباد کہکر رخصت ہوگئی اور فردوس برین کو اپنا آشیان بنایا ۔ شیخ نے بوقت وفات جو اپنے مختصر حالات قلمبند کئے تھے ہم یہاں وہ بالفاظہ نقل کرتے ہیں وہو ہذا ۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

والصلوٰۃ والسلام علی سیدنا وآلہ وصحبہ اجمعین هذا ما اوصی بہ المفتقر الی اللہ علی بن حسام الدین الشہیر المتقی فی یوم خروجہ من الدنیا ودخولہ فی الاخرۃ ان هذا الفقیر لما کان صغیرا جعلنی والدی رضی اللہ عنہ مریدا لشیخ الاجل باجن قدس سرہ وکان طریقہ رحمۃ اللہ طریق السماع والصفا والوجد والهیمان فلما وصلت الی سن التمییز بین الحق والباطل اخترتہ ورضیت بہ شیخا عملا بما قالوا ان المرید الصبی اذا جعل مرید الشیخ فهو بالخیار بعد البلوغ ان شاء جعلہ شیخا وان شاء اتخذ لنفسہ شیخا اٰخر فوافقت لی الذی بما اختار لی فلما مات الذی والشیخ رضی اللہ عنهما لبست خرقۃ مشائخ چشت عن الشیخ عبدالحکیم بن الشیخ باجن قدس سرہ ثم اردت صحبۃ شیخ یرشدنی ویدلنی علی ما هینی من طریق الحق فصحبت دلاد ملتان وصحبت الشیخ العارف باللہ حسام الدین المتقی علیہ الرحمۃ و الغفران مدۃ ثم سافرت الی الحرمین الشریفین وصحبت الشیخ العارف باللہ ابالحسن البکری قدس اللہ سرہ واخذت الخرقۃ القادریۃ والشاذلیۃ و

اُسکو پھر دنیا میں بھیج دیا

اسی رسالہ میں یہ بھی لکھا ہے کہ علامہ شیخ کی وفات سے دو ماہ پہلے جنات کے دو گروہ خدمت اقدس میں حاضر ہوئے جن میں سے ایک گروہ شیخ کا عقیدتمند تھا اُس نے آپسے فوائد کثیرہ اور بہت سی نصائح حاصل کیں اور پائے مبارک کو بوسہ دیکر چلا گیا۔ دوسرا گروہ آپ کا منکر تھا اسی لئے کبھی وہ نصاریٰ کے لباس میں اور کبھی فساق و فجار کی شکل میں نظر آتا تھا اور بغیر کلام کئے واپس ہوجاتا تھا شیخ نے اُن کی ہدایت کی غرض سے کچھ خطوط بھی لکھے ہیں جنکو یہاں بخوف طوالت درج نہیں کیا جاتا۔

اسی رسالہ میں یہ بھی لکھا ہے کہ جب شیخ کا زمانہ وفات قریب ہوا تو ایک شب شیخ پر جذبات اور حالات طاری ہوتے اور اپنے تلمیذ شیخ عبدالوہاب کو بلاکر ارشاد فرمایا کہ وہ بیت پڑھو شیخ کہتے ہیں کہ میں اپنی دانائی سے سمجھ گیا کہ آپکا اشارہ اس شعر کی جانب ہے تو میں نے پڑھنا شروع کیا۔

شعر

ہرگز نیاید در نظر صورت زرویت خوبتر + شمسی ندانم یا قمر حوری ندانم یا پری

شعر سنکر شیخ کی حالت ہی دگرگوں ہوگئی اور آواز بلند مجھکو مکرر پڑھنے کا حکم فرمایا میں نے چند مرتبہ اُسکو دہرایا اتنے میں خادم نے آکر عرض کیا کہ طعام حاضر ہے آپنے جواب میں فرمایا کہ اچھا اُسکا کچھ نہ بناؤ کیونکہ آپ کی عادت تھی کہ جبتک تمام کھانے کو لت پت نہ کرلیا جائے اُسوقت تک نہیں کھاتے تھے پھر آپنے خادم سے فرمایا کس طرح خلط ملط کریگا کھانا آپس میں اس طرح ملائے کہ تمام کھانے ایک ہوجاویں اور دوئی کا نام نہ رہے جس طرح اس دوہرہ میں کہا ہے۔ دوہرہ

سُن سہیلی پرم کی باتا یوں مل رہیئے جوں دودہ نباتا

شیخ عبدالوہاب کہتے ہیں کہ تمام شب آپکی جذبی حالت اور میری حاضر باشی میں گذری۔

شیخ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ تلمیذ تلمیذ الشیخ فرماتے ہیں کہ سفر آخرت سے تھوڑی دیر پہلے شیخ نے ارشاد فرمایا کہ جب تک فقیر کی انگشت شہادت اس طرح حرکت کرتی دیکھو جس طرح ذاکر حالت

اُس زمانہ میں ملا سید محمد جونپوری کے عقائد ہندوستان میں خوب پھیل چکے تھے اور لواہیر کے مذکورہ فرقہ نے اُن کی پیروی بھی قبول کرلی تھی۔ شیخ محمد طاہر جب مکہ سے گجرات واپس آئے اور اپنی قوم کی یہ حالت دیکھی تو سر سے عمامہ اُتار کر یہ عہد کیا کہ جب تک اس بدعت کا استیصال نہ ہو عمامہ نہیں باندھونگا ۹۸۰ھ میں شاہ اکبر نے گجرات فتح کیا اور پٹن میں شیخ سے ملاقات کی تو اپنے ہاتھ سے عمامہ باندھکر کہا کہ اس بدعت کی مدافعت آپ کے ارادہ کے موافق میرے ذمہ ہے بادشاہ نے اپنی واپسی میں خان اعظم مرزا عزیز کوکہ ملقب بخان اعظم کو گجرات کی حکومت سپرد کی بادشاہ کے حکم کی موافق مرزا عزیز اس بدعت کے زائل کرنے میں شیخ کی مدد کرتا رہا ۹۸۵ھ میں ان کی بجائے عبدالرحیم خانخاناں مقرر ہوا۔ یہ شخص شیعہ تھا اس نے فرقہ مہدویہ کو مدد دیکر ان لوگوں کی طرفداری کی اسپر شیخ نے گجرات چھوڑ دیا اور عمامہ پھر اُتار کر اکبر کے دربار میں شکایت کی غرض سے چلے اجین کے قریب پہونچے تھے کہ ۹۸۶ھ میں سید محمد کے پیروؤں نے شیخ کو شہید کر دیا آپ کی تصانیف کثیرہ ہیں مجمع البحار فی غریب الحدیث علم حدیث میں اور المغنی فن اسماء الرجال میں اور قانون الموضوعات احادیث ضعیفہ اور ان کے موجدوں کے بیان میں اور تذکرہ الموضوعات احادیث موضوعہ کے بیان میں بہت نایاب ہیں جنکے مطالعہ سے فوائد جلیلہ حاصل ہوتے ہیں۔ سید محمد جونپوری اپنے آپ کو مہدی کہتا تھا ۸۴۷ھ میں پیدا ہوا اور شہر قندہار کے قریب انتقال کیا۔

شاہ محمد بن فضل اللہ برہان پوری

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے ہیں احمد آباد ملک گجرات میں پیدا ہوئے ابتدء جوانی میں شیخ صفی گجراتی کے مرید ہوئے اسکے بعد مکہ معظمہ چلے گئے اور تقریبًا بارہ سال تک رہ کر مولنا علی متقی سے مختلف علوم پڑھے اور آپکے ہاتھ پر بیعت بھی کی اسکے بعد گجرات میں واپس آکر شاہ وجیہہ الدین کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے بھی بہت کچھ فوائد علیہ حاصل کئے پھر درس و تدریس کرتے کرتے برہان پور ہی میں ۱۰۲۹ھ میں فوت ہوئے۔

المدینة ولبست هذه الخرق الثلث من الشیخ محمد بن محمد السخاوی قدس الله سرہٗ ۔

شیخ صاحب تلامذہ کثیرہ ہیں جن میں بڑے بڑے عالم ہیں ہم اُن میں سے اس جگہ بعض کا تذکرہ کرتے ہیں۔

شیخ عبدالوہاب متقی رحمہ اللہ

ان کے والد شیخ ولی اللہ مالوہ کے اکابرین سے تھے کسی وجہ سے اپنے وطن کو چھوڑ کر برہان پور کی سکونت اختیار کرلی تھی شیخ عبدالوہاب برہان پور ہی میں پیدا ہوئے ان کی صغر سنی میں والد کا انتقال ہو چکا تھا۔ جب یہ بارہ سال کے ہوئے تو تحصیل علم کے لئے وطن سے نکلے گجرات اور دکن کے بڑے بڑے شہروں میں پھر کر علوم متداولہ میں مہارت حاصل کرلی سنہ ۹۶۳ھ میں جبکہ بیس سال کی عمر تھی مکہ معظمہ کو گئے اور وہاں شیخ علی متقی کی خدمت میں حاضر ہوکر کمالات ظاہری و باطنی حاصل کئے وفات کے روز مولانا نے انہیں اپنا خلیفہ بنا دیا اسکے بعد تقریباً چھتیس سال مکہ معظمہ میں زندہ رہے۔ اور مولانا مرحوم کی طرح حدیث و فقہ کا سلسلہ درس جاری رکھا سنہ ۱۰۰۱ھ میں فوت ہوئے اپنے استاد کے حالات میں انھوں نے ایک کتاب لکھی ہے جسکا نام اتحاف التقی فی فضل الشیخ المتقی ہے اور مشہور محدث شیخ عبدالحق دہلوی انہیں کے شاگرد ہیں۔

شیخ محمد بن طاہر پٹنی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

ان کا نام جمال الدین ہے اور قوم بوہیرے ہیں یہ ایک قوم ہے گجرات میں یہ لوگ ملا علی کے ہاتھ پر ایمان لائے تھے بوہیر جمع ہے لفظ بوہرہ کی اور قاضی نور اللہ شوستری متوفی سنہ ۱۰۱۹ھ نے اپنے بعض رسائل میں لکھا ہے کہ یہ لوگ باشندگان گجرات ہیں ان کے اسلاف ملا علی کے ہاتھ پر جو گجرات کے ایک قریہ کھنبایت میں مدفون ہیں ایمان لائے جسکو تقریباً تین سو سال کا عرصہ ہوا ان میں سے اکثر لوگ سوداگر اور تجارت پیشہ ہیں اسی وجہ سے ان کو بوہرہ کہا جاتا ہے کیونکہ بیوہار ہندی میں سوداگری اور تجارت کو کہتے ہیں۔

کوچ کیا تو لوگوں نے حسب رسم مکہ چاہا کہ مرحوم کو کسی کامل ولی کی قبر میں دفن کریں جیسا کہ امام عبداللہ یافعی کو حضرت فضیل بن عیاض رضی اللہ عنہ کی قبر میں دفن کیا تھا چنانچہ یہ رائے قرار پائی کہ شیخ جونپوری کی قبر میں مدفون کریں قبر مبارک کے کھولتے ہی کیا دیکھتے ہیں کہ وجود مبارک معہ کفن جس طرح دفن کرتے وقت تھا اسی طرح اب بھی خشک موجود ہے حالانکہ زمین مکہ کی خاصیت ہے کہ میت کا جسم دو چار ہی دن میں خاک ہو جاتا ہے۔

شیخ عبدالحق محدث رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جس زمانہ میں میں شیخ عبدالوہاب کی خدمت میں مکہ شریف حاضر تھا تو مجھے شیخ متقی کی قبر مبارک کی زیارت کا شوق تھا ایک روز حاضر ہو کر میں نے اپنا حال عرض کیا اور بشارت کی درخواست کی ایک شب کو خواب میں دیکھتا ہوں کہ آپ بیت اللہ کے مقام حنفی میں تخت پر جلوہ افروز ہیں اور فقیر سامنے کھڑا ہے اور عرض کر رہا ہے کہ خادم آپ کے خلیفہ شیخ عبدالوہاب کی خدمت میں آگیا ہے حضور اُن سے فقیر کی بابت سفارش فرماویں کچھ نظر عنایت زیادہ ہو جائے اور یہی میں نے قبر پر بھی عرض کیا تھا تو جواب میں ارشاد فرمایا کہ خاطر جمع رکھو انشاء اللہ مقصود تمہارا حاصل ہے۔ متعنا اللہ بفیوض برکاتہم وغفر لھم ولجمیع عبادہ المؤمنین ۔

شجر سکتہ میں ہیں خاموش ہیں بلبل نشیمن میں + سدہارا قافلہ پھولوں کا سناٹا ہے گلشن میں
کہاں تک تو رہیگا اور رونے والے نام لے لیکر جواب آئے کہاں ہے کون اب بیٹھا ہے مدفن میں

ماخوذ از مآثر الکرام وسبحۃ المرجان لآزاد البلگرامی و اخبار الاخیار للشیخ الدہلوی وتعلیقات السنیہ علی الفوائد البہیہ فی تراجم الحنفیہ لمولانا عبدالحی اللکنوی واتحاف النبلاء للنواب صدیق حسن خان البوفالی رحمہم اللہ تعالیٰ +

کتبہ احقر الانام محمد حیات عفی عنہ سنبھلی ثم السہارنپوری

شیخ شہاب الدین ابن حجر المکی رحمۃ اللہ علیہ

حرم محترم کے مفتی تھے عرب کے مشاہیر علماء سے ہیں علوم دینیہ میں انھوں نے بہت سی کتابیں تصنیف کی ہیں مثلاً صواعق محرقہ۔ آلاعلام بقواطع الاسلام۔ خیرات الحسان فی مناقب النعمان۔ فتاوی الکبریٰ وغیرہ۔ ابتداء میں مولنا علی متقی کے استاد تھے بعد میں شاگردی اختیار کرلی اور خرقۂ خلافت بھی حاصل کیا۔

شیخ علی متقی کی کرامات و خوارق

شیخ عبدالحق محدث دہلوی اپنے استاد شیخ عبدالوہاب متقی سے نقل فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ شیخ الشیوخ رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا کہ آدمی کا حلال کسب کبھی ضائع نہیں جاتا اگر کبھی حلال کسب کی کوئی شئ گم ہوجاتی ہے تو ضرور مالک کو ملجاتی ہے چنانچہ اس بات پر مجھے ایک واقعہ یاد آیا کہ میں ایک مرتبہ کشتی پر سوار تھا کہ ناگاہ طوفان اُٹھا اور اُس میں کشتی ٹوٹ گئی میں اور میرے ساتھی ایک تختہ پر جو کشتی سے جدا ہوگیا تھا بیٹھے رہ گئے۔ کئی روز میں وہ تختہ ہم کو ایک کنارہ پر لے گیا میرے پاس کچھ کتابیں تھیں وہ تر ہوگئیں اور چونکہ اُن میں وزن بہت ہوگیا تھا تو یہ سمجھ کر کہ پیادہ پا سفر میں جو ہم کو یہاں سے کرنا پڑے گا ان کتابوں کا لیجانا محال ہے میں نے عرب کی خشک زمین زمین میں اُن کو دفن کردیا اور وہاں ایک علامت کرکے مکہ معظمہ کی راہ لی راستہ میں میرے ہمراہیوں کو پیاس لگی اور پانی کا وہاں نام نہیں تو انھوں نے مجھ سے درخواست کی کہ اللہ تعالےٰ سے پانی طلب کیجئے میں نے کہا اچھا میں دعا کرتا ہوں تم سب آمین کہو۔ دعا کرتے ہی اللہ تعالیٰ نے بارش نازل فرمائی۔ سب لوگ سیراب ہوگئے اور مشکیزے بھر لئے۔ جب ہم مکہ معظمہ میں داخل ہوگئے تو ہم نے عمرہ ادا کیا اتنے ہی میں کیا دیکھتے ہیں کہ چند بدوی سر پر بوجھ رکھے ہمارے پاس آئے اور کہنے لگے کہ یہ کچھ کتابیں ہیں اگر تم خریدنا چاہو میں نے کہا دکھاؤ۔ جب کھولکر دیکھا تو وہی کتابیں نکلیں جو وہاں دفن کی تھیں میں نے ان کو قیمت دیکر کتابیں لیں شیخ کی وفات کے بارہ یا چودہ سال بعد جب آپ کے چچازاد بھائی کے صاحبزادے احمد نے دنیا

اکمال الشیم شرح اتمام النعم

ترجمہ

تبویب الحکم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پہلا باب علم کے بیان میں

علم فائدہ بخش وہی ہے جسکی شعاعیں سینہ اور دل میں پھیل جائیں اور دل پر سے شکوک واوہام کے پردے اُٹھا دے +

ف - علم فائدہ بخش اور نافع سے مراد حق تعالیٰ کی ذات وصفات کا علم ہے اور نیز وہ علم ہے جس سے اُس کی بندگی کی کیفیت معلوم ہو اس علم کی مثال شمع یا چراغ کی سی ہے کہ جب وہ کسی بندہ کے دل میں ڈالا جاتا ہے تو اُسکی شعاعوں اور انوار سے اُس بندہ کا دل پُر ہو جاتا ہے اور تمام شک اور وہم خواہ متعلق دین کے ہوں یا دنیا کے زائل ہو جاتے ہیں اور ہر امر میں یقین اور حقیقت کے دروازے کھلجاتے ہیں آور شہوات وکدورت کی تاریکی اُسکے دل سے دُور ہو جاتی ہے اور در حقیقت علم جسکا نام ہے وہ یہی ہے اور جس علم کی یہ شان اور تاثیر نہ ہو وہ علم ہی نہیں وہ محض زبانی علم ہے +

عمدہ علم وہ ہے جسکے ساتھہ خوف خدا بھی ہو. **ف** خوف خدا یہ ہے کہ قلب میں حق تعالیٰ کی عظمت اور جلال ہو جب علم کے ساتھہ یہ صفت بھی ہو تو وہ ہی سب سے بہتر علم ہے اسلئے کہ حق تعالیٰ نے ایسے ہی علم والوں کی اپنے کلام پاک میں تعریف فرمائی ہے چنانچہ ارشاد ہے - اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ - یعنے اللہ سے اُسکے بندوں میں سے علماء ہی ڈرتے ہیں پس جس علم کے

دیباچہ از شارح

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونؤمن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا من یھدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ ونشھد ان لا الٰہ الا اللہ وان محمدا عبدہ ورسولہ۔ **امابعد**

ایک زمانہ ہوا کہ حضرت اقدس مرشدی ومولائی حضرت مولانا الحاج الحافظ مولوی خلیل احمد صاحب مدظلہم العالی نے بامر حضرت مرشدنا مولانا الشیخ الحاج امداد اللہ صاحب مہاجر مکی قدس اللہ سرہ تبویب الحکم کا اُردو ترجمہ تحریر فرمایا تھا جو اتمام النعم ترجمہ اُردو تبویب الحکم کے نام سے شائع ہوا اور کئی مرتبہ طبع ہوچکا ہے چونکہ یہ ترجمہ اکثر مقامات سے عام فہم نہ تھا اس لئے حضرت مدظلہم نے اس ناکارہ عاجز کو اُردو میں اسکی شرح لکھنے کے لئے ارشاد فرمایا امتثالاً للامر اس ناکارہ نے حکم ابن عطاءؒ جو تبویب الحکم کی اصل ہے اکی عربی شرح سے مدد لیکر جو کچھ فہم ناقص میں آیا لکھدیا اور اسکو اکمال الشیم شرح اتمام النعم ترجمہ اُردو تبویب الحکم کے نام سے ملقب کرتا ہوں۔ ان اصبت فمن اللہ ثم من برکات من مشائخی مدظلہم وان اخطأت فمن نفسی۔ اللہ تعالیٰ اسکو مقبول ونافع فرمائے امید کہ جو حضرات اسکو مطالعہ فرماویں اس عاجز کو اور حضرت مدفیوضہم اور اصل مصنف اور مبوّب کے لئے دعائے خیر فرماویں فقط

الراقم العبد الضعیف محمد عبداللہ غفرلہ ولوالدیہ گنگوہی

مدرس مدرسہ عربیہ کاندھلہ ضلع مظفر نگر

۸ صفر ۱۳۳۳ھ

کیسے چل سکتا ہے اسلئے کہ اُسکے پاؤں ہیں تو ان خواہشوں کی بیڑیاں پڑی ہیں اور جسکے پاؤں میں بیڑیاں ہوں وہ کیسے چل سکتا ہے۔

اور جو دل غفلت کی ناپاکی سے پاک نہیں ہوا کہ ہر وقت اُسکا غفلات میں گذرتا ہے اور آخرت کو بھولا ہوا ہے ایسا دل اللہ تعالیٰ کی بارگاہ عالی میں کیسے داخل ہو سکتا ہے اور کیسے اس پاک درگاہ میں مقبول ہو سکتا ہے بس جیسے ناپاک آدمی مسجد میں نہیں آ سکتا ایسے ہی غفلت کی ناپاکی سے جو دل ابھی پاک نہیں ہے اوہ خدا تعالیٰ کی بارگاہ میں دخل نہیں پا سکتا یعنی مقبول نہیں ہو سکتا۔ اور جو دل ابھی تک اپنی نا زیبا حرکتوں اور لغویات اور باطل تمناؤں سے باز نہیں آیا اور برابر اُن میں مشغول ہے خدا تعالیٰ کے اسرار اور باریکیاں سمجھنے کی وہ کیسے طمع کر سکتا ہے جب ان لغویات سے تائب ہو جاوے اس وقت اُسمیں قابلیت اسرار کے سمجھنے کی ہو سکتی ہے۔

اگر اُسکے عدل و انصاف سے مڈبھیڑ ہو گئی تو کوئی گناہ صغیرہ نہیں اور اگر اُسکے فضل کا سامنا ہوا تو کوئی گناہ کبیرہ نہیں۔ ف حق تعالیٰ کی صفت عدل و انصاف کا اگر عالم میں ظہور ہوا اور ہمارے ساتھہ انصاف و عدل کا معاملہ ہو تو اونٰی سے ادنیٰ گناہ بھی صغیرہ نہیں بلکہ سب کے سب کبیرہ گناہ اور قابل گرفت اور مواخذہ کے ہیں اس لئے کہ ایسے بڑے جلیل القدر کی کہ جسکی جلالت و عظمت کی کوئی انتہا نہیں اور ایسے بڑے محسن کی جسکے احسانات بیشمار ہیں ادنیٰ نافرمانی بھی اس درجہ سخت ہے کہ ہلاک کر دینے کے لئے کافی ہے اور اگر اُسکے فضل و کرم کی صفت ظاہر ہوا اور ہمارے ساتھہ فضل کا معاملہ ہو تو بڑے سے بڑا گناہ بھی ہمارا کبیرہ نہیں بلکہ سب صغائر بلکہ لاشئ محض ہیں اور معاف ہیں۔

جب تجھ سے کوئی گناہ صادر ہو جائے تو وہ تجھکو تیرے پروردگار کے ساتھہ حصول استقامت سے مایوس نہ کر دے کیونکہ شاید یہ آخری گناہ ہو جو تجھپر مقدر ہوا ہے۔ ف جب کوئی گناہ بشریت کی راہ سے تم سے ہو جائے تو اُس گناہ کی وجہ سے دین پر پختگی اور قائم رہنے کی صفت اور اپنے رب کے ساتھہ تعلق و اُمید کی خصلت میں ذرہ برابر فرق نہ آنا چاہیئے ایسا نہ ہو کہ اس گناہ کے صادر ہونے سے تم یہ سمجھنے لگو کہ بس جی ہم کو دین پر پختگی کا میسر ہونا محال ہے اور یہ سمجھکر اور گناہ پر دلیر ہو جاؤ حالانکہ یہ گمان تمہارا بالکل

ساتھہ خشیت یعنی خوف خدا نہ ہو وہ علم نہیں اور نہ ایسا شخص عالم حقانی ہی پس علامت عالم کی خوف خدا ہے آور خوف خدا کی علامت اتباع شریعت ہو اگر اتباع شریعت نہیں ہی تو سمجھ لو کہ خوف بھی نہیں آور جس علم کے ساتھہ دنیا کی رغبت ہوا ور دنیا داروں کی خوشامد ہوا ور دنیا کمانے ہی میں توجہ ہو اور تکبر اور بڑی بڑی تمنائیں اور آرزوئیں ہوں اور آخرت سے غفلت ہو ایسا علم علم نہیں اور ایسا عالم انبیاء کے وارثوں میں شمار نہیں *

علم کے ساتھہ اگر تجھکو خوف خدا بھی ہو تو وہ تجھکو فائدہ بخش ہے ورنہ وہ تیرے لئے ضرر رساں ہے

ف جس علم کے ساتھہ خوف خدا ہو کہ جسکی حقیقت اوپر بیان ہو چکی ہے ایسا علم دنیا اور آخرت میں نفع مند ہے اور جس علم کے ساتھہ یہ صفت نہ ہو وہ دنیا و آخرت دونوں میں مضر ہے اور علماء حقانی و غیر حقانی میں یہی فرق ہے کہ علماء حقانی خوف خدا کی صفت سے لئے ہوئے ہوتے ہیں اور علماء دنیا خدا سے نڈرا ور اپنے علم پر مغرور و متکبر ہوتے ہیں *

دوسرا باب توبہ کے بیان میں

قلب کیونکر منور ہو سکتا ہی اور حال یہ ہی کہ اغیار موجودات کی صورتیں اسکے آئینہ میں منتقش ہوں بلکہ خدا تعالیٰ کی طرف کیونکر سیر کرسکتا ہے حالانکہ وہ ابھی شہوات نفسانیہ کی قید میں مقید ہو بلکہ خداوند تعالیٰ کی بارگاہ عالی میں داخل ہونے کی کیونکر طمع کرسکتا ہے اور وہ اپنی غفلتوں کی ناپاکی سے پاک نہیں ہوا۔ بلکہ دقائق اسرار کے سمجھنے کی کیونکر توقع رکھتا ہے اور وہ اپنی نازیبا حرکتوں سے باز نہیں آیا۔ ف جبکہ دل کے آئینہ میں دنیا اور دنیا کی چیزیں مال و دولت آبرو آولاد و جائداد آور خیالات آور بیہودہ آرزوئیں آور باطل تمنائیں گھسی ہوئی ہوں تو ایسا دل کیسے روشن ہو سکتا ہی جب ان چیزوں کی تاریکی دل سے دور ہو اسوقت دل میں نور کا گذر ہو آور جو دل خواہشات نفسانی کی زنجیریں میں مقید ہو کہ شب و روز اسی خیال میں گذرتا ہو کہ یہ شئے کھاؤں اور فلاں لباس پہنوں آور فلاں عورت سے نکاح کروں اور فلاں چیز خریدوں ایسے دل والا خدا تعالیٰ کی طرف

اسپر ندامت و پشیمانی ہو خلاصہ یہ ہے کہ نہ اسقدر اُسکو بڑا جانے کہ جس سے مایوسی اور مغفرت سے نا اُمیدی کا
خیال پیدا ہو کہ یہ بھی کفر ہے اور نہ آتنا ہلکا ہو کہ توبہ و ندامت بھی نہ ہو اُمید مغفرت کے ساتھہ پشیمانی و حزن ہو
اور آیندہ کے لئے عزم ہو کہ ایسا نہ کرونگا۔

تیسرا باب عمل کے اندر اخلاص ہونے کے بیان میں

بندہ کے اعمال صرف صورتیں بیجان ہیں اور اخلاص کا وجود اُن کے لئے ارواح ہیں۔ **ف**
بندہ جو اعمال نیک مثل نماز روزہ حج زکوۃ کے کرتا ہی بلا اخلاص کے آنکی مثال ایسی ہی جیسے کسی جاندار
کی صورت ہو اور اُسمیں جان نہ ہو آور اخلاص یعنی عمل کو ریا اور نفسانی مزہ سے خالص کرنے کی مثال
روح اور جان کی سی ہی اگر عمل کے اندر اخلاص کی صفت موجود ہے تو اُسمیں جان ہوگی اور وہ عمل کا
آمد ہوگا اور اگر اخلاص نہ ہوا اور وہ عمل محض مخلوق کے دکھانے یا اپنے مزہ کے لئے کرتا ہی تو وہ عمل مثل
صورت بیجان کے ہوگا اور آخرت میں کچھ کام نہ آوے گا۔

اثنائے سلوک میں وقت کشف معارف واسرار اور ظہور انوار کے سالک کی ہمت توقف کا ارادہ نہیں
کرتی ہی مگر حقیقۃ الامر اُسکو پکار کر کہتی ہے کہ تیرا مطلوب آگے ہے اور جمال ظاہری مخلوقات کا ظاہر نہیں ہوتا ہے
مگر اُن کے حقائق چلا کر تجھکو کہتے ہیں کہ ہم آزمائش ہیں ہم میں مبتلا ہو کر کفران مت کیجیو۔ **ف** اللہ کے
بندے جسوقت اللہ کا رستہ طے کرتے ہیں اور ذکر و فکر و مراقبہ میں مشغول ہوتے ہیں اور طرح طرح کے اسرار
اور معرفت آلہی کے مزدے اُن کے دلوں پر بیٹھہ برستا ہی تو وہ مزے میں آکر اُن کی ہمت اور قصد اُسمیں لگ
جاتا ہی اور یہ خیال ہوتا ہی کہ بس سلوک سے مقصود یہی مزہ اور اسرار ہیں حالانکہ مقصود اصلی یہ نہیں ہوتا لیکن
توفیق آلہی رہبر اور مرشد کامل کا سایہ سر پر ہوتا ہی اسلیئے حقیقت کار اور مقصود اصلی اُسکو بزبان حال یہ کہتی ہی
یعنی دلمیں القا ہوتا ہی کہ تیرا مطلوب آگے ہی یہاں مت ٹھہر آگے بڑھ۔ یہ حالات جو پیش آتے ہیں یہ بھی تیری
طرح مخلوق ہیں خالق نہیں اور تیرا مقصود اصلی خالق تعالی شانہ ہی اور نیز اسی طرح سالک کو دنیا کی چیزوں کا
حسن و جمال ظاہر و منکشف ہو کر اپنی طرف کھینچتا ہے اگر مقدر میں گمراہی لکھی ہے یا مرشد کامل نہیں ہے

غلط ہے اسلئے کہ گناہ از راہ بشریت صادر ہونا دین پر پختگی کے خلاف نہیں ہاں گناہ پر اصرار کرنا اور توبہ نہ کرنا اور دوسری مرتبہ اُسکے کرنیکا قصد کرنا پختگی کے خلاف ہے اور ممکن ہے کہ یہ گناہ جو تم سے صادر ہوا ہے اور جسکو تم غلطی سے استقامت کے خلاف سمجھ رہے ہو آخری گناہ ہو جو تمھاری تقدیر میں لکھا تھا اور اُسکے بعد مالک حقیقی کی ایسی رحمت متوجہ ہو کہ پھر گناہ نہ ہو۔

طاعات وعبادات کے فوت ہو جانے پر غم نہ ہونا اور معاصی وسئیات کے واقع ہونے پر پشیمانی کا نہ ہونا موت قلب کی علامت ہے۔ ف جاننا چاہیئے کہ جیسے بدن کی زندگی کا دارمدار غذا پر ہے اسی طرح دل کی زندگی ایمان اور اعمال صالحہ سے ہے اور جس طرح بدن کو اگر غذا نہ ملے تو مردہ ہو جاتا ہے اسی طرح دل میں اگر ایمان نہ ہو تو وہ دل مردہ ہے پس جس شخص کو طاعات وعبادات مثلاً نماز روزہ جماعت وغیرہ کے فوت ہو جانے پر غم اور افسوس نہ ہوا اور گناہوں کے ہو جانے پر ندامت نہ ہو تو یہ علامت ہے اسکی کہ اُسکا دل مردہ ہو چکا ہے اور ایمان کے آثار اُسمیں نہیں ہیں اور اگر طاعت وعبادت کر کے دل خوش ہو اور گناہ ہو جانے پر غم اور رنج وندامت طاری ہو تو یہ صفت اس بات کی علامت ہے کہ دل نور ایمان سے زندہ ہے۔

کوئی گناہ تیرے خیال میں اتنا بڑا نہ ہونا چاہیئے کہ تجھکو اللہ تعالیٰ شانہ کے ساتھ حسن ظن سے روکدے اور اُسکی رحمت وفضل سے مایوس کر دے کیونکہ جسنے اپنے پروردگار کو پہچانا اُسنے بمقابلہ اُسکے کرم کے اپنے گناہ کو صغیر اور حقیر جانا۔ ف گناہ کو اتنا بڑا عظیم الشان اپنے خیال میں نہ جاننا چاہیئے کہ جس سے رحمت اور فضل سے مایوس ہو جائے اور اللہ تعالیٰ کیساتھ نیک گمان نہ رہے اور یہ خیال پیدا ہو جائے کہ میرا گناہ اتنا بڑا ہے کہ اب اسکی مغفرت نہ ہوگی اور اب میں اس گناہ سے اسدرجہ میں پہونچ گیا کہ رحمت اور فضل کی مجھ میں قابلیت نہیں رہی اور ایسی مایوسی اور ناامیدی حق تعالیٰ کی صفات کے نہ پہچاننے سے ہوتی ہے اور جس نے اپنے پروردگار کو پہچانا اور اسکی صفات کو جانا تو وہ اسکی کرم اور عفو کی صفت کو بھی جانیگا تو حق تعالیٰ کی اس صفت کے مقابلہ میں اپنے گناہ کو حقیر اور لاشیٔ جانے گا اور معافی اور مغفرت کی اُمید رکھے گا۔ ہاں گناہ دل میں ایسا ہلکا بھی نہ ہونا چاہیئے کہ اُس سے توبہ بھی نہ کرے اور نہ

تیرے پروردگار تک ہی پس اس آیت کے مضمون پر عمل کرے اور منتہی اپنا اپنے مالک حقیقی کو جانے اور اسی حال میں رنگین ہو جاوے۔

اور حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کو دیکھ وہ فرماتے ہیں جسکی ہجرت اللہ و رسول کیطرف ہوگی تو اسکی ہجرت واقعی اللہ و رسول کی طرف ہوگی اور جسکی ہجرت متاع دنیا حاصل کرنیکے لئے ہوگی تو اسکی ہجرت واقعی اسی طرف ہوگی جسطرف اسنے ہجرت کا ارادہ کیا ہی اگر تو صاحب عقل و فہم ہی تو حضرت کے اس جملہ (فهجرته الى ما هاجر اليه) کو تامل کی نظر سے بغور دیکھ **ف** اس حدیث میں مضمون سابق کی دلیل ہی خلاصہ ارشاد کا یہ ہے کہ جس شخص نے ترک وطن خالص اللہ و رسول کے واسطے کیا اور کوئی دوسری شی اسکا مقصود نہیں تو یہ اسکی ہجرت و عمل معتبر ہے اور جسنے دنیا کا مال یا کسی عورت کے لئے ہجرت اختیار کی تو اسکی ہجرت اسیطرف ہی جو اسکا مقصود ہی آخرت کا کوئی حصہ اسکو نہ ملیگا ایسے ہی سالک کا مقصود اگر ذکر و شغل نماز روزہ سے دل کی حلاوت اور مزہ یا نام آوری و شہرت ہی تو بس یہی اسکا منتہی ہے خداتعالیٰ کا قرب اسکو نصیب نہ ہوگا اور اگر سارے مزوں اور ثواب وغیرہ سب کو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کی رضا اسکا مطمح نظر ہے تو اسکو اسکا یہ مقصود حاصل ہوگا +

کوئی عمل بارگاہ خداوندی میں اُس عمل سے زیادہ قبولیت کے لائق نہیں ہی جسکا مشاہدہ تیری نظر سے غائب ہو اور تیرے خیال میں اُس کا وجود حقیر ہو **ف** اللہ کے نزدیک بندہ کا وہ عمل زیادہ مقبول ہی کہ اسکو اللہ کی طرف سے جانے اور دل سے اسکا ہی مشاہدہ کرے اور اپنی طرف کسی طرح نسبت نہ کرے بلکہ دل کی آنکھ سے اسکا معائنہ کرے کہ اگر اللہ تعالیٰ مجھ سے یہ کام نہ لینا چاہتا تو ہرگز اسکا صدور نہ ہوتا اور اس عمل کو اس قابل نہ جانے کہ اسکی وجہ سے مجھکو بارگاہ خداوندی میں نزدیکی حاصل ہوگی بلکہ اسکو اپنا عمل ہونیکی وجہ سے حقیر اور قابل قبول نہ سمجھے جو ایسا عمل ہوگا وہ بارگاہ خداوندی میں مقبول ہوگا

طاعت پر اس اعتبار سے نہ اترا نا کہ وہ تجھ سے تیری قدرت و اختیار کے ساتھ ظاہر ہوئی ہی بلکہ یہ خیال کرکے خوش ہونا کہ خدائے تعالیٰ کے فضل و رحمت و توفیق کے ساتھ ظاہر ہوئی چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے تو کہہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے اور اسکی مہر سے سو اسی پر چاہیئے کہ خوشی کریں **ف** بندہ جو عبادت اور نیک عمل کرتا ہی اسپر اسکو خوش ہونا اور اترانا کہ میں نے یہ عمل کیا ہے اور میرے اختیار و قدرت سے

توان ہی دنیا کی چیزوں میں سے کسی شئی میں پھنس جاتا ہے اور اُسی کو ذریعہ مقصود سمجھ لیتا ہے اور اگر توفیق الٰہی دستگیر ہوتی ہے تو اس دنیائے فانی کی چیزوں کی حقیقت اُسکو پیش نظر ہوجاتی ہے اور وہ چلا کر اُسکو کہتی ہے کہ ہم کو خدا تعالیٰ نے تیری آزمائش کے واسطے پیدا کیا ہے ہم میں مشغول ہوکر اپنے مولیٰ تعالیٰ کی ناشکری نہ کر اور سے آگے بڑھ۔

ایک مخلوق سے دوسری مخلوق کی طرف چلنے کا قصد نہ کر کیونکہ اگر تو ایسا کرے گا تو مثل چکی کے

گدھے کے ہوگا کہ چکی میں چلتا ہے اور جو اُسکے سیر کی ابتدا ہے وہی اُسکے سیر کی انتہا ہے لیکن تو مخلوقات سے خالق کی طرف سیر کر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اور بیشک انتہائے سلوک تیرے پروردگار تک ہے۔ **ف** طالب مولیٰ کا مقصود اصلی یہ ہے کہ ہر امر میں اُسکی نظر اپنے مالک کی طرف ہو اور تمام عبادت اور ذکر و شغل کا حاصل یہی ہے کہ غیر اللہ سے نظر ہٹ جائے اور دل حق تعالیٰ کی یاد میں مشغول ہوجاوے تو اگر کوئی دنیا دار دنیا کو چھوڑ کر عبادت اور ذکر و شغل میں لگے اور مقصود اُسکا یہ ہو کہ لوگ مجھکو عابد زاہد بزرگ جاننے لگیں تو وہ ایک مخلوق کو چھوڑ کر دوسری مخلوق کی طرف مشغول ہوگیا یعنی مال و دولت کو چھوڑا اور نام آوری اور مخلوق کی نظروں میں شہرت کی طرف لگ گیا اور ظاہر ہے کہ اس شہرت و نام آوری کا حاصل صرف یہ ہے کہ مخلوق کا گمان اُسکی طرف نیک ہوجاوے تو جسکی طرف وہ مشغول ہوا ہے یہ بھی ایک مخلوق ہے اور اگر ثواب اور مراتب عالیہ اور ذوق و مزہ کا حاصل ہونا اُسکا مقصود ہے تو گو یہ جائز ہے لیکن جو مولیٰ کا طالب ہے اُسکی شان کے خلاف ہے اور یہ بھی ایک مخلوق یعنی دنیا کو چھوڑ کر دوسری مخلوق یعنی ثواب و مراتب عالیہ کیطرف چل رہا ہے اُسکی سیر بھی خالق کی طرف نہیں ہے جہاں سے چلا تھا وہاں ہی جا رہا ہے اسلئے کہ دنیا اور ثواب اور مراتب عالیہ اور نام آوری سب کے سب غیر خدا ہونے میں برابر ہیں اور ایسا سالک چکی کے گدھے کی مثل ہے کہ وہ زمین کے ایک گول دائرہ میں پھرتا ہے اور جہاں سے چلتا ہے اُسی جگہ پھر لوٹ آتا ہے کوئی مسافت قطع نہیں کرتا ہے ایسے ہی یہ سالک ہے کہ ایک مخلوق کو چھوڑتا ہے دوسری مخلوق میں مشغول ہوتا ہے غرض مخلوق ہی کے دائرہ میں رہا خالق کے رستہ کو بالشت برابر بھی قطع نہ کیا پس سالک کو چاہیئے کہ تمام مخلوق کو چھوڑے خواہ وہ دنیا ہو یا ثواب ہو یا کوئی مرتبہ ہو اور سب کو موج کر کے اپنے مولیٰ تک پہونچے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ بلا شک انتہا

جس نے اللہ تعالیٰ کی عبادت حصول ثواب یا دفع عقاب کے لئے کی تو گویا اُس نے حق جل وعلا

کی صفات کمال و عظمت و جلال کا حق ادا نہ کیا۔ **ف** بندہ کا مقصود بندگی سے اگر یہ ہو کہ مجھکو ثواب ملے اور جنت حاصل ہو اور دوزخ کے عذاب سے نجات ہو تو اُسکو اُسکا مطلوب انشاء اللہ حاصل ہوگا لیکن اس بندہ نے عبادت سے اپنے نفس کے مزہ و راحت ہی کو چاہا اور نفس ہی میں مبتلا رہا حق تعالیٰ کی کمال کی صفت اور جلال و عظمت کی شان کا حق ادا نہیں کیا کمال تو یہ ہو کہ بندہ کی عبادت مولیٰ تعالیٰ شانہٗ کی عظمت اور کمال کی وجہ سے ہو جنت کی طمع اور دوزخ کے خوف ہی سے نہ ہو اسلئے کہ غلام کی شان تو غلامی کرنا ہو خواہ مالک اُسکو نوازے یا مشقت لے ۔۔

جب تو کسی عمل پر عوض کا خواہاں ہوگا تو تجھ سے اُس میں صدق اور اخلاص کا مطالبہ ہوگا اور اخلاص کے

ہونے میں تو متردد ہوگا اور متردد کو اپنے اس ناکارہ عمل کی جزا دمواخذہ خداوندی سے سلامت رہنا ہی کافی ہو **ف** بندہ کی نیت اگر عبادت اور عمل نیک سے یہ ہو کہ مجھ کو خدا تعالیٰ کی طرف سے اسکا کوئی عوض ملے تو حق تعالیٰ اُس سے اسکا مطالبہ فرماوینگے کہ ثواب کے قابل تو وہ عمل ہو جو اخلاص سے ہو اور جب تیری نیت اس عمل سے یہ تھی کہ اسپر مجھکو عوض ملے تو تو نے یہ عمل خالص میرے واسطے نہیں کیا بلکہ اپنے نفس کے واسطے کیا ہو تو اس بندہ کو اخلاص کے ہونے میں تردد اور شک ہوگا اسلئے کہ اگر اخلاص یقیناً ہوتا تو اُس عمل پر عوض کا خواہاں نہ ہوتا اور ایسے شخص کو یہی کافی ہو کہ اس عمل پر خدا تعالیٰ کی طرف سے مواخذہ نہ ہو ثواب کی اُمید تو علیحدہ رہی ۔۔

اپنے کسی عمل پر جس کا تو فاعل حقیقی نہیں ہو عوض کا طلبگار مت ہو ایسے عمل پر تجھکو یہی عوض کافی ہو

کہ اُسکو قبول فرمایا اور اُسپر مواخذہ نہیں کیا **ف** جاننا چاہئیے کہ تمام افعال کا فاعل حقیقی اللہ تعالیٰ ہے خواہ وہ افعال بندوں کے ہوں یا اور کسی کے پس بندہ کی نظر عبادت میں اسپر ہونا چاہئیے کہ یہ فعل پیدا کیا ہوا اللہ تعالیٰ کا ہے اور اسکا احسان ہو پس جس فعل کا درحقیقت بندہ خالق و فاعل نہیں ہو اُسپر عوض کو طلب کرنا بالکل بے محل ہے پس اگر ثواب و اجر کا طالب ہوا تو اسمیں اخلاص نہ رہے گا ایسے عمل پر یہی عوض کافی ہو کہ مولیٰ حقیقی نے اُس عمل کو قبول فرما کر ثواب دیدیا اور اُسپر مواخذہ نہیں فرمایا ورنہ وہ

یہ عمل ہوا ہی ایسا خوش ہونا برا اور نعمت کی ناشکری ہی بلکہ اسواسطے خوش ہو کہ اللہ کا شکر ہی کہ اسکا فضل و
رحمت میرا دستگیر ہوا اور مجھسے یہ نیک عمل کرا دیا اللہ تعالی کا ارشاد ہی کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ
فرما دیجئے کہ اللہ ہی کے فضل و رحمۃ پر خوش ہوں اور دوسری شے سے خوش نہ ہوں۔

ہمارا پروردگار جل وعلا اس سے برتر و بالاتر ہے کہ بندہ تو اسکے ساتھہ اپنی طاعتوں سے نقد کا معاملہ
کرے اور وہ اسکا بدلہ قیامت کے ادہار پر چھوڑے **ف** کریم کی شان یہ نہیں ہی کہ کام تو اسوقت لے
اور اس کام کی اجرت نقد نہ دے بلکہ ادہار چھوڑ دے پس کریم حقیقی جل وعلا شانہ تو بطریق اولی ایسا نہ کریگا
کہ بندہ طاعت اسوقت کرے اور اسکا بدلہ قیامت کے ادہار پر چھوڑ دے بلکہ طاعت کا بدلہ بندہ کو
یہاں بھی ملتا ہی وہ یہ ہی کہ اسکے قلب میں عبادت اور ذکر کی وہ حلاوت اور مزہ اور طرح طرح کے اسرار و معارف
بخشتے ہیں کہ اسکے سامنے وہ بندہ ہفت اقلیم کی سلطنت کو گرد جانتا ہی اور یہ آخرت کے بدلہ کا ایک بہت
ادنی نمونہ ہی اور جو وہاں عطا ہوگا اسکی حقیقت تو کوئی بیان ہی نہیں کر سکتا۔

طاعت پر دنیا میں تجھکو یہی بدلہ کافی ہی کہ تیرا مولی تیرے سلئے طاعت کے اہل ہونے پر راضی ہوا **ف**
عبادت پر دنیا میں جو بدلہ ملتا ہی وہ بھی بے انتہا ہی منجملہ اسکے سالک محب کے لئے یہ سب بدلوں سے بڑہکر ہی
کہ احکم الحاکمین اور بادشاہوں کا بادشاہ تیرے طاعت کے لائق ہونے پر راضی ہوا اور تجھ سے طاعت کا
کام لیا ورنہ تو کیا ہی ایک بندہ ذلیل لاشی محض ہی دیکھو دنیا کا بادشاہ اگر کسی سے کچھ خدمت لے لے تو
اسکو کسقدر فخر اور مرتبہ حاصل ہوتا ہی اسکے سوا اور کچھ اسکو ملے یا نہ ملے اسکے لئے یہی بڑا بھاری بدلہ ہی۔

عمل کرنے والوں کے لیے جزا معجل یہی کافی ہی جو اثنا طاعت میں ان کے قلوب پر الہامات اور لذت
مناجات کے دروازے کھولتا ہی اور اپنا انس جانبخش انکے دلوں پر نازل فرماتا ہی **ف** طاعت پر جو دنیا
میں انعامات نقد عطا ہوتے ہیں وہ یہ ہی کہ طاعت کرنے والوں کے دلوں میں طاعت کے وقت نوع بنوع کے
الہامات بارگاہ عالی سے ہوتے ہیں جنسے وہ روحانی مزے لیتے ہیں اور مناجات کی لذت کے دروازے
ان کے دلوں میں کھل جاتے ہیں اور حق تعالی ان کے دلوں کو اپنی ذات والا کے ساتھہ انس اور دلبستگی
عطا فرماتا ہی کہ اس دولت کے مقابلہ میں وہ دنیا کی نعمتوں کو بھول جاتے ہیں ۔

ف ریا یہ ہی کہ عبادت اور نیک عمل اسلئے کیا جاوے کہ لوگ مجھکو عابد زاہد بزرگ سمجھیں تو اگر عمل کے وقت لوگ وہاں موجود ہوں اور ان کے دکھانے کے لئے مثلاً کوئی نماز پڑھے یا نماز تو شروع کی تھی اللہ کے واسطے لیکن کسی کے آنے سے اُسکو لمبی کردی اور سنوار کر پڑھنے لگا تاکہ یہ جانے کہ بڑا نمازی ہے تو یہ تو ریا کی قسم ظاہر ہے اور ہر کوئی جانتا ہے کہ یہ ریا ہے بعض مرتبہ آدمی چھپ کر عمل کرتا ہے اور وہاں کوئی دیکھنے والا موجود نہیں ہوتا لیکن پھر بھی اس عمل میں ریا داخل ہو جاتی ہے یہ ریا کی قسم نہایت دقیق اور باریک ہے اور اس ریا کی علامت یہ ہی کہ یہ شخص جب لوگوں سے ملے تو یہ چاہے کہ یہ لوگ میری تعظیم کریں اور محفل میں مجھکو صدر میں جگہ ملے اور میرے کام لوگ کیا کریں اور اگر لوگ ایسا معاملہ کرتے ہیں تو خوش ہوتا ہے اور اگر ایسا نہیں کرتے تو اُسکو اوپرا اور عجیب معلوم ہو۔ پس یہ باتیں اسکی علامت ہیں کہ اس شخص کے اندر ریا ہے اور یہ نیک عمل اسیواسطے کرتا ہے کہ لوگ مجھکو بزرگ سمجھیں اور میرے دنیا کے کام ہیں۔

تیرا خواہش کرنا کہ لوگ تیرے اعمال اور باطنی احوال کی خصوصیت جان لیں عبودیت کے اندر تیرے سچا نہ ہونے کی دلیل ہے

ف عبودیت اور بندگی کے اندر سچا ہونا یہ ہے کہ غیر اللہ سے نظر اُٹھ جاوے اور سوائے اپنے رب کے کسی کی طرف التفات نہ ہو اگر بندہ میں یہ صفت موجود ہے تو وہ سچا ہے اگر یہ خواہش ہو کہ لوگوں کو میرے نیک عملوں کی خبر ہو جاوے اور باطنی حالات جو خاص مجھپر گذرے ہیں مخلوق کو اسکی اطلاع ہو اور مختلف طریقوں سے اسکا اظہار کرتا ہی تو یہ بندہ بندگی میں سچا نہیں ہی اور یہ خواہش ہی اُسکے سچا نہ ہونے کی دلیل ہی۔

نظر لطف خداوند تعالیٰ کی اپنی طرف ملاحظہ کر کے لوگوں کی نظر کو اپنے خیال سے دور کر اور توجہ التفات خداوند تعالیٰ اپنی طرف مشاہدہ کر کے لوگوں کے توجہ و التفات کی طرف متوجہ نہ ہو

ف بندہ مخلص کی شان یہ ہے کہ لوگوں کی رضا و عدم رضا کی اُسکو کچھ پروا نہ ہو اور حق تعالیٰ کی نظر رحمت و لطف جو ہر وقت اسکے حال پر ہے پیش نظر ہو کر مخلوق کی نظر کو اپنے خیال سے بالکل نکالدے مخلوق اسکو خواہ تحقیر کی نظر سے دیکھے یا عزت کی نگاہ سے اسکی کوئی وقعت اسکے دل میں نہ ہو اور حق تعالیٰ کی توجہ و التفات جو اسکے

قابل گرفت تھا۔

گناہ اور نافرمانی کرنے کے وقت جسقدر تو حلم خداوندی کا محتاج ہی بندگی اور طاعت کرنے کے وقت

اُس سے زیادہ اُسکے حلم کا حاجتمند ہے **ف** بندہ کا کمال اور مرتبہ اور تمام عبادات کا اصلی مقصود یہ ہی کہ بندہ کی نظر ہر امر میں اللہ تعالی کی طرف ایسی ہو جیسے بھیک منگا سائل ہوتا ہی اور اپنا عمل اور فعل حتی کہ اپنا وجود نظرت بالکل اُٹھہ جاوے اللہ ہی پر اعتماد ہو اُسی کی ساتھہ دل کو قرار ہو اُسی کیطرف دل کا رخ ہو اپنی تدبیر اور اسباب ظاہرہ سے بالکل بھروسہ اُٹھ جاوے۔ اور بندہ کی پستی اور ہلاکت اسمیں ہی کہ اپنی نفس کی طرف متوجہ ہو اور اپنے عمل کو لپسند کرے اور اپنے فعل کو اچھا جانے اور اپنی قدر اسکے دل میں ہو ایسا بندہ اللہ تعالی کی بارگاہ سے مردود ہوتا ہی۔ اسکے بعد سمجھو کہ یہ سب کو معلوم ہے کہ گناہ میں بندہ اللہ تعالی کے حلم کا محتاج ہے کہ اللہ تعالی مواخذہ نفرماوے اور گناہ سے درگذر فرماوے اور طاعت وعبادت چونکہ عین رضائے الٰہی ہی اُسمیں حلم کا حاجتمند نہیں ہی اسلئے کہ حلم تو خلاف رضا کام کرنے پر ہوتا ہے لیکن کبھی کبھی بلکہ اکثر معاملہ برعکس ہی ہوتا ہے کہ گناہ کے وقت حلم کا اسقدر محتاج نہیں جسقدر طاعت کے وقت ہی شرح اس اجمال کی یہ ہے کہ مومن کی شان گناہ صادر ہو جانے کے بعد یہ ہی کہ انکسار عاجزی ندامت ذلت اور اپنے نفس کو نفرین اور بارگاہ الٰہی میں تضرع وزاری وتوبہ پیدا ہوتی ہے اور اس حالت میں اُسکی نظر اپنے نفس اور عمل پر نہیں رہتی بلکہ دل اس صفت کے ساتھ رنگین ہو جاتا ہی کہ بجز رحمت اور فضل کے بیرا کہیں ٹھکانا نہیں اور یہی صفت عین مقصود اور بندہ کا کمال ہے اور طاعت وعبادت کے بعد بسا اوقات ایسا ہوتا ہی کہ نظر اُس عمل پر ہوتی ہی اور اسکو اچھا سمجھتا ہی اور اپنے آپ کو مطیع اور عابد اور حق کا ادا کرنے والا اور مستحق ثواب جانتا ہے تو اس حالت میں اُسکی نظر اپنے نفس اور عمل پر ہوئی اور رحمت وفضل پر سے اعتماد اُٹھ گیا تو اسوقت عجب نہیں کہ اسپر غضب الٰہی ہو اور نارضامندی کا مورد بنے پس ایسی طاعت پر یہ بندہ حلم خداوندی کا گناہ کرنے کے وقت سے زیادہ محتاج ہے۔

بسا اوقات غامض اور دقیق ریا ایسی جگہ سے داخل ہوتی ہی جس جگہ تجھکو لوگ نہ دیکھتے ہوں۔

محب وہ نہیں ہے جو اپنے محبوب سے عوض کا امیدوار ہو یا حصول غرض کا طلبگار ہو کیونکہ محب حقیقی

وہ ہے جو اپنے محبوب کی رضا میں سب خرچ کر ڈالے وہ محب حقیقی نہیں جسکے لئے محبوب کچھ خرچ کرے۔

ف جاننا چاہئے کہ محبوب حقیقی سب بندوں کا حق تعالیٰ ہے اور بندے مومن اُسکے محب چنانچہ ارشاد ہے وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ یعنی جو لوگ ایمان لائے وہ اللہ کی محبت میں بہت زیادہ سخت ہیں پس جو بندہ طاعت کرکے اُسپر کسی عوض کا اُمیدوار ہو جنت کا یا ذوق وحلاوت و اسرار ومعارف وغیرہ کا وہ سچا محب نہیں اس لئے کہ محب محبوب سے کسی چیز کا سوائے اُسکی رضامندی کے طالب نہیں ہوتا بلکہ محب تو جو کچھ اُسکے پاس تن من دھن ہے سب کچھ محبوب کے اوپر قربان کردیتا ہے اور محبوب سے کسی چیز کی خواہش نہیں ہوتی۔

اُسکے صدقہ کئے ہوئے عمل پر تو کیونکر عوض کا طالب ہوسکتا ہے یا اُسکی تحفہ بھیجی ہوئی راستی پر کس طرح جزا کا طالب ہوسکتا ہے۔ **ف** بدلہ اُس کام کا ہوتا ہے کہ وہ کام تنے دوسرے کے نفع کے واسطے کیا ہو اور اپنا اُس میں کچھ نفع نہ ہو ایسے کام کی اُجرت وبدلہ دوسرے سے لیا جاتا ہے اور بندہ جو کچھ عمل کرتا ہے اُس میں نفع بندہ کا ہے کسی صورت سے مولی کریم کا نہیں کہ وہ اُس سے اور اُس کے نفع سے بالکل مستغنی ہے پس بندہ کا عمل اور راستی واخلاص مولی کریم نے بندہ پر صدقہ اور تحفہ ہے پس نہایت عجیب اور حماقت اور بے عقلی ہے کہ اُسکے صدقہ اور تحفہ پر اُسی سے بدلہ اور عوض کا طالب بنے یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ فقیر کو کسی کریم نے جو صدقہ یا تحفہ دیا وہ فقیر اُسی سے اُلٹا اس صدقہ وتحفہ کے عوض کا طالب ہو۔

چوتھا باب نماز کے حکم کے بیان میں

نماز حقیقی دلوں کو اغیار کے میل کچیل سے پاک کرنے والی اور پوشیدہ اسرار کا دروازہ کھولنے والی ہے نماز سرگوشی کا محل اور محبت واخلاص کی جگہ ہے اُس میں قلوب کے میدان اسراروں کے لئے فراخ ہوتے ہیں اور اُس میں انوار کے ستارے چمکتے ہیں **ف** جو لوگ اللہ کے خاص بندے ہیں ان کے

ساتھہ ہر وقت ہی اسکو مشاہدہ کرے اور اسکو اپنے لئے بڑی دولت جانکر لوگوں کی توجہ والتفات کی طرف مڑ کر
نظر نہ کرے دیکھو بدیہی بات ہی اگر بادشاہ وقت کی خاص مہربانی کسی شخص پر ہوا در بادشاہ وقت اُسکے
ہر حال کا نگران ہو تو وہ شخص دوسرے کسی کی مہربانی کرنے یا اہانت کرنے کی بالکل پروا نہ کریگا پس
احکم الحاکمین اور سب بادشاہوں کے بادشاہ کی نظر عنایت ہر آن میں ہماری ساتھہ ہے اور ہر دم
طرح طرح کی نعمتیں ہمپر اُسکی طرف سے مینہ کی طرح برس رہی ہیں اسپر بھی اگر زید و عمرو کی طرف
ہماری توجہ ہوئی تو ہمسے زیادہ کون ناشکر ہوگا اور اسکی سزا تو یہ ہے کہ نعمتیں سب سلب ہو جاویں
مگر رحمت اسقدر بے انتہا ہے کہ اسپر بھی درگذر ہوتی ہے +

حق جل وعلا جیسے عمل مشترک ریا آمیز کو پسند نہیں فرماتا ہی اسی طرح قلب مشترک کو جس میں حُب
غیر بھی ہو محبوب نہیں رکھتا ہے نہ عمل مشترک کو نہ قبول فرماتا ہی نہ اُسپر ثواب دیتا ہے **ف** عمل مشترک
وہ ہے جسمیں ریا ہو کہ اُسمیں مخلوق کا ساجھا ہو گیا ایسا عمل اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں اسیطرح قلب مشترک
وہ ہے جسمیں غیر اللہ کی محبت ہو ایسے دل کو بھی اللہ تعالیٰ محبوب نہیں رکھتے ہیں اور عمل مشترک کو جو مخلوق
کے دکھاونے کے واسطے کیا گیا ہو نہ قبول فرماتا ہے نہ اُسپر ثواب ملتا ہے اللہ تعالیٰ کو وہ قلب محبوب
ہے جسمیں خالص اُسی کی محبت ہو اور اُسی طرح وہ عمل اُسکی بارگاہ عالی میں مقبول ہے جس میں ریا
اور بناوٹ نہ ہو +

جس چیز کو تو محبوب بناویگا اُس کا بندہ ہوگا اور اللہ تعالیٰ اسکو پسند نہیں کرتا کہ اُسکے سوا تو
کسی کا بندہ بنے **ف** اللہ تعالیٰ کے سوا دنیا کی چیزوں میں سے جس سے آدمی کو محبت ہو تو گویا اُسکا
بندہ بن گیا اس لئے کہ جس شئے سے محبت ہوگی اُس سے علاقہ شدید ہوگا اور اُسکے علیحدہ ہونے سے
دل کو صدمہ پہنچیگا اور یہی مطلب ہے بندہ بننے کا جیسے بعض لوگ بندہ زر بنے ہوئے ہیں بعض بندہ زن
ہیں بعض بندہ اولاد میں لیکن یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ اس محبت سے مراد وہی محبت ہو کہ بس اُسی کا ہو رہے
اور اُس محبوب کے مقابلہ میں شریعت کے احکام کی کچھ پروا نہ کرے اور اگر شریعت کے احکام کو مقدم کہتا
ہے اور طبعی محبت اولاد و اقارب کے ساتھہ ہے۔ یہ محبت ممنوع نہیں بلکہ سنت ہی +

خصلت انسان کے اندر اکتانے کے مقابلہ میں حرص اور شوق کی ہے جب یہ صفت حد سے زیادہ بڑھتی ہے تب بھی کام بگڑ جاتا ہے مثلاً کہیں جانیکا شوق حد سے زیادہ بڑھ گیا تو بہت سے ضروری کام رہ جانے کے متعلق خراب ہو جائیں گے پس جب شدۃ سے حرص نماز کی ہوگی تو نماز کو اُسکے حقوق کے ساتھ ادا کرنا مشکل ہوگا مثلاً شدت شوق اور ٹوٹ کر پڑنے میں وضو ہی نہ کرے گا یا قرآن جلدی جلدی پڑھیگا اور اُسمیں تدبر اور خشوع نہ ہوگا جب یہ صفت اس انسان میں تھی تو اللہ تعالیٰ نے نماز اور دیگر عبادات کو بعض اوقات میں منع کر دیا تاکہ وہ حرص و عجلت اور کسی کام پر ٹوٹ کر پڑنے کی خصلت دب جائے۔ اور خاص خاص وقتوں میں نماز مقرر فرمائی تاکہ بندہ کا قصد یہ ہو کہ نماز کامل درجہ کی ادا ہو جلدی اور حرص میں یہ نہ ہو کہ نماز کی صورت بنائے اسلئے کہ نماز کی صورت میں اور کامل نماز میں بڑا فرق ہے ہر نماز پڑھنے والا کامل درجہ کی نماز ادا کرنے والا نہیں ہوتا ہے۔

تیرا ضعف و ناتوانی معلوم کر کے نماز کی تعداد گھٹا دی اور فضل خداوندی کا محتاج جانکر امداد ثواب

بڑھا دی (یعنی پچاس سے پانچ کر دی اور پچاس کا ثواب پانچ میں دیدیا) **ف** نماز شب معراج میں فرض ہوئی ہے اول اول پچاس نمازیں فرض ہوئی تھیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کئی بار درخواست پر پچاس سے پانچ باقی رہیں اور (۴۵) کم ہو گئیں یہ کم ہونا بوجہ ہمارے ضعف کے تھا کہ ہم پچاس وقت کی نماز پر مداومت نہ کر سکتے لیکن انسان اُسکے فضل کا محتاج ہے اسلئے ثواب پچاس ہی کا قائم رہا۔

تیرے لئے طاعات کو اوقات معینہ کے ساتھ اسلئے مقید کر دیا تاکہ کسل اور بیت و لعل تجھکو مانع نہ ہو

اور وقت فراخ رکھا تاکہ کچھ حصہ اختیار کا بھی تیرے لئے باقی رہے۔ **ف** جو عبادات بندہ پر حق تعالیٰ نے فرض فرمائی ہیں اُن کے اوقات بھی معین فرما دئیے جیسے نماز روزہ کہ اگر اُن وقتوں میں آن کو ادا کر لو تو ادا ہوتی ہیں ورنہ فوت ہو جاتی ہیں تو اس میں حکمت یہ ہے کہ اگر مثلاً نماز کے اوقات کو معین نہ کیا جاتا اور ہماری رائے پر چھوڑ دیا جاتا کہ جب چاہیں پڑھ لیں تو سستی اور کسل لاحق ہوتی اور یہ ہوتا کہ اگر کسی کام میں مشغول ہیں تو یہ کہتے کہ اس کام سے فارغ ہو کر پڑھیں گے یا کئی ماہ کی ایک دو دن میں پڑھ لیں گے جلدی ہی کیا ہے تو اس طور سے وہ عبادت فوت ہو جاتی اور وقت جو نماز کا مقرر فرمایا وہ

قلوب ہروقت اللہ کی یاد میں رہتے ہیں لیکن مخلوق سے ملنے جلنے اور طبعی ضرورتوں کے انجام دینے
میں ایک نوع کی غفلت اور غیر اللہ کے ساتھ قلب کو ایک قسم کا علاقہ ہو کر کدورت لاحق ہوتی ہے
لیکن جب نماز میں مشغول ہوتے ہیں تو ان کی نماز اغیار کے میل کچیل سے اون کے قلوب کو پاک کر دیتی
اور خالص حضوری اُن کے مرتبہ کے موافق میسر ہو جاتی ہے اور جب اغیار کے پردے دل سے
اُٹھ گئے اور موانع مرتفع ہو گئے تو پوشیدہ اسرار کے دروازے اور اللہ کی معرفت کے راز انکے
دلوں پر نماز میں کھلتے ہیں اور انکی نماز اپنے رب سے سرگوشی کرنے کا محل بنتی ہے اور اخلاص و محبت سے
پُر ہوتی ہے کہ غیر اللہ کی مطلق گنجایش نہیں رہتی اور دلوں کے میدان اسرار الٰہی کے لئے فراخ ہو جاتے
ہیں اور کھل جاتے ہیں کوئی تنگی اور انقباض اور گھبراہٹ اُن میں نہیں رہتا اور ان حضرات کی نمازیں
انوار ستاروں کی طرح چمکتے ہیں جنکا وہ دلوں کی آنکھ سے مشاہدہ کرتے ہیں مقصود یہ ہے کہ ہر مومن کو چاہیے
کہ ایسی ہی نماز پڑھنے کی کوشش کرے ؁

جب حق جل وعلا نے عبادت سے تیری ملالت و گرانی معلوم کی تو رنگ برنگ کی عبادتیں تیرے
لئے مقرر فرمائیں اور جب عبادت پر تیری حرص دیکھی تو تجھکو اُس سے منع فرما دیا اسلئے کہ تیرا قصد کامل
نماز ادا کرنے کا ہو نہ محض صورت نماز کیونکہ ہر ایک نماز پڑھنے والا کامل نماز ادا کرنے والا نہیں ہوتا ہے۔

ف جاننا چاہیئے کہ انسان ضعیف البنیان ایک ہی کام کو دیر تک کرنے سے اس سے اُکتا جاتا ہے۔
اور وہ کام گراں معلوم ہونے لگتا ہے اور مختلف کاموں میں دل بہلا رہتا ہے اور ان کو انجام کو پہنچاتا
ہے اور نیز یہ بھی سمجھنا چاہیئے کہ حق تعالیٰ کی بندگی میں ہر وقت لگا رہنا بندہ کا فرض ہے پس جب یہ
حالت اس انسان کی ٹھہری تو اللہ تعالیٰ نے رنگ برنگ کی عبادتیں مقرر فرمائیں ایک عبادت کو دائما
نہیں رکھا کہ اُس سے بندے اُکتا نہ جاویں مثلاً اگر یہ حکم ہوتا کہ ہر وقت نماز ہی پڑھو تو یقیناً بندے اُس
سے اُکتا جاتے اور اب بندہ کا دل لگا رہتا ہے کہ نماز تلاوت قرآن حج زکوٰۃ قربانی روزہ ذکر وغیرہ
نوع بنوع کی عبادتیں مقرر فرما دیں کہ بندوں کا دل نہ اُکتائے کہ ہر عبادت کی شان اور ذوق جداگانہ
ہے پس اوقات بھی تمام عبادت میں مشغول رہے اور گرانی بھی کچھ نہیں ورنہ اُکتا کر چھوڑ بیٹھتے دوسری

ہے کہ بعض بندے ایسے ہیں کہ زنجیروں میں جکڑ کر جنت کی طرف کھینچے جاتے ہیں یعنی اعمال صالحہ
اُن کو شاق ہوتے ہیں مگر چونکہ اُن پر واجب کر دیئے گئے ہیں اسلئے خلاف اپنی طبع کے ان کو کرنے
پڑتے ہیں اور جنت میں جاتے ہیں۔

تجھپر اپنی خدمت وطاعت کو واجب فرمایا اور حقیقت میں اسکی وجہ سے تیرے جنت میں
داخل ہونے کو واجب ولازم فرمایا۔ **ف** اللہ تعالیٰ نے ظاہر میں تو اپنی خدمت وطاعت کو
واجب فرمایا جس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہی کہ اس میں اللہ تعالیٰ کا نفع ہے لیکن وہ تو غنی اور
بے نیاز ہے اس عبادت کا نفع ہم کو ہی ہے تو طاعت کو واجب فرمانا حقیقت میں جنت میں
جانے کو لازم کر دینا ہے سبحان اللہ کیا رحمت ہی۔

فرمایا یعنی مصنف نے (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول (وجعلت قرۃ عینی فے
الصلوٰۃ) کے سوال کے جواب میں کہ کیا یہ مرتبہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھہ ہی مخصوص ہے
یا کسی دوسرے کو بھی اسمیں سے حصہ اور نصیب ہے۔ بیشک مشاہدہ جلال وجمال حق متعال کے ساتھ
آنکھ کی ٹھنڈک اور دل کی لذت کا ہونا مشہود حقیقی جل وعلا کے عرفان کی قدر کے موافق ہوتا ہی۔
اور کسی کا عرفان رسول اللہ صلوات اللہ علیہ وسلامہ کے عرفان کے برابر نہیں ہے تو کسی کی آنکھ
کی ٹھنڈک بھی آپکے آنکھ کی ٹھنڈک کے برابر نہ ہوگی اور یہ جو ہمنے کہا کہ نماز میں آپ کی خنکی چشم بمشاہدہ
جلال مشہود جل وعلا ہے اسکی یہ وجہ ہے کہ خود آپنے اپنے ارشاد میں لفظ فی الصلوٰۃ فرما کر اس طرف
ایما فرمایا ہے اور لفظ بالصلوٰۃ اسلئے نہیں فرمایا کہ آپ کی آنکھ کی خنکی بغیر اپنے پروردگار کے کسی
کے ساتھہ نہیں ہوسکتی اور کیونکر ہوسکتی ہے آپ تو دوسروں کو اس مقام کی رہنمائی فرماتے ہیں
اور اپنے ارشاد (کہ اللہ کی عبادت اسطرح کر کہ گویا تو اسکو دیکھہ رہا ہے) کے ساتھہ دوسروں کو اس
مقام کے حاصل کرنے کا امر فرماتے ہیں اور رویت حق جل وعلا کے ساتھہ اُسکے ماسوا کا مشاہدہ امر
محال ہے اور اگر کوئی یہ کہے کہ نماز سے آنکھ کی خنکی کا ہونا کبھی اسوجہ سے ہوتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے فضل
اور اُسکے احسان سے ظاہر ہوئی ہے تو اس سے مسرت اور آنکھ کی ٹھنڈک کیونکر نہ ہوا ور اللہ تعالیٰ

ایسا تنگ نہیں رکھا کہ وقت کے آتے ہی پڑہنا ضروری ہو کہ اگر آتے ہی وقت کے نہ پڑہیں تو قضا ہوجاوے بلکہ وقت ایسا فراخ رکھا کہ کچھ حصہ اختیار کا بھی ہمارا باقی رہا کہ اُسوقت میں خواہ اول پڑہ لو یا درمیان میں یا آخر میں اسمیں یہ فائدہ وحکمت ہے کہ وقت آنے پر ہم فراغت اور اطمینان سے نماز کی تیاری کرلیں اور اپنے افکار وخیالات اور ضروری کاموں سے فارغ ہولیں بالکل تنگ وقت معین ہونے سے یہ حکمت فوت ہوجاتی اور وقت آنے پر جسطرح بن پڑتا خواہ اطمینان اور فراغ قلب ہوتا یا نہ ہوتا پڑہنا پڑتا تو اسمیں نماز کی روح اور جان یعنی حضور قلب حاصل نہ ہوتا ✦

جب حق جل وعلا نے اپنے بندوں کی کوتاہی وظائف عبودیت کی بجا آوری کی طرف اُٹھنے میں معلوم فرمائی تو اپنی طاعت وعبادت کو اُنپر واجب فرماکر گویا ان کو اپنے ایجاب کی زنجیروں کے ساتھہ اپنی طاعت کی طرف ہانکا تیرا پروردگار ان لوگوں سے تعجب فرماتا ہی جو زنجیروں میں باندہ کر جنت میں بھیجے جاتے ہیں **ف** جاننا چاہئے کہ بندوں کے ذمہ حق تعالی کی بندگی اور اظہار عبودیت ہرحال میں عقلاً ضروری اور فرض تھی خواہ عبادت کو اللہ تعالی ہمپر واجب فرماتے یا نہ فرماتے اس لیے کہ غلام کا کام تو غلامی کا ہے خواہ آقا اُسکو حکم دے یا نہ دے لیکن جب بندوں میں اللہ تعالی نے اپنی بندگی کے وظائف ادا کرنے اور عبادت کے واسطے اُٹھنے میں کوتاہی اور سستی وکاہلی دیکھی تو غایت رحمت سے اُنپر اپنی طاعت کو واجب فرمادیا اور عبادت واطاعت کرنے والوں سے جنت کا وعدہ فرمایا اور سرکشوں ونافرمانوں کو دوزخ سے ڈرایا اس واجب کرنے کی ایسی مثال ہوگئی جیسے زنجیر ہوتی ہے کہ جو قیدی کے گلے میں ڈالی جاتی ہے کہ اسکے ذریعہ سے جس طرف چاہیں اُسکو کھینچکر لے جاتے ہیں خواہ اُس قیدی کا جی چاہے یا نہ چاہے اسیطرح اللہ تعالی نے طاعت واجب فرماکر اس زنجیر سے سستی کرنے والوں کو طاعت کی طرف کھینچا اور یہ اُسکی عین رحمت وشفقت ہی جیسے بچے کو اُسکا ولی ناشایستہ حرکات پر ادب دیتا ہی اور جو امور اُسکو طبعاً شاق ہوتے ہیں وہ کہنے ہوتے ہیں اُسکو مطلق العنان نہیں چھوڑتا کہ جو چاہے کرے تو اُس بچہ کو وہ کام کرنا پڑتا ہی اور ناشایستہ اطوار کو چھوڑنا ہوتا ہے خواہ اُسکا جی چاہے یا نہ چاہے۔ اللہ تعالی تعجب فرماتے ہیں یعنی یہ بات عجیب

اسکی یہ ہے کہ حضور کی آنکھ کو ٹھنڈک غیر اللہ سے نہیں تھی اور نماز کی ذات ظاہر ہے کہ غیر اللہ ہے۔
اور آپ کی آنکھ کی ٹھنڈک غیر اللہ سے کیسے ہوسکتی ہے آپ کا تو خود ارشاد ہے اور دوسروں کو
ہدایت ہے کہ اللہ کی عبادت ایسی کرو گویا کہ اسکو دیکھتے ہو اور یہ مرتبہ جب بندہ کو نصیب ہوتا ہے
تو اسکی نظر میں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں رہتا اور غیر اللہ سے مطلقاً نظر علیحدہ ہو جاتی ہے حتیٰ
کہ اپنا فعل اور اپنا وجود بھی غائب ہو جاتا ہے اور نماز خود فعل بندہ کا ہے تو یہ بھی ماسوا میں داخل
ہوکر بندہ کی نظر بصیرت سے علیحدہ ہو جاتی ہے تو اُسوقت آنکھ کی ٹھنڈک اور لذت صرف حق
تعالیٰ کی حضوری سے ہوتی ہے۔ اگر کوئی اسپر یہ شبہ کرے کہ آنکھ کی ٹھنڈک اور لذت نماز سے بھی
تو ہوسکتی ہے اسلئے کہ نماز کی ذات اللہ تعالیٰ کا ایک فضل اور رحمت ہے اور اُسی کے فضل سے اسکا
ظہور ہوا تو بندہ محب کو اُس سے کیسے لذت اور فرحت نہ ہوگی اور اللہ تعالیٰ کے فضل پر خوش ہونا
تو مامور من اللہ ہے چنانچہ حق تعالیٰ کا خود ارشاد ہے قل بفضل اللہ وبرحمته فبذلك
فليفرحوا یعنی اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ کہئے کہ اللہ ہی کے فضل اور رحمت سے چاہئے کہ یہ
لوگ خوش ہوں تو نماز بھی اللہ کا فضل اور رحمۃ ہے اُس سے بھی فرحت اور لذت ہو تو اُس میں کیا
حرج ہے تو جواب اس شبہ کا خوب سمجھ لو کہ خود آیت قل بفضل اللہ وبرحمته میں اس شبہ کے جواب
کی طرف اشارہ ہے اسلئے کہ ارشاد یہ ہے کہ فضل و رحمت ہی کے ساتھہ چاہیئے کہ لوگ خوش ہوں
اور یہ ارشاد نہیں فرمایا کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ اسکے ساتھہ خوش ہوں تو حاصل یہ ہوا کہ لوگ
تو فضل اور رحمت اور احسان آلہی کے ساتھہ خوش ہوں اور خود آپ ای محمد صلی اللہ علیہ وسلم
ہمارے ساتھہ خوش ہوں چنانچہ دوسری جگہ ارشاد ہے قل اللہ ثم ذرھم فی خوضھم یلعبون
یعنی آپ فرما دیجئے اللہ یعنی ہم اللہ کے ساتھہ خوش ہوں پھر ان کو اُن کے لہو لعب میں کھیلتا ہوا چھوڑ دیجئے

پانچواں باب گمنامی اور گوشہ نشینی کے بیان میں

قلب کے لئے کوئی چیز اس گوشہ نشینی کے برابر نافع نہیں ہے جسکے ساتھہ صفات آلہی و نعماء شناسی کے

خود فرماتا ہے تو کہہ اللہ کے فضل اور اُسی کی رحمت سے سو اسی پر خوش ہونا چاہیئے تو سمجھ لے کہ اسرار
کلام میں تدبر کرنے والے کے لیے یہی آیت شریف اسکے جواب کی طرف مشیر ہے اسیلئے کہ یہ فرمایا ہی
کہ اسی پر لوگ خوش ہوں اور یہ نہیں فرمایا ہے کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو اسپر خوش ہو حاصل
مطلب یہ کہ لوگوں سے کہدے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے فضل و احسان کیخوش ہوں دوسری آیت میں بطور
اشارہ کے ہے تو کہہ اللہ (یعنی اُسی کے ساتھہ خوش ہوتا ہوں) پھر آن کو اُن کی فکر میں کھیلتا ہوا
چھوڑ دے ٭ **ف** حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہی جعلت قرة عینی فی الصلوٰة یعنی میری
آنکھ کی ٹھنڈک نماز میں کردی گئی ہے یعنی نماز میں مجھکو نہایت لذت و سرور ہوتا ہی مصنف رحمہ اللہ
سے کسی نے سوال کیا ہے کہ یہ مرتبہ حضور ہی کو حاصل تھا یا کسی دوسرے کو بھی اسمیں سے حصہ ملا ہے
مصنف رحمہ اللہ جواب دیتے ہیں کہ آنکھ کی ٹھنڈک اور سرور اور دل کی لذت نماز میں حق تعالیٰ
کے جلال وجمال کے مشاہدہ سے اہل معرفت کو ہوتی ہے تو مشہود یعنی حق تعالیٰ کی جس قدر معرفت
کسی بندہ کو نصیب ہوگی اُسیقدر اُسکو نماز میں لذت زیادہ ہوگی اور یہ ظاہر ہے کہ حضور صلی اللہ
علیہ وسلم کی معرفت سب سے بڑھکر ہے تو نماز میں آپ کی لذت اور آنکھ کی خنکی بھی سب سے بڑھ کر ہوگی
حاصل جواب یہ ہے کہ ٹھنڈک اور لذت نماز کی حضور کے ساتھہ مخصوص نہیں بلکہ اور بندوں کے
لئے بھی اس میں سے حصہ ملتا ہی فرق اسقدر ہے کہ آپ کی آنکھ کی ٹھنڈک اور لذت آپکے مرتبہ کے
موافق ہے اور اوروں کے لئے اُن کے مرتبہ کی موافق اور یہ آنکھ کی ٹھنڈک اور لذت اُس شخص کو
حاصل ہوتی ہے کہ جسکو نفسانی اور شیطانی وسوسے نہ آتے ہوں اور جو شخص خیالات اور وساوس
میں مبتلا ہو تو اسکو ٹھنڈک اور لذت نہیں آتی ۔ اور یہ جو ہم نے کہا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم
کو نماز میں مشاہدہ حق جل وعلا سے ٹھنڈک ہوتی تھی اور خود نماز کے ذات سے ٹھنڈک اور لذت نہ تھی
تو اسکی وجہ یہ ہے کہ حدیث جعلت قرة عینی فی الصلوٰة میں حضور نے اسطرف اشارہ فرمایا ہے
اسیلئے کہ یوں فرمایا کہ نماز میں میری آنکھ کی ٹھنڈک ہے یعنی نماز کی حالت میں حق تعالیٰ کے مشاہدہ
اور حضوری سے مجھکو لذت ہوتی ہے اور یہ نہیں فرمایا کہ نماز سے میری آنکھ کی ٹھنڈک ہے اور وجہ

نے اُن انوار کو ان حضرات کے ظاہری حالات مثل کھانے پینے ملنے چلنے اُٹھنے بیٹھنے کے کثیف پردوں میں چھپا رکھا ہے کہ جیسے عام لوگ کھاتے پیتے ملتے جلتے اور تمام معاملات دنیوی کرتے ہیں اسیطرح وہ حضرات بھی یہ سب معاملات کرتے ہیں کوئی امتیاز اور فرق کسی کو معلوم نہیں ہوتا گویا یہ ظاہری حالات اُن انوار کے لئے مثل موٹے اور گاڑھے پردوں کے ہوگئے کہ اُن کی آڑ میں وہ انوار مخلوق کی نظروں سے چھپ گئے لیکن جن لوگوں کی باطنی نظر تیز ہے وہ ان پردوں ہی کی آڑ میں سے اُن انوار کو تاڑ جاتے ہیں اور پہچان لیتے ہیں لیکن عام لوگ ہرگز نہیں معلوم کرسکتے اسلئے کہ اُن کی ظاہری نظر ان پردوں ہی تک رہتی ہے آگے نفوذ نہیں کرتی اور وہ بھی کہتے ہیں جیسے کہ کفار انبیاء کی شان میں کہتے تھے ما انتم الا بشر مثلنا یعنی تم تو ہم جیسے آدمی ہی ہو جو ہم کرتے ہیں وہی تم کرتے ہو اور ان انوار کو اللہ تعالیٰ نے اسلئے چھپالیا کہ اُن کا احترام اور عظمت محفوظ رہے اور اظہار کی ذلت سے وہ مصئون رہیں اور شہرت ہوکر تمام زبانوں پر اُنکا تذکرہ نہ ہو اسلئے کہ ہر کس وناکس کی زبان پر وہ پردہ نشین انوار آنے لگیں اور ظاہر ہوجائیں تو یہ امر غیرت الٰہیہ کے خلاف ہے جیسے پردہ نشین عفیفہ حسینہ ہوتی ہے کہ غایت تستر وحجاب میں ہونے کی وجہ سے اُسکا زبان سے نام بھی لینا اُسکے لئے پردہ دری ہے ایسے ہی ان انوار کا ایسا ظہور ان کی قدر رفیع کے خلاف ہے۔ اور اگر یہ امر نہ ہوتا تو کامل ظہور ان انوار کا ہوتا اور ان کی روشنی کا اتنا غلبہ ہوتا کہ یہ ظاہری حالات کے پردے بھی ظاہر بینوں کی نظروں سے غائب ہوجاتے۔

پاک ہے وہ ذات جس نے معارف واسرار الٰہیہ خاصہ کو اوصاف بشریت کے ظہور کے پردے میں چھپایا اور اپنی عظمت ربوبیت کو اپنے بندوں کے لئے اُن کی عبودیت کے آثار ظاہر کرکے ظاہر فرمایا۔

ف اس فقرہ کا مطلب اور پہلے کا قریب ہی قریب ہے خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جو اپنے خاص بندوں کو اسرار اور معرفت کی باتیں اور باطنی دولتیں مرحمت فرماتے ہیں تو انکا علم کسیکو نہیں ہوتا۔ اس دولت کو عوام کی نظروں سے چھپایا جاتا ہے اور اُن انوار واسرار پہ انکی بشریت کے اوصاف (جیسے کھانا پینا چلنا پھرنا تجارت زراعت دنیا کے تمام دھندے) کا پردہ

میدان میں داخل ہو **ف** جاننا چاہیئے کہ مخلوق سے ملنے جلنے میں خاصکر بلاضرورت لوگوں کے پاس آنے جانے سے قلب کی نظر مخلوق ہی میں لگی رہتی ہے اور خالق تعالیٰ شانہ کی طرف قلب متوجہ نہیں ہوتا اور غفلت اور زیادہ بڑھ جاتی ہے اور اکثر غفلت کا سبب یہی ہوتا ہے اور جب سالک گوشہ نشینی اختیار کرتا ہے تو مخلوق نظروں کے سامنے نہیں ہوتی تو لامحالہ طالب خالق تعالیٰ شانہ کی طرف متوجہ ہوتا ہے اسلئے قلب کے لئے قرب خداوندی میں کوئی شئے گوشہ نشینی سے بڑھ کر نفع مند نہیں لیکن اس گوشہ نشینی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی صفات اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے میدان میں فکر کرے۔

گمنامی کی زمین میں اپنے وجود کو دفن کر دے کیونکہ جو دانہ زمین میں دفن نہیں ہوتا اسکا نشو ونما کامل نہیں ہوتا **ف** انسان کے نفس کو سب چیزوں سے زیادہ محبوب اور عزیز یہ ہے کہ لوگوں کے دلوں میں بڑا شمار ہوں اور سب مجھے لوگ بڑائی اور عزت کی نظر سے دیکھیں اور نیز اسی کی فرع ہے کہ انسان شہرت اور ناموری کا بھی طالب ہو اور یہ خصلت اللہ کے رستہ کے لئے رہزن ہے اور اخلاص و صدق کے بالکل خلاف ہے اسلئے کہ مقصود تو بندگی اور غلامی ہے نہ کہ خدائی بڑائی تو خدا تعالیٰ ہی کا حق ہے پس بندہ کا کام غلامی اور مولیٰ حقیقی کی بارگاہ میں اپنے آپ کو ذلیل اور خوار کرنا ہے اسلئے شیخ رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ گمنامی اور خواری جو مشابہ زمین کے ہی ہیں اپنے وجود کو دفن کر دے یعنی اپنے آپ کو گمنام اور خوار بنا دے کیونکہ جو دانہ زمین میں دفن نہ کیا جاوے وہ نشو ونما نہیں پاتا اسیطرح جو انسان گمنامی کی زمین میں مدفون نہ ہو اور شہرت و ناموری کی محبت میں رہے اسکے نفس کے کمالات کی تکمیل نہیں ہوتی اور وہ ناقص رہتا ہے۔

اپنے اولیاء کے قلوب کے انوار کو ان کے ظاہری حالات کے کثیف پردوں میں اس لیئے چھپایا تاکہ اظہار کی ذلت سے محفوظ رہیں اور شہرت کی زبان سے ان کو پکارا نہ جائے۔ **ف** جاننا چاہیئے کہ جو حضرات قرب خداوندی اور اللہ تعالیٰ کی حضوری کی دولت سے مشرف ہیں ان کے قلوب میں ذکر اور عبادت کے انوار بیشمار ہوتے ہیں اور ان کے دل ان انوار سے منور رہتے ہیں لیکن اللہ تعالے

نباتات انسان آتے ہیں اور خالق کی ذات عالی باوجود غایت ظہور ہماری نظروں سے چھپی ہوئی ہے اور
اسقدر چھپی ہوئی ہے کہ بعض کور فہموں نے تو خدا تعالیٰ کی ذات پاک کا انکار ہی کردیا اور جنپر اللہ
تعالیٰ کا فضل ہوا وہ اُسکی وحدانیت اور پیغمبروں کی رسالت پر ایمان لائے اور جن پر فضل خاص متوجہ
ہوا اُنکو اپنی معرفت کا حصہ بھی عطا فرمایا تو اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل ہونے کا ذریعہ اور رستہ
اور اُسکی بارگاہ تک راہ یابی کا طریقہ بس اُسیکا فضل خاص ہے کوئی دوسرا ذریعہ و سبب نہیں
اسکے بعد سمجھو کہ مصنف رحمۃ اللہ علیہ بطور تعجب فرماتے ہیں کہ جو ایسا پاک ہے اور پاکی اُسی کے
واسطے ہے کہ اُس نے جو طریقہ اپنی معرفت کا ٹھیرایا ہے وہی طریقہ اپنے اولیا کی معرفت کا رکھا
اس لئے کہ جس طرح اپنی ذات کو مخلوق ظاہری کے پردہ میں چھپایا ہے اسیطرح اولیاء اللہ
کو بھی ان کے احوال ظاہری کھانے پینے وغیرہ میں چھپا دیا اور جس طرح اپنی ذات تک
پہونچنے کا طریقہ اپنے فضل خاص کو ٹھہرایا ہے اسیطرح اپنے اولیاء کی معرفت کا طریقہ بھی
یہی مقرر فرمایا ہے کہ جسپر فضل ہوتا ہے اُسی کو ان حضرات کی پہچان ہوتی ہے نہ ہر شخص کو معرفت الٰہی
نصیب ہوتی ہے اور نہ ہر شخص کو اُسکے اولیاء کی معرفت کی راہ یابی ہوتی ہے بلکہ بعض بزرگوں
نے تو یہ فرمایا ہے کہ اللہ تعالےٰ کی معرفت سے ولی کی معرفت سخت تر ہے اسلئے کہ حق تعالیٰ
کا جمال و جلال تو غایت ظہور میں ہے اور ولی اوروں کی طرح سب کام کرتا ہے کھاتا ہے پیتا ہے
نکاح کرتا ہے معاملات دنیوی کرتا ہے اوسکا پہچاننا بہت مشکل ہے آگے ارشاد ہے کہ سبحان اللہ
کیا قدرت ہے اور اُسکا کیسا فضل ہے کہ اپنے اولیا تک اُس نے اُسکو پہونچایا جسکو اپنے تک
پہونچانا چاہا یعنی اولیاء اللہ کی محبت اور معرفت اور ان کی محبت خاصہ اُس شخص کو نصیب فرماتی
کہ جسکو یوں چاہا کہ اس شخص کو اپنی ذات عالی تک پہونچا دے اور راز اسمیں یہ ہے کہ یہ حضرات
اللہ تعالیٰ کے محبوب ہوتے ہیں اور جو محبوب کو چاہتا ہے ظاہر ہے کہ وہ بھی محبوب ہو جاتا ہے پس
جو کوئی ان حضرات سے محبت کریگا یہ علامت ہوگا اس امر کی کہ اسکو اللہ تعالیٰ چاہتا ہے اور اسکو
معرفت اپنی نصیب فرمائیگا۔

ڈالدیا جاتا ہے کہ مخلوق ان کو اپنے جیسا سمجھتے ہیں چونکہ یہ چھپانا ایک نہایت عجیب امر ہے کہ باوجود
اسکے کہ اُن معارف و اسرار کے انوار غیر متناہی اور ایسے عالی درجہ کے ہیں کہ ان میں سے اگر ایک
شمہ کا بھی دنیا میں ظہور ہو تو سورج چاند کی روشنی بھی ماند پڑجاتے اور مشرق سے مغرب تک اُس
ایک شمہ کا نور پھیل جاتے مگر کیا عجیب قدرت ہے کہ ایسے بڑے سمندر کو کوزہ میں چھپا دیا یعنی انسان
جو کہ ایک مشت خاک ہے اُس میں اُسکو ایسا چھپایا کہ مخلوق کی نظر میں بس وہ مشت خاک یا
اُسکے عوارض چلنا پھرنا تجارت زراعت کرنا ہی آتا ہے اور کہتے ہیں کہ ان میں ہم سے زائد کونسی
بات ہے اسلئے بطور تعجب مصنف رح فرماتے ہیں کہ وہ ذات پاک ہے جسنے اِس دولت کو اوصاف
بشریت میں چھپا دیا۔ آگے بھی بطور تعجب ارشاد فرماتے ہیں کہ وہ کیسا پاک ہے اور کیا اُسکی عجیب و غریب
قدرت ہے کہ جب اُسکو یہ منظور ہوا کہ اپنی عظمت ربوبیت کو یعنی اپنے رب ہونے کی بڑائی کو بندوں
کو دکھلاوے تو اوسکو ان کی عبودیت کے آثار ظاہر کرکے ظاہر فرمایا اور عبودیت کے آثار بندہ کے
وہ حالات ہیں جو بندہ کو حق تعالیٰ کی طرف متوجہ کرتے ہیں جیسے بیماری فقر و فاقہ تنگدستی مصائب
و حوادث کہ جب بندہ ان حالات میں مبتلا ہوتا ہے تو لامحالہ اپنے رب کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور
ان مصائب کے زائل ہونے کی دعا کرتا ہے گڑگڑاتا ہے اور اُسوقت اُوسکو یقین کامل ہوتا ہے
کہ میرا ضرور کوئی رب ہے جو مجھ سے قوت میں قہر میں غلبہ میں ہر امر میں بڑھکر ہے تو کیا عجیب
قدرت ہے کہ اپنے رب ہونے کی بڑائی اور عظمت کا ظہور ان آثار اور احوال سے فرمایا اگر یہ آثار
نہ ہوتے اور بندہ ہمیشہ اپنی من مانی خواہش میں رہتا تو رب کی بڑائی ظاہر نہ ہوتی اور اس معرفت
کی دولت بندہ کو نصیب نہ ہوتی۔

تنزیہ ہے اُس ذات پاک کے واسطے جس نے اپنے اولیا کی طرف راہ یابی کا وہی طریقہ رکھا

جو اپنی طرف راہ یابی کا طریقہ ٹھیرایا اور اپنے اولیا تک اُسی کو پہنچایا جسکو اپنی طرف پہونچانا چاہا
ف جاننا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات پاک کو اپنی مخلوقات کے پردوں میں ہماری نظروں
سے پوشیدہ فرما دیا ہے کہ ہماری نظروں میں مخلوقات زمین و آسمان چاند سورج ستارے حیوانات

ہے اسوقت میں تونے اگر اپنے قلب کو اس فکر میں مشغول کیا کہ یہ کدورت جاتی رہے تو ذکر میں مشغول
ہوگا تو یہ امر تجھکو اس وقت میں اللہ تعالیٰ کی طرف مراقبہ اور نگہداشت سے جدا کردیگا اور یہ وقت
غفلت میں صرف ہوگا پس اس خیال ہی کو قطع کردے کہ دوسرا وقت ان کدورات سے خالی ملیگا
اور سمجھ لے کہ بس یہی وقت ہے اور دوسرا وقت نہیں ہے اسلئے کہ دوسرے وقت کی تو خبر ہی
نہیں ہے کہ آئے گا یا نہیں پس اس ظلمت اور کدورت وتشویش ہی کی حالت میں اپنے مولیٰ میں مشغول
رہ سہل رضی اللہ عنہ سے کسی نے پوچھا کہ فقیر کو راحت کسوقت ملتی ہے فرمایا کہ فقیر راحت سے
اسوقت ہوتا ہے جب وہ جان لے کہ جو وقت مجھ پر گذر رہا ہے بس یہی وقت ہے اور جب یہ علم
راسخ ہو جاتا ہے تو کدورت وتشویشات بھی نہیں رہتی تو حقیقت میں یہ ارشاد شیخ کا ان کدورات
کا معالجہ ہے۔ یہ تقریر تو اس بنا پر ہے کہ جبکہ شیخ کے اس ارشاد کو سالک ذاکر شاغل سے کہا
جاوے اور جو لوگ دنیا میں مبتلا ہیں ان کو بھی شامل ہو سکتا ہے کہ اکثر دنیا میں پھنسے ہوئے لوگ
اسکے منتظر رہا کرتے ہیں کہ فلاں فلاں کام ہم کرلیں تو پھر فراغت سے یاد الٰہی میں مشغول ہونگے
جب وہ کام ہو جاتے ہیں تو دوسرے کام پیش آجاتے ہیں۔ اسلئے کہ نفس کی تمناؤں کا تو کہیں
اختتام ہی نہیں اسی تمنا اور ارادہ ہی میں ساری عمر ختم ہو جاتی ہے اور کبھی وقت نہیں ملتا
تو ان کو ہدایت ہے کہ ان بکھیڑوں سے فارغ ہونے کے منتظر نہ رہو بلکہ اسی حالت پریشانی
میں مولیٰ کی یاد میں لگو وہ خود بخود سب بکھیڑے دل سے دور کردیگی۔

بجاآوری اعمال کو تیرا فارغ وقت پر ٹالنا تیرے نفس کی حماقتوں سے ہے **ف** یہ فقرہ
بھی پہلے ہی مضمون کے ہم معنی ہے خلاصہ یہ ہے کہ جب آدمی دنیا کے دھندوں میں مشغول ہوتا ہے
تو دنیا کے بکھیڑوں کا تو کوئی انتہا نہیں تو اعمال صالحہ کو فارغ اور خالی وقت پر ٹالنا اور یہ کہنا کہ
کہ جب ان کاموں سے خالی ہونگا اسوقت عمل کروں گا یہ نفس کی حماقت ہے اور کسل ہے کہ جو
جو وقت موجود ہے اسکو تو برباد کرتا ہے اور آئندہ وقت جسکا حال معلوم نہیں کہ میسر ہوگا یا نہیں
منتظر ہے بہت دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ عمر ختم ہو جاتی ہے اور خالی وقت میسر نہیں ہوتا موت دفعتاً

چھٹا باب وقت کی رعایت اور اُس کو غنیمت جاننے کے بیان میں

بقدر ایک سانس کے بھی تیرا وقت نہیں گذرتا مگر اسمیں تیرے سلئے خدا تعالیٰ کا امر مقدر کیا ہوا

(خواہ طاعت یا معصیت انعام یا ابتلا) ظاہر ہوتا ہے۔ **ف** جو سانس بھی انسان کو آتا ہے اسمیں حق تعالیٰ نے جو امر انسان کے لئے مقدر فرمایا ہے وہ ظاہر ہوتا ہے خواہ وہ امر طاعت ہو یا معصیت نعمت ہو یا مصیبت غرض انسان ہر وقت یا تو کسی ایسی حالت میں ہوتا ہے کہ وہ حالت نفس کو پسند ہوتی ہے وہ تو نعمت ہے بشرطیکہ معصیت نہ ہو اور یا اسکو مکروہ جانتا ہے وہ مصیبت ہے بشرطیکہ وہ طاعت کی مشقت نہ ہو آن دونوں حالتوں میں سے کوئی نہ کوئی حالت ہر وقت رہتی ہے اور ہر حالت کا ایک حق ہے جو اُسکے ذمہ ادا کرنا ضروری ہے نعمت کا حق تو یہ ہے کہ شکر کرے اور مصیبت کی حالت کا حق یہ ہے کہ صبر کرے پس بندہ کو لازم ہے کہ ہر سانس پر صابر شاکر بنا رہے اور ایک منٹ بھی اپنا ضائع نہ کرے ❖

اغیار سے خالی ہونے والے وقت کا انتظار نکر کیونکہ یہ تجھکو اُسکے مراقبہ اور نگہداشت سے جس حال

میں تجھکو ٹھیرا رکھا ہے جدا کردے گا **ف** سالک پر جب حق تعالیٰ کا فضل متوجہ ہوتا ہے اور اُسکے قلب کو ذکر اللہ سے تعلق ہوجاتا ہے تو قلب کی کیفیت یہ ہوتی ہے کہ کبھی اپنی کیفیت ذکر میں مشغول ہوتا ہے اور ماسوا سے بالکل خالی ہوجاتا ہے اور کبھی دنیوی اشغال و افکار کی کدورت اُسپر غالب ہوتی ہے تو اُس میں لگ جاتا ہے اور اسکی اصلی کیفیت مغلوب ہوجاتی ہے تو اُس وقت یہ شخص گھبراتا ہے اور اُلجھن میں پڑتا ہے اور ان کدورات و تشویشات سے نکلنا چاہتا ہے اور اسی میں اُسکا وقت بہت سا صرف ہوجاتا ہے اور اسکا منتظر ہوتا ہے کہ ان کدورات سے خلاصی ہو تو ذکر میں مشغول ہوں تو ایسے سالک کے لئے شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اغیار یعنی ماسوا اللہ سے خالی ہونے والے وقت کا انتظار نہ کر کیونکہ جس حال میں تجھکو مربی حقیقی نے ٹھیرا رکھا ہے یعنی تجھپر جو حال اسوقت ظلمت و کدورت کی نوع سے وارد ہے اور اسمیں تجھکو اللہ تعالیٰ نے قائم کیا ہے یہ ایک وقت

اُس عبادت کو ادا کریں اور یہاں یہ صورت ممکن نہیں اسلیئے کہ جسوقت کو تمنے ان حقوق کی قضا کے لئے تجویز کیا ہے اُسمیں بھی اللہ تعالیٰ کا حق جدید اور امر محکم یعنی عبادت لازم ہے اسلیئے کہ اُس وقت میں بھی چار حالتوں میں سے کوئی حالت ہوگی اور حقوق وقت میں سے کوئی حق اللہ کا مثل صبر شکر وغیرہ کے اُسمیں لازم ہوگا اور حبیب اللہ کا حق جو اس وقت کے متعلق ہے تو اُس میں ادا نہیں کرسکا تو غیر کا حق جو اسوقت کے سوا ہو دوسرا وقت گذر گیا ہے جسکا حق تو نے فوت کیا ہے اُسکا حق اس وقت میں کیسے ادا کرے گا۔ خلاصہ یہ ہے کہ جسوقت کے اندر تم نے پہلے وقت کا حق قضا کرنا تجویز کیا ہے اسوقت کا بھی تو حق ہے جب تم اُسکو ادا کرینگے تو غیر وقت کا حق آنہیں کیسے ادا کرسکتے ہو اور اگر غیر وقت کا حق ادا کروگے تو اسوقت کا حق فوت ہوجائے گا غرض اسکی قضا کسی طرح ممکن نہیں۔ پس بندہ کو لازم ہے کہ حق وقت کو فوت نہ کرے بلکہ ہر سانس پر حق وقت کو ادا کرتا رہے اگر نعمت ہے تو شکر میں قلب کو مشغول کرے اور اگر مصیبت ہے تو صبر میں لگے اور اگر عبادت وطاعت ہی تو اللہ تعالیٰ کے فضل واحسان کا مشاہدہ کرے اور اگر معصیت کی حالت ہی تو ندامت واستغفار میں مشغول ہو۔ اسی واسطے بزرگوں نے کہا ہی کہ صوفی ابن الوقت ہوتا ہے اور ابن الوقت ہونے کے یہی معنے ہیں کہ حقوق وقت ادا کرے۔

عمر گذشتہ کا عوض نہیں ہے اور عمر موجود بے بہا ہے **ف** انسان کی جو عمر گذر گئی ہے اُس کا عوض اور بدلہ کچھ نہیں ہے تو اگر وہ اعمال صالحہ سے خالی گذری ہی تو اسکا اب کچھ تدارک نہیں ہوسکتا اور جو عمر اور وقت میسر ہے اسکی کوئی قیمت نہیں ہے دنیا ومافیہا بھی اسکی قیمت نہیں ہوسکتی اسلیئے کہ اسکے ذریعہ سے بندہ سعادت ابدی حاصل کرسکتا ہے اور دنیا سے کڑوروں حصہ زائد دولت حاصل کرسکتا ہے یہی وجہ ہے کہ سلف صالحین اپنے انفاس کی رعایت فرماتے تھے اور ایک سانس بھی ضائع نہ کرتے تھے اور حدیث شریف میں وارد ہی کہ جو ساعت بندہ پر غفلت میں گذری ہو وہ اسکے لئے حسرت اور ندامت کا باعث ہوگی اور اُسوقت حسرت وندامت کچھ کام نہ آویگی۔

تو تمام شواغل سے خالی ہوا اور پہر بھی اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ نہ ہوا اور موانع کم ہوں تو بھی اُسکی طرف

آجاتی ہے پس عاقل وہ ہے کہ جو وقت اُسکو میسر ہے اسکو ہی غنیمت سمجھے اور کام کو دوسرے وقت پر ہرگز نہ ٹالے اور فراغ کا منتظر نہ رہے اسلئے کہ دنیا کے کاموں سے فراغ میسر ہونا محال ہے۔ ان دہندوں کو بھی چلنے دے اگر مباح ہوں اور اللہ کی یاد بھی کرے اور اگر ناجائز ہوں تو ایسے وقت ترک کر دے۔

جسقدر تجھ پر اوقات میں حقوق واجبہ عبادات ظاہرہ مثل صلوۃ وصوم کے ہیں اگر فوت ہو جائیں

تو اُن کی قضا ممکن ہے اور معاملات باطنہ اور واردات قلبیہ جو اوقات کے حقوق ہیں اُن کی

قضا کسی طرح ممکن نہیں ہے اسلئے کہ کوئی ایسا وقت نہیں ہے کہ اسمیں بجز خدا تعالیٰ شانہ کا حق جدید

یا امر محکم لازم نہ ہو تو جب اسمیں جو حق اللہ ہے ادا نہیں کر سکتا تو غیر کا حق اُسمیں کیونکر ادا کر سکیگا

ف جاننا چاہیئے کہ بندہ کے ذمہ دو قسم کے حقوق یعنی عبادات ہیں ایک تو وہ حقوق جو اوقات معینہ میں واجب ہیں جیسے نماز روزہ کہ نماز کا ایک وقت خاص ہے اور روزہ کا ایک وقت معین ہے یہ حقوق اگر فوت ہو جائیں مثلاً نماز یا روزہ قضا ہو جائے تو ان کی قضا ممکن ہے کہ دوسرے وقت میں ان کو ادا کر لیں دوسرے قسم اوقات کے حقوق ہیں یہ قسم حقوق کی ایسی ہے کہ ہر وقت ہے اسکا کوئی وقت معین نہیں اسلئے کہ یہ حق وقت کا حق ہے اور وقت کا وجود ہر وقت ہے اور وقت سے مراد بندہ کے وہ حالات ہیں جو نوبت بنوبت ہر وقت اسکے اوپر وارد ہوتے ہیں ان حالات کی چار قسمیں ہیں نعمت۔ مصیبت۔ طاعت۔ معصیت۔ اسلئے کہ بندہ ان چار حالتوں میں سے کسی نہ کسی حال میں ضرور ہوگا یا تو نعمت میں ہوگا یا مصیبت میں یا عبادت میں یا معصیت میں اور ان چاروں حالتوں کے جو حقوق ہیں وہ حقوق اوقات کہلاتے ہیں نعمت کا حق شکر مصیبت کا حق صبر عبادت وطاعت کا حق اللہ تعالیٰ کے فضل کا مشاہدہ اور معصیت میں توبہ واستغفار و ندامت پس کوئی وقت ایسا نہیں نکلیگا کہ اسمیں بندہ کے ذمہ حق نہ ہو تو اگر یہ حقوق قضا ہو جاویں تو ان کی قضا ممکن نہیں ہے اس لئے کہ قضا کی حقیقت تو یہ ہے کہ عبادت کا جو اصلی وقت ہے وہ فوت ہو گیا اب ہم اپنے پاس سے وقت خرچ کر کے

ایک ہی آفت ہے کہ ذکر کی حالت میں وسوسے آتے ہیں دل نہیں لگتا جسکا حاصل یہ ہے کہ غفلت ہو جاتی ہے اور دل دوسری طرف بٹ جاتا ہی لیکن ذکر کا وجود تو ہے اور اگر ذکر چھوڑ دیا تو ذکر ہی سے غفلت ہو جاویگی اور اثناءِ ذکر میں غفلت ہونے سے ذکر کو بالکل چھوڑ دینے کی غفلت بہت سخت ہی اسلئے کہ ذکر اگرچہ غفلت کے ساتھ ہو اُس سے تو بہر حال بدرجہا بہتر ہے کہ بالکل ذکر نہ ہو کہ پہلی صورت میں گو قلب غافل ہی لیکن زبان تو مشغول ہی اور دوسری صورت میں نہ زبان سے ہی ذکر ہوا اور نہ دل سے اور زبانی ذکر بھی بہت بڑی دولت ہی کہ اگر زبان کو دوزخ سے نجات ہوگئی تو کیا بقیہ اعضا کو نہ ہوگی اور آگے ہمت بڑہانے کیلئے فرماتے ہیں کہ کیا بعید ہے کہ تجھکو اللہ تعالیٰ اس غفلت آمیز ذکر سے کہ جس میں دل وساوس میں لگ جاتا ہے بلند فرمادے اور ان وساوس کو دور فرما کر بیداری کا ذکر میسر فرمادے کہ جس میں قلب وساوس نفسانیہ کی طرف نہ جاوے اور ذکر زبانی کے وقت قلب بیدار ہو اور ذکر زبانی کی طرف اُسکو توجہ ہو یعنی ذکر زبانی میں دل لگنے لگے اور پھر اُس سے آگے اور ترقی عنایت فرمادے کہ ذکر بیداری سے اس ذکر کی طرف بلند فرمادے کہ جسکے ساتھ حضور بھی ہو جس کا حاصل یہ ہے کہ ذکر بیداری میں تو صرف اسقدر امر تھا کہ قلب زبان کے ذکر کی طرف متوجہ تھا اور بیدار تھا وساوس کی طرف جانا چھوڑ دیا تھا اور ذکر حضور میں ذکر قلب کی صفت ہو جاوے کہ جیسے دیکھنا آنکھ کی صفت ہی ایسے ہی ذکر قلب کی صفت لازمہ غیر منفک ہو جاوے لیکن اس صورت میں بھی قلب کو احساس اور ادراک اس امر کا ہوتا ہے کہ ذکر میری صفت ہی اور میں ذاکر و حاضر ہوں پھر کیا عجب ہی کہ حق تعالیٰ اور ترقی عنایت فرمادے کہ ذکر حضور سے ایسے ذکر کی طرف مشغول فرمادے کہ اُس میں سوائے مذکور حقیقی یعنی حق تعالیٰ شانہ کے ماسوا سے بالکل ہی قلب غائب ہو جاوے یعنی قوائے ادراکیہ اور تمام حواس پر ذکر کا ایسا غلبہ ہو کہ بس اللہ اللہ رہ جاوے اسکا بھی شعور و ادراک نہ رہے کہ میں ذاکر ہوں اور اللہ تعالےٰ مذکور ہے اور میں حاضر ہوں اس لئے کہ اس ذکر میں بھی ایک قسم کی غفلت ہے کہ اپنے نفس کا ادراک اسمیں بھی موجود ہے اور جب اس قوت ادراک پر بھی ذکر کا غلبہ ہوگا تو یہ علم بھی جاتا رہے گا کہ میں ذاکر ہوں۔ یہ بھی ماسوا میں داخل ہو کر

نہ چلے یہ پوری بے توفیقی اور رسوائی ہے۔ **ف** آدمی خواہ کتنے ہی دنیا کے مشاغل میں اور عیال واطفال
کی وجہ معاش کی تلاش میں لگا ہوا ہو لیکن وہ ہر حال میں اپنے مولی کی عبادت اور یاد اور اسکی طرف متوجہ
ہونے کا مکلف و مامور ہے اسکو لازم ہے کہ دنیا کے دھندوں کو پس پشت ڈالے اور قدر ضرورت پر اکتفا کرکے اور
وقت نکالکر اپنے مولی کی طرف لگے اور اگر تمام وقت اپنا دنیا ہی کے قصوں میں صرف کر دیا اور کوئی وقت
ایسا اسنے نہ رکھا کہ جسمیں دولت اخروی کما دے تو بڑی رسوائی اور خسارہ اور بے توفیقی ہے اور قیامت
میں یہ عذر کچھ نہ چلے گا کہ مجھے دنیا کے کام سے فرصت نہ تھی اور جسکو دنیا کا کوئی شغل نہیں وجہ معاش اسکو
حاصل ہے اللہ تعالی نے بیفکر بنایا ہے اور باوجود بالکل فارغ ہونے کے اور وقت ملنے کے پھر بھی اللہ
تعالی کی یاد میں نہ لگا اور وقت کو برباد کیا اور یا موانع اور رکاوٹیں تو ہیں لیکن بہت کم ہیں وقت
بہت خالی ملتا ہے لیکن اسپر بھی متوجہ الی اللہ نہ ہوا اور ایسی دولت اور لازوال نعمت اور دین و دنیا
میں دل کو ٹھنڈک پہونچانے والی شے حاصل نہ کی اور دنیا ہی کے لہو ولعب اور دوس جھوٹی اور دہوکہ کی پونجی
میں عمر کھودی تو یہ پوری پوری رسوائی اور خسارہ اور بے توفیقی ہے کہ افسوس ہے اسکے حال پر کہ اسکو
وقت کی بے بہا دولت ملی اور اسکو اسنے ضائع کیا۔

ساتواں باب خدا تعالے کے ذکر میں

ذکر میں حضور نہ ہونے کے سبب سے ذکر نہ چھوڑ کیونکہ اتنا ذکر میں غفلت ہونے کے بہ نسبت نفس ذکر
سے غفلت کا ہونا زیادہ سخت ہے اور کچھ بعید نہیں ہے کہ تجھکو اللہ تعالی ذکر غفلت آمیز سے ذکر بیداری
تک اور ذکر بیداری سے ذکر حضور تک اور ذکر حضور سے اس ذکر تک جسمیں ماسوا مذکور حقیقی جل وعلا کے
سب سے غیبت ہو جاتی ہے بلند فرما دیوے اور اللہ تعالی پر کچھ دشوار نہیں ہے **ف** بہت سے ذاکر
شاغل لوگ اس بات کی شکایت کیا کرتے ہیں کہ ہمارا ذکر میں دل نہیں لگتا وسوسے آتے ہیں اور
اسی پریشانی میں بعض ذکر کو چھوڑ ہی بیٹھتے ہیں تو شیخ علیہ الرحمۃ ایسے ہی لوگوں کی نسبت فرماتے ہیں
کہ اے ذاکر ذکر میں حضور قلب نہ ہونے اور دل نہ لگنے کے سبب سے ذکر نہ چھوڑ اسلئے کہ اسوقت تو

یا حاکم کسی کو کوئی خطاب یا لقب دیدیتا ہے تو مارے خوشی کے پھولا نہیں سماتا اور اگر کوئی بادشاہ کسی
ادنیٰ رعایا کے آدمی کو اپنا دوست کہدے اور اپنے لوگوں کو حکم کر دے کہ اسکو ہمارا دوست کہو تو
اُسکے فخر اور مسرت کا کوئی انتہا ہی نہیں رہتا تو جب دنیٰ بادشاہ کہ جسکی بادشاہی محض خیالی اور وہمی
اور مجازی ہے اُسکی طرف منسوب ہونے اور تعلق ہو جانے پر یہ حال ہو تو جسکی بادشاہی حقیقی ہے اور جس کے اوپر
کوئی بادشاہ نہیں ہے وہ کسی کو اپنا کہے اور اپنی طرف منسوب کرے تو اس بزرگی کا کیا انتہا ہے تیسری
بزرگی تجھکو یہ عطا فرمائی کہ اپنی مجلس میں تیرا ذکر کر کے تجھکو اپنا مذکور بنایا کہ وہ بے نیاز ذات تیرا ذکر
فرماتا ہے اسلئے کہ حدیث شریف میں وارد ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں
کہ جو شخص مجھکو اپنے جی میں یاد کرتا ہے میں بھی اُسکو اپنے جی میں یاد کرتا ہوں اور جو مجھکو محفل میں یاد کرتا ہے
میں اُسکو ایسی محفل میں یاد کرتا ہوں کہ وہ محفل اُسکی محفل سے بہتر ہے یعنی ملائکہ کی محفل۔ اس حدیث سے
معلوم ہوا کہ بندہ ذاکر کو اللہ تعالیٰ یاد فرماتا ہے اور خود اپنے کلام میں ارشاد فرماتا ہے اذکرونی اذکرکم
یعنی تم مجھکو یاد کرو میں تم کو یاد کروں گا اور اس سے بڑھکر کونسی بزرگی ہوگی کہ بندہ جسکی حقیقت ایک مشت
خاک ہے اس خاکی پتلہ کو رب الارباب و شاہنشاہ یاد فرماوے پس ان تین بزرگیوں کے لئے ذاکر تجھ پر اللہ تعالیٰ
نے اپنی نعمت کامل و تمام فرمائی۔

ظاہر ذکر بدون باطنی مشاہدہ اور فکر کے نہیں ہوتا ہے۔ **ف** بندہ سے جو طاعت و عبادت و ذکر اس عالم میں
ظاہر ہوتی ہے وہ بدون اسکے نہیں ہوتی کہ بندہ کے اس عالم میں آنے سے پہلے اُسکی روح کو حق تعالیٰ نے
اپنی وحدانیت و حقائق کا مشاہدہ نہ کرایا ہو بلکہ جو بندہ طاعت و عبادت و ذکر کرتا ہے اُسکی روح پہلے سے
باطنی مشاہدہ کر چکی ہے اُسی کا اثر اس عالم میں ظاہر ہوتا ہے گو اس بندہ کو اسکی خبر نہ ہو اور وجہ اس خبر نہ ہونے کی یہ ہے کہ اس
عالم میں جب روح اس جسم کی مقید ہوئی تو اس جسم کے عوارض کا اُسپر غلبہ ہوتا ہے اور اس عالم کے واقعات سے بیخبر
ہو جاتی ہے اور جسکو حق تعالیٰ چاہتے ہیں اُسکو اسکا علم بھی عطا فرما دیتے اور موانع کو اُٹھا دیتے ہیں +

آٹھواں باب فکر کے بیان میں

قلب کا سیر کرنا اغیار یعنی مخلوقات کے وسیع میدانوں میں فکر ہے **ف** اغیار سے مراد خالق کے

قلب سے فنا ہوجائے گا اور لا الہ الا اللہ میں الا میں داخل ہوکر لا کے تحت میں داخل ہوجائیگا اب کسی کو تعجب ہو کہ بھلا ہم کو یہ مرتبہ کہاں نصیب یہ تو بڑا مشکل ہے تو شیخ رحمہ اللہ اسکا جواب دیتے ہیں کہ دشوار تو جب ہے جبکہ ہم یہ کہیں کہ تم کوشش کرکے اس مرتبہ کو حاصل کرو یہ تو اللہ تعالیٰ کا فضل ہے اور اللہ پر کچھ دشوار نہیں ہے اسلئے مایوس نہ ہونا چاہیئے۔

اللہ تعالیٰ شانہ نے تجھکو تین طرح سے بزرگی عطا فرمائی اول تجھکو اپنا ذاکر بنایا اور اگر اُس کا فضل نہ ہوتا تو تیری زبان و قلب پر اُسکے ذکر جاری ہونے کا تو اہل نہ ہوتا دوسرے اپنی نسبت تیری طرف ثابت فرماکر تجھکو اپنی نسبت کے ساتھہ خلائق کا مذکور ٹھہرایا اور ولی اللہ وصفی اللہ وغیرہ القاب سے ذکر کرایا تیسرے تجھکو اپنے یہاں ذکر کرکے اپنا مذکور بنایا اور اپنی نعمت کا تجھ پر اتمام فرمایا ف

اس کلام میں شیخ رحمۃ اللہ علیہ کا خطاب بندہ ذاکر و مطیع کو ہے چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں کہ اے بندہ ذاکر تجھکو حق تعالیٰ شانہ نے تین قسم کی بزرگی عطا فرمائی کہ وہ تینوں قسمیں ملکر تیرے لئے بے انتہا خوبیوں اور کمالات کا ذخیرہ ہوگئیں اور حق تعالیٰ کی رحمت و انعام تجھپر کامل درجہ ہوئی سب سے پہلی بزرگی تو یہ ہے کہ تجھکو اپنا ذاکر بنایا کہ زبان سے اور دل سے اور اعضا و جوارح سے تو اُسکا ذکر اور عبادت بجالا رہا ہے اور اگر اُسکا فضل تیرے حال پر نہ ہوتا تو تیرا قلب اور زبان کب اس قابل تھا کہ احکم الحاکمین اور اُس پاک ذات کا ذکر اُسپر جاری ہوا اور تو کیسے اسکا اہل تھا کہ سارے بادشاہوں کے بادشاہ کی طاعت و عبادت کرسکے اسلئے کہ نقص اور کاہلی اور سستی تیری ذات کے اندر داخل ہے اور پھر تیری طرح بلکہ ظاہری صورت شکل میں تیرے سے اچھے اور آدمی بھی تو ہیں یہ فضل اور رحمت ہی ہے کہ لاکھوں کروروں مخلوق کو غفلت میں ڈالا اور تجھکو اپنے ذکر میں لگایا ؎

منت منہ کہ خدمت سلطان ہمیکنی ٭ منت شناس ازو کہ بخدمت بداشتت

دوسری بزرگی تجھکو یہ عطا فرمائی کہ تجھکو اپنی طرف منسوب فرمایا کہ اپنا دوست تجھکو کہا اور اس نسبت کے ساتھہ خلقت کی زبان سے تیرا ذکر کرایا کہ لوگ تجھکو ولی اللہ (اللہ کا دوست) اور صفی اللہ (اللہ کا برگزیدہ) اور اللہ والا کہتے ہیں یہ کتنے بڑے شرف کی بات ہے آج دنیا میں ایک ادنیٰ بادشاہ

فکر دو طرح ہے ایک فکر تو تصدیق اور ایمان کی اور دوسری فکر مشاہدہ اور عیان کی۔ پہلی تو اہل

اعتبار یعنی سالکوں کے لئے ہی اور دوسری اہل مشاہدہ و معائنہ یعنی مجذوبوں کے لئے **ف** جاننا
چاہیئے کہ حق تعالیٰ کے خاص بندے دو قسم پر ہیں سالک و مجذوب سالک وہ ہی جو آثار و احوال سے
استدلال کرکے موثر تک پہونچے یعنی مخلوقات و مصنوعات الہیہ ہیں اول اُسکا قلب سیر کرتا ہے
اور اُس سے اُسکو اسمار الہیہ و اوصاف الہیہ تک راہ ملتی ہی مثلاً مخلوقات کو دیکھا کہ گناہ کر رہے ہیں کفر کر
رہے ہیں اور سزا نہیں ملتی تو اسکی جزئیات میں فکر کرنے سے اُسکے قلب کو مشاہدہ ہوا کہ وہ حلیم ہے اور
حلم اُسکی صفت ہی اور مثلاً اشیار کے حسن و جمال و موزونیت و صنعت کو دیکھکر اُسکے حکیم ہونے کا مشاہدہ
ہوا پھر اسمار و صفات میں مشاہدہ کرتا رہتا ہی حتیٰ کہ قلب کو ذات پاک تک راہ ملجاتی ہی تو یہ شخص آثار سے استدلال
کرکے موثر یعنی ذات تک پہونچا اور مجذوب وہ ہی کہ جو موثر سے استدلال کرکے آثار پر پہونچے یعنی اول اُسکے
قلب کو ذات پاک کا مشاہدہ کرایا جاتا ہی پھر اُس سے واپس کیا جاتا ہی اور صفات و اسمار کے اندر سیر کرتا ہی
اور پھر اُس سے مخلوقات و مصنوعات کی سیر میں آتا ہے پس سالک تو نیچے سے اوپر کو لیجایا جاتا ہے
اور مجذوب اوپر سے نیچے کو اُتارا جاتا ہی مگر یہ حال اُن کا ہی جن کے حال کی تکمیل اللہ تعالیٰ کو منظور ہوتی
ہے ورنہ بعض جذب ہی کی حالت میں رہتے ہیں اور بعض سالک درمیان ہی میں رہ جاتے ہیں ا۔
اسکے بعد سمجھو کہ شیخ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ فکر جسکی حقیقت مخلوقات کے میدانوں میں گھومنا ہی دو قسم پر ہے اول
فکر تصدیق اور ایمان کی یعنی وہ فکر جسکا منشا تصدیق اور ایمان ہی اور محض اللہ و رسول کو سچا جاننے اور
مومن ہونے سے پیدا ہوا ہے مشاہدہ و معائنہ سے پیدا نہیں ہوا یہ فکر سالکوں کا ہے کہ مخلوقات و مصنوعات
الٰہیہ میں فکر اور استدلال کرکے خالق تک پہونچتے ہیں اور اس فکر کا منشا ایمان ہے دوسرا فکر مشاہدہ
اور معائنہ کا یعنی اُسکا منشا مشاہدہ و معائنہ ذات پاک کا ہی صرف ایمان و تصدیق اسکا سبب نہیں ہے
کہ وہ خالق تعالیٰ شانہ کے مشاہدہ و معائنہ سے فکر کرتے کرتے مخلوقات و مصنوعات تک پہونچتے ہیں
سالک کے علم کا حاصل یہ ہوگا کہ یہ شئے مصنوع اور مخلوق ہی تو ضروری ہی کہ اسکا خالق و صانع بھی ہے
تو اسکی نظر قلب اول مخلوق پر پہونچی اسکے بعد خالق و صانع کا مشاہدہ ہوا اور مجذوب کے علم کا خلاصہ

سوا جو مخلوقات ہیں آسمان سے زمین تک مخلوقات کی انواع ہیں ان کو میدانوں سے تشبیہ دی ہے فکر کی حقیقت
قلب کا ان میدانوں میں گھومنا ہے اور ان میدانوں میں گھومنے سے یہ مراد ہے کہ مخلوقات الہیہ میں حق
تعالیٰ کی قدرت کے کرشموں اور عجیب وغریب تصرفات کا جو ہر وقت ہوتے رہتے ہیں مشاہدہ کرے
کہ کوئی مرتا ہے کوئی جیتا ہے کوئی فقیر ہے کوئی غنی ہے اور اس عالم کے ان عجائبات سے عبرت حاصل
کرے اور نیز حق تعالیٰ کی صفات کمال وجمال وجلال کا مطالعہ کرے یہ فکر اُسکو خالق تک پہونچائیگا
اور اسکا یقین کامل ہوگا کہ میرا خالق بڑا علیم حکیم اور جلال وعظمت والا ہے ایسے ہی فکر کا ہمکو حکم ہے اور خالق
کی ذات میں فکر سے ہمکو منع کیا گیا ہے اسلئے کہ ہمارے فکر کی وہاں رسائی نہیں اُس میں خوف
دائرہ دین سے نکل جانے اور مردود ہونے کا ہے نعوذ باللہ منہ۔ خالق کے متعلق بس اُس قدر
ایمان رکھے جسقدر بتلا دیا گیا ہے ؎

دور بیناں بارگاہ الست — غیر ازیں پے نبردہ اند کہ ہست

اور طاعات ومعاصی میں فکر کرے کہ فلاں طاعت کا یہ ثواب ہے اور فلاں معصیت پر یہ عذاب ہے اور نیز
حق تعالیٰ کی نعمتوں میں فکر کرے کہ مجھپر کسقدر نعمتیں اُس منعم حقیقی کی ہیں اور دنیا ومافیہا کے فنا ہونے
میں فکر کرے یہ سب فکر کی قسمیں مقصود ومحمود ومامور بہا ہیں

فکر قلب کا چراغ ہے جب وہ نہ رہے گا تو قلب کی روشنی بھی جاتی رہے گی **ف** فکر جسکی حقیقت
اوپر بیان کی گئی ہے قلب کے لئے بمنزلہ چراغ کے ہے اور قلب بدون فکر کے مثل اندھیری کوٹھڑی
کے ہے کہ بدون شمع وچراغ کے کچھ علم نہیں ہوتا کہ اسمیں کیا ہے اسیطرح بدون فکر کے کسی شئے
کی حقیقت معلوم نہیں ہوتی اور جب فکر کرے گا تو اُس سے حقائق اشیا قلب پر منکشف ہونگی
اور حق کا حق ہونا اور باطل کا باطل ہونا اور دنیا کا فانی ہونا اور آخرت کا باقی ہونا کھلی آنکھوں معلوم
ہوگا اور حق تعالیٰ کی عظمت وجلال اور اُس کا قہار وجبار ومنعم حقیقی ہونے کا مشاہدہ ہوگا اور
نیز اپنے نفس کے مخفی عیوب اور نفس کے حیلے بہانے اور دنیا کا جائے غرور ہونا مفصل معلوم ہوگا
اور اگر فکر جاتا رہا تو قلب مثل اندھیری کوٹھڑی کے رہ جاویگا کہ کسی شئے کی اُسکو تمیز نہ رہے گی۔

خوش کرنے والی دنیاوی چیزیں کم ہونی چاہئیں غمگین کرنے والی چیزیں کم ہوجاوینگی **ف** انسان کے
غم اور رنج کا اکثر سبب دنیا کی چیزوں کا ضائع ہونا ہوتا ہی مثلاً مال جاتا رہا یا کپڑے جاتے رہے
یا باغ جلگیا وغیرہ اور فرحت وخوشی کا سبب ان چیزوں کا ملنا ہوتا ہی تو اگر کوئی یہ چاہے کہ مجھے غم اور
رنج کم ہو تو اسکو چاہیئے کہ دنیا کی خوش کرنے والی چیزیں اپنے پاس سے کم کردے پھر غمگیں کرنے والی
کوئی چیز بھی نہ رہے گی اسلئے کہ غم تو دنیا کی چیز کے جانے سے تھا جب وہ چیز ہی نہ رہی تو غم کیسا
اور جسقدر دنیا کی چیزیں زیادہ ہونگی اُسیقدر غموم اور انکا رہبی قلب پر طاری ہونگے اور قلب کو چین
نہ ملے گی چین اور راحت ان چیزوں کے چھوڑتے ہی میں ہی پس عاقل وہ ہی کہ دنیا میں سے قدر
ضرورت پر اکتفا کرے اور زوائد کو حذف کرے اور دارین کی راحت حاصل کرے۔

اگر تو چاہے کہ معزولی کے غم سے محفوظ رہے تو بے بقا اور ناپائدار ولایت دنیاوی اختیار نہ کر۔
ف یہ ارشاد شیخ کا پہلے ارشاد کی بطور مثال کے ہی خلاصہ یہ ہے کہ دنیوی حکومت اور ولایت ناپائدار
ہے اسکو اختیار نہ کرو اسکا ثمرہ یہ ہوگا کہ معزول ہونے کے غم سے تم کو نجات رہیگی اور اگر دنیا کی فانی
حکومت اختیار کی تو اگر معزول اور برخاست کئے گئے تو اُسکا تم کو غم ہوگا اور اگر فرض کرو معزول
نہ ہوئے تو موت تو ضرور ہی آویگی اُسوقت لامحالہ یہ حکومت چھوڑنا پڑے گی اور اسکے چھوٹنے کی حسرت
ہوگی تو اگر یہ منظور ہے کہ معزولی کا غم نہ ہو تو اس ولایت وحکومت ہی کو اختیار نہ کرو۔

اگر تجھکو ولایت وحکومت دنیاوی کی ابتدا اُس کی طرف رغبت دلاتی ہے تو اُسکی انتہا معزولی
یا موت کے ساتھ اُس سے بے رغبت کرتی ہی۔ اگر اُسکا ظاہر تجکو اُس کی طرف بلاتا ہی تو اُس کا
باطن تجکو اُس سے روکتا ہی۔ **ف** دنیوی حکومت وشوکت اور جاہ وجلال کی ابتدا تو بڑی رونق دار
اور دلکش ہے کہ جسکو حاصل ہوجاتی ہی وہ لوگوں کی نظروں میں معزز ومکرم ہوجاتا ہے اور خود اُسکا نفس
بھی خوشی کے مارے پھولا نہیں سماتا اور یہ اُسکی ابتدائی حالت ہی لوگوں کو اپنی طرف کھینچتی ہی اور بلاتی
ہے لیکن اُسکی انتہائی حالت یہ ہے کہ یا تو اُس شخص کی حیات ہی میں برخاستگی اور معزولی ہوتی
ہے یا موت سے وہ چھوٹ جاتی ہی اور اکثر حکومت میں حدود شرعیہ کی رعایت نہیں رہتی ظلم اور

یہ ہوگا کہ خالق و صانع و رحمٰن و رحیم موجود ہی لہذا مخلوق و مصنوع و مرحوم بھی ہے تو اسکی نظر قلب اول خالق پر ہوتی ہی اور اُس سے استدلال کرکے مخلوق تک پہونچتا ہی اسیواسطے سالک ہوش و حواس والا ہوتا ہے اور مجذوب سے اکثر حرکات خلاف عقل ہوتی ہیں لیکن سمجھ لینا چاہیئے کہ یہ سب علوم قلبی ذوقی و وجدانی و وہبی ہیں علم ظاہری اور کسب سے اسکا تعلق نہیں ہے۔

نواں باب زہد اور اُسکی فضیلت کے بیان میں

جو عمل تارک الدنیا کے قلب سے ہو وہ تھوڑا نہیں اور جو عمل دنیا کے حریص خدا تعالیٰ سے غافل کے قلب سے ہو وہ زیادہ نہیں **ف** جبتک انسان کے اندر حب دنیا اور جاہ کا غلبہ رہتا ہی اُسکے نیک اعمال کے اندر اخلاص نہیں پیدا ہوتا اغراض دنیویہ اور نفسانی خواہشیں ہر جگہ اور ہر عمل میں اپنا غلبہ اور زور دکھاتی ہیں اور قبولیت اعمال کی درگاہ الٰہی میں اُسوقت ہی کہ جب عمل ان آفتوں سے خالص ہو ایسا شخص اگر نماز بھی پڑھتا ہے تو اُس میں بھی نفس کوئی غرض دنیوی شامل کر دیتا ہی اور جب بندہ پر فضل ہو جاوے اور نفس اُسکا حب دنیا و حب جاہ کے غلبہ سے پاک ہو جاوے اُسکا جو عمل ہی خواہ دین کا ہو یا دنیا کا وہ اخلاص پر مبنی ہوتا ہی اور منشا اُسکا للّٰہیت ہوتی ہی اسلیئے کہ دنیا تو دل سے نکل ہی جاتی ہی۔ پس تارک الدنیا جو عمل کرے اگرچہ وہ مقدار میں کم معلوم ہو وہ تھوڑا نہیں ہی اسلیئے کہ گو مقدار میں کم ہی مگر چونکہ اُس عمل کے اندر مغز اور روح موجود ہے اسلئے اللہ کے نزدیک مقبول ہی اور بہت ہی اور دنیا کا حریص اور جس کا دل اللہ تعالیٰ سے غافل ہی اگرچہ ظاہر میں بڑے بڑے اعمال نیک کرے لیکن چونکہ منشا اُن اعمال کا ابھی تک صحیح نہیں ہوا اور قلب کے اندر روگ موجود ہی اسلئے وہ بہت نہیں ہیں اسلئے کہ آفات مثل ریا و تصنع و اغراض نفسانی و شیطانی سے ہرگز خالی نہیں گو یہ شخص خالی سمجھے پس قابل اہتمام اور فکر قلب سے ما سوی اللہ کو نکالنا اور قلب کا تصفیہ و تزکیہ ہو تاکہ اسکے بعد جو عمل بھی ہو با مغز اور روح لیا ہوا ہو اگرچہ وہ عمل کم ہی ہو لیکن یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ ان آفات کی وجہ سے عمل نیک کو ترک نہ کرنا چاہیئے اسلیئے کہ نہ کرنے سے تو بہرحال کرنا بہتر ہے اور یہی نیک عمل کشاں کشاں اخلاص تک بھی پہونچا دے گا۔

کی محبت جمی ہوئی ہے اور عقل انکی کم ہے تو ایسوں کو نری نصیحت کافی نہیں تو ان کو دنیا کے مصائب
اور غم و رنج کے ایسے مزے چکھاتے ہیں کہ ان کا دل اس مردار سے افسردہ اور پژمردہ ہوجاتا ہے
اور اسکو چھوڑ دینا ان کو سہل ہوجاتا ہے اور بعض بندے ایسے ہی ہیں کہ باوجود ان مصائب کے بھی ان کو
عبرت نہیں ہوتی لیکن بہتیرے مسلمانوں کا حال یہی ہے کہ مصائب اٹھا کر متوجہ الی اللہ ہوجاتے ہیں اور بہ نسبت
سابق ان کی حالت بہتر ہوجاتی ہے۔

طے حقیقی (جو اللہ تعالیٰ اپنے دوستوں کو کرامت فرماتا ہے) یہ ہے کہ تو دنیا کی مسافت کو اپنی نظر بصیرت
سے یہانتک لپیٹ کر رکھدے کہ آخرت تجھ کو تجھ سے قریب تر نظر آنے لگے **ف** طے ارض تصرف
یا کرامت کی اقسام میں ہے جسکا مطلب یہ ہے کہ بعض اولیاء اللہ کو اللہ تعالیٰ یہ کرامت عطا فرماتا ہے کہ وہ بڑی
مسافت کو ایک لمحہ میں قطع کر لیتے ہیں شیخ ارشاد فرماتے ہیں کہ طے ارض کوئی شے مقصود نہیں
ہے اسلئے کہ اسکا مدار ولایت مقبولہ پر نہیں ہے یعنی یہ ضروری نہیں ہے کہ جس شخص کو طے ارض کا تصرف
حاصل ہو وہ مقبول ہی ہو ممکن ہے اور عجب نہیں کہ واقع ہی ہو کہ کوئی شخص ریاضت کر کے ایسا تصرف
حاصل کرے اور متبع شریعت نہ ہو اور یا بطور استدراج اور مکر کے کسی کے اندر ایسا وصف عنایت
ہوجاوے اور اگر کسی مقبول کے اندر بھی ہو تب بھی کوئی مقصود نہیں ہے حقیقی طے یعنی سچے رستہ کا قطع کرنا
تو یہ ہے کہ تم اپنے قلب کے سامنے سے اس دنیا کی مسافت کو قطع کر دو اور بالکل لپیٹ دو یعنی دنیا اور دنیا
کی لذتیں اور بیجا خواہشیں قلب کے اندر تو کیا قلب کے سامنے ہی نہ رہیں ایسی حالت ہوجاوے جیسے کسی
راستہ کو طے کر لیا ہو اور وہ نظروں کے سامنے نہیں رہتا اور اتنا اس رستہ کو طے کرو اور دنیا
کو دل کے سامنے سے علیحدہ کر دو کہ آخرت پیش نظر ہوجاوے اور اتنی قریب ہوجاوے کہ تم کو اپنے
وجود سے بھی زیادہ قریب دکھائی دینے لگے اور اپنے وجود سے زیادہ قریب قلب کو اسلئے نظر آویگی
کہ اس سالک کا وجود بھی جب ماسوا میں داخل ہے تو قلب اسکو بھی طے کر لیگا اب اپنے وجود سے
بڑھکر آخرت زیادہ قریب قلب کے ہوجاویگی اور یہ دنیا کی مسافت اس وقت طے ہوتی ہے جب
اللہ تعالیٰ بندہ کے قلب میں نور یقین القا فرما دیں کہ اسکی روشنی سے قُلْ جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ

جور اور تعدی اسکا گویا لازمہ ہو تو معزول ہونے کے وقت اُسکے چھوٹنے کا غم ہوتا ہی اور موت کے وقت
چھوٹنے کی حسرت علیحدہ اور جور وظلم کی وجہ سے ندامت اور غم وحزن کا انبار اور حقوق العباد کا
بار جدا ہوتا ہی تو اسکی انتہا اس سے بے رغبت کرتی ہی اسی طرح اس دنیوی حکومت کا ظاہر حال کہ عزت ہی
اور حکام اور بادشاہ وقت کی نظروں میں اعزاز اور مال ملنے کی وجہ سے حسب دلخواہ کھانا پہننا ہی اپنی
طرف کھینچتا ہے لیکن اسکا باطن کہ درحقیقت یہ حکومت اللہ تعالیٰ کی یاد سے روگردانی کرنیوالی اور
سراسر ضرر آخرت کا باعث ہی تجھکو اُس سے روکنے والا ہی بس عاقل وہی ہو جو عاقبت اندیش ہو اور
کسی شے کے ظاہر حال اور ابتدائی حالت سے دہوکہ نہ کھاوے اور اُسکی نظر انجام اور حقیقت پر ہو **ع**

درپس ہر گریہ آخر خندہ ایست   مرد آخر بین مبارک بندہ ایست

خدا تعالیٰ نے دنیا کو اعتبار کا محل اور کدورتوں کا معدن اسلئے بنایا کہ تجھکو اُس سے بے رغبت
کرے **ف** دنیا کو اللہ تعالیٰ نے مقام عبرت اور کدورات وپریشانیوں کا معدن بنایا ہی کہ رات دن ایسے
ایسے واقعات عبرت ناک ہوتے رہتے ہیں کہ عاقل اُن سے عبرت حاصل کر سکتا ہی اور ایسی بلائیں ومصائب
آتی رہتی ہیں کہ جن سے بڑی نصیحت مل سکتی ہے کوئی شخص اپنے مقاصد ومطالب حاصل نہیں کر سکتا
ہے آدمی چاہتا ہے کہ میں تندرست رہوں لیکن امراض اُسکو نہیں چھوڑتے چاہتا ہی کہ مال ملے لیکن
بجائے اُسکے تنگدستی اور افلاس ہوتا ہی چاہتا ہے کہ اولاد ملے لیکن اُسی کے غم میں عمر گذر جاتی ہی
یا اولاد ہوتی ہی اور سامنے رخصت ہو جاتی ہی غرض دنیا تشویشات وکدورتوں سے پُر ہے لیکن یہ بھی
حق تعالیٰ کی بڑی رحمت ہی کہ ان حوادث ومصائب وعبرتوں سے آدمی اُس سے بے رغبت ہو جاتا ہی اور
اسکو ایسا بنانے میں یہی حکمت ہو تاکہ اپنے بندوں کو اس مردار سے علیحدہ کرے۔

اللہ تعالیٰ جانتا تھا کہ تو صرف نصیحت قبول نہیں کرے گا تو اسلئے دنیا کے مصائب کی چاشنی کا ایسا
ذائقہ چکھایا جو تجھپر دنیا کی مفارقت سہل کرے **ف** جس شخص کے اندر دنیا اور دنیا کی لذتوں کی محبت
نہیں رکھی گئی اور عقل اُن کی سلیم ہے اُسکے لئے تو بڑی نصیحت اور قرآن وحدیث ووعظ کافی ہے۔
لیکن اللہ تعالیٰ کو معلوم تھا کہ بہت سے بندے ایسے بھی ہیں کہ اُن کے قلوب میں لذات دنیوی اور محبت

چیزوں کے پیچھے پڑتا ہی اور آخرت کو بھول جاتا ہے اور باطن اور حقیقت ان چیزوں کی عبرتناک ہے اور یہ مضمون دنیا کی ہر شے میں ظاہر ہوتا ہی دیکھو وہ کھانا کہ جسکو سروں پر رکھکر لاتے ہیں اور دسترخوان پر چنا جاتا ہے کیسا اچھا معلوم ہوتا ہی لیکن جب کھا لیتے ہیں تو اسکی حقیقت ایسی منقلب ہو جاتی ہے کہ اسکی طرف دیکھا بھی نہیں جاتا علی ہذا ہر شے کو دیکھو کہ ظاہر اسکا چکنا چپڑا مزین ہے اور انجام اور حقیقت اسکی کچھ بھی نہیں ہے پس نفس تو اسکی ظاہری چمک دمک دیکھکر اسپر فریفتہ اور شیدا ہوتا ہی اور اسقدر فریفتگی اسپر بڑھتی ہے کہ دین اور شریعت کو بھی پس پشت ڈالدیتا ہی اور قلب سلیم اسکی حقیقت کہ فنا ہونا ہی اور باطنی عبرت کو دیکھتا ہے تو اگر توفیق الٰہی شامل حال ہی اور عقل سلیم اس بندہ کو عطا ہوئی ہے تو نفس کو اس ظاہری چمک دمک سے روکتا ہے اور اسکا فنا ہونا اور لاشی ہونا پیش نظر ہو جاتا ہے اور اسپر اندھوں بہروں کی طرح نہیں لوٹ پڑتا بلکہ قدر ضرورت پر اکتفا کر کے الگ ہو جاتا ہی اور دائمی اور باقی رہنے والی دولت کے درپے ہوتا ہی۔

اگر تو دائمی عزت کا طالب ہے تو فانی عزت کو اختیار نہ کر ف دنیا کی عزت کی حقیقت مال اور جاہ ہی اور یہ دونوں چیزیں یا تو زندگی ہی میں آدمی سے جدا ہو جاتی ہیں اور یا آدمی انسے جدا ہو جاتا ہی غرض یہ عزت فنا ہونے والی ہے تو اگر تو نے ان چیزوں سے عزت حاصل کی یعنی دنیا کا مال اور مرتبہ اختیار کیا اور اپنے مولیٰ سے غافل رہا تو اس تیری عزت کو بقا نہیں اس لئے کہ جس شے سے عزت حاصل کی ہے وہ خود فانی ہے اور سچی اور باقی رہنے والی عزت یہ ہے کہ انسان کے قلب کو اسباب دنیوی سے تعلق نہ ہو اور قلب باقی رہنے والے ذات پاک کے تعلق کے ساتھ غنی ہو اگر ہفت اقلیم کی سلطنت بھی دی جائے تو قلب اس سے بھی بے نیاز ہو چاہئے کہ ہفت اقلیم کی سلطنت اسکی نگاہ میں اس تعلق کے سامنے پر پشہ کی بھی برابر نہیں دیکھو اگر بادشاہ وقت کے ساتھ کسیکو تعلق دوستی کا ہو تو اسکی نظروں میں اس تعلق کے سامنے مال و دولت کی کچھ بھی قدر نہیں رہتی پس یہ عزت اگر کسی کو نصیب ہو تو عزت فانیہ کو چھوڑ دے۔ اور یہی عزت زندگی میں بھی اسکے ساتھ ہے اور مرنے کے بعد تو اسکا ظہور تام و کامل ہو ہی گا۔

کا مضمون ہوجاوے اُسوقت دنیا نظر قلب سے بالکل معدوم ہوجاویگی وذٰلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء وما ذٰلک علی اللہ بعزیز رزقنا ھا اللہ تعالیٰ آمین۔

اگر یقین کا نور تجھ پر روشن ہوجاتا تو آخرت کو اپنے نفس سے آخرت کی طرف کوچ کرنے کی بہ نسبت قریب تر دیکھتا اور دنیا کے محاسن پر فنا کے گہن کو ظاہر دیکھہ لیتا۔ **ف** ای شخص جو کچھ اللہ ورسول نے تجھ سے وعدہ فرمایا ہے جسکا حاصل یہ ہے کہ دنیا فانی اور باطل اور دہوکہ کی جگہ ہے اور آخرت باقی اور حق اور سچا گھر ہے اگر تجھکو اسکا یقین کامل ہوجاتا اور اُس یقین کا نور تیرے دل پر چمک جاتا کہ اُسکے ذریعہ سے تو اللہ ورسول کے وعدوں اور فرمائی ہوئی باتوں کو سورج سے زیادہ روشن پاتا تو آخرت تیرے دل کے بالکل سامنے ہوتی اور اسقدر قریب ہوتی کہ اُسکی طرف کوچ کرکے جانے سے بھی زیادہ قریب ہوتی اسلئے کہ کوچ کرکے جانا کسی شے کی طرف جب ہوتا ہے جبکہ وہ شے کچھ مسافت پر ہو اور جب اپنے نفس سے بھی زیادہ قریب کوئی شے ہو تو اسکی طرف کوچ کرنا اور جانے کا تہیہ کرنے کی ضرورت نہیں اور دنیا کی ظاہری خوبیاں اور بناؤ سنگار جو تجھکو سورج کی طرح چمکتی دمکتی دکھائی دیتی ہیں انپر فنا کا گہن اور دہبہ لگا ہوا کہلی آنکھوں دیکھہ لیتا۔ اور وجہ اسکی یہ ہے کہ نور یقین وہ چیز ہے کہ جب کسی بندہ کے دل میں ڈالدیا جاتا ہے تو اُسکو حقائق اشیا واضح ہوجاتی ہیں اور یہہ ہر کوئی جانتا ہے کہ دنیا فانی ہے اور آخرت باقی رہنے والی ہے اور اللہ ورسول نے جو کچھ فرمایا ہے حق ہے اور اُسپر سب مسلمانوں کا ایمان ہے لیکن نور یقین جب حاصل ہوتا ہے تو اُس وقت یہ سب باتیں ایسی نظر آتی ہیں جیسے آنکھ سے کسی چیز کو دیکھہ لیا جاوے اور اُسکے آثار یہ ہوتے ہیں کہ وہ شخص دنیا کو پس پشت ڈالدیتا ہے اور اُسکی تمام تر سعی آخرت کے لئے ہوتی ہے اور اُسکے نفس کی بیجا خواہشیں سرد ہوجاتی ہیں اور وقت کو غنیمت جانتا ہے رزقنا اللہ تعالیٰ آمین۔

موجودات دنیا کی زیب زینت ظاہری فریب اور دہوکہ ہے اور اُسکا باطن عبرت انگیز ہے۔ پس نفس تو اُسکے ظاہری فریب کی طرف دیکھتا ہے اور قلب اُسکی باطنی عبرت کی طرف نظر کرتا ہے **ف** دنیا کی تمام چیزوں کی زیب وزینت ظاہری فریب اور دہوکہ ہے کہ نفس دہوکہ میں آکر ان

فاقے مواہب الٰہی کے بچھونے ہیں **ف** فاقے حق تعالیٰ کی عطاؤں کے لئے بمنزلہ بچھونوں کے ہیں کہ اللہ والوں کو جب فاقے ملتے ہیں تو عطاؤں کے انبار سے ان بچھونوں کو بھر دیتے ہیں یعنی فاقوں میں اللہ والوں پر قلبی فتوحات اور معارف و اسرار و انوار بکثرت وارد ہوتی ہیں پس وہ حضرات اس سے گھبراتے نہیں بلکہ بے انتہا خوش ہوتے ہیں۔

اگر مواہب الٰہی کا نزول اپنے اوپر چاہتا ہے تو فقر و فاقہ کو اپنے لئے راست کرے کیونکہ حق تعالیٰ فرماتا ہے صدقے فقرا ہی کے واسطے ہیں **ف** فقر و فاقہ سے مراد احتیاج اور افتقار کی صفت ہے اور اسکے راست کرنیکا مطلب یہ ہے کہ نفس کے اندر اپنے مولیٰ کی طرف محتاجگی اور افتقار کی صفت پیدا ہو جاوے اور ماسوا سے اسکو کسی درجہ کا استغنا و بے نیازی حاصل نہ ہو یعنی اسکے قلب کو غنیٰ مال دولت اولاد کے ساتھ نہ ہو بلکہ حق تعالیٰ کی صفت داد و دہش بلکہ اسکی ذات سے جو تعلق اسکے قلب کو ہے اس کے سبب سے اسکی غنی ہو اور حق تعالیٰ کی طرف سر سے پا تک محتاجگی اور فقر کی صفت لئے ہوئے ہو اب ارشاد شیخ رح کا سمجھو فرماتے ہیں کہ اگر تو یہ چاہتا ہے کہ حق تعالیٰ کی داد و دہش کی بارشیں مجھ پر ہوں یعنی فیوض الٰہیہ کے دروازے کھل جاویں تو سراپا احتیاج بن جا اور محتاجگی کو اپنے نفس کے اندر خوب ثابت کرے پھر دیکھ کہ فیض باطنی کا دریا تجھ پر کیسا بہتا ہے اور دلیل اسکی یہ ہے کہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَآءِ یعنی صدقے فقرا ہی کے لئے ہیں۔ تو حق تعالیٰ کی طرف کے فیوض کے صدقے تجھکو اسی حالت میں مل سکتے ہیں جبکہ تو فقر اور احتیاج کی صفت لئے ہوئے ہو اور اسی کے در کا بھک منگا سائل بن جا اور تیرا بال بال ہر وقت اور ہر آن اسی کے در پر ہاتھ پھیلائے رہے اور خواہ دنیا کی دولت تیرے پاس کسیقدر ہو لیکن تیرا فقر اس سے دور نہ ہو اور تیری احتیاج کی صفت اس سے نہ جاوے اور تجھکو امیری اس سے نہ ہو بلکہ تو ہر وقت اسکے آستانہ کا گدا بنا رہے۔

تیرا فاقہ اور حاجتمندی ذاتی ہے اور اسباب حاجتمندی کے تجھ پر نازل ہونا اس حاجتمندی کو جو تجھ پر پوشیدہ ہو گئی تجھے یاد دلانے والے ہیں تو تیری حاجتمندی کو عوارض زائل نہیں کر سکتے **ف** اے انسان

دسواں باب فقر و فاقہ کے بیان میں

فاقوں کا نازل ہونا مریدوں کی عید ہے **ف** عید خوشی اور مسرت کے دن کو کہتے ہیں اور مسرت انسان کو اسکی طبع کے موافق شے ملنے سے ہوتی ہے پس عوام کی عید تو اسدن ہے جس روز ان کو ان کے حسب دلخواہ کھانا اور کپڑا اور دنیوی مال و عزت و آبرو ملے اور جو اللہ کے خاص بندے ہیں جن کا دل حق تعالیٰ کے ساتھ وابستہ ہوگیا ہے اور سچا تعلق ان کو ذات باقی کے ساتھ پیدا ہوگیا ہے ان کی عید اپنے نفس کے مزے اور آرزوئیں نہ ملنے سے ہوتی ہے اسلئے کہ ان کی مسرت اور خوشی کا مدار اسپر ہے کہ قلب اغیار اور ماسوی اللہ کی کدورت سے صاف اور پاک رہے اور نفس کو جب اسکی خواہش کے موافق شے ملتی ہے تو اس کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو انکے صفاء وقت میں کدورت آجاتی ہے اور جب خواہش اسکی پوری نہیں ہوتی تو ان کے قلب حق تعالیٰ کی طرف رجوع ہوتے ہیں اور اسی حالت میں ان کو حلاوت اور چین ہوتا ہے فاقہ بھی نفس کے خلاف ہے اسلئے فاقہ مریدوں اور اللہ والوں کی عید ہے لیکن یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ یہ حال ان لوگوں کا ہے جنکے قلب کو تعلق حق تعالیٰ کے ساتھ پیدا تو ہوگیا ہے لیکن ابھی اسکو رسوخ اور پختگی نہیں ہوئی اور نفس کے اندر اسکی خواہش کا روگ کسیقدر موجود ہے اور بعد رسوخ اور نفس کے مطمئنہ ہونیکے یہ حال ہوتا ہے کہ جس حالت میں مولیٰ رکھے وہ ہی عید ہے اسیلئے ایسے حضرات کو غنی اور فقر ہر حالت اور ہر منٹ بلکہ ہر آن میں عید ہے۔

اکثر اوقات فاقوں میں اسقدر انوار و معارف کی زیادتی حاصل ہوتی ہے جس قدر نماز روزہ میں وہ زیادتی تجھکو حاصل نہیں ہوتی **ف** انوار و معارف اور اسرار آلہیہ کے قلب پر وارد ہونے کا مدار نفس کے خلاف خواہش ہونے پر ہے تو نماز روزہ اگر اس حالت میں ہو کہ نفس کو اسکی خواہشیں سب مل چکی ہیں مثلاً کھانا مزہ دار اور لباس فاخرہ اور صحت بدن کی حاصل ہے تو اس نماز روزہ میں اسقدر اسرار و انوار آلہی قلب پر وارد نہ ہونگے جسقدر فاقوں اور نفس کے خلاف حوادث پیش آجانے پر ہونگے۔

تیرے اوقات میں بہتر اور عمدہ وقت وہ ہی جسمیں تو اپنی حاجتمندی کا مشاہدہ کرے اور اپنی ذلت

وخواری کی طرف لوٹے **ف** ای طالب تیری عمر میں سب سے اچھا وقت اور افضل زمانہ وہ ہے
جسمیں تیرا قلب اپنی اصلی صفت احتیاج کا مشاہدہ کرے اور ذلت وخواری جو اصلی امر ہے اور تیرے
قلب سے پوشیدہ ہوگئی ہے اسکی طرف رجوع کرے اور ذلت وخواری انسان کا اصلی امر اسلئے
ہے کہ انسان اور سب مخلوق ہر وقت حق تعالیٰ کی صفت قہر وقدرت کے نیچے داخل ہی جس طرف
چاہیں ہنکا ئیں جو چاہیں کام لیں اور اصلی اور حقیقی غلبہ اور عزت صرف ذات واحد قہار وقادر کے
کے لئے ہے پس اگر بندہ کے نفس میں یہ بات ہی کہ عزت اور غلبہ میرے اندر ہی تو وہ سرکش ہی اور سرکشی
پر سزا کا مستحق ہونا ظاہر ہے پس اسکے لئے بہتر وقت وہ ہی جسمیں یہ اپنی حاجتمندی اور ذلت و
خواری کو دیکھے اور دیکھنے کا مطلب اتنا ہی نہیں کہ صرف اسکا علم ہو یہ تو ہر شخص کو ہی مطلب یہ ہے
کہ جیسے آنکھ سے دیکھکر کسی بات کا یقین اور اثر ہوتا ہی ایسا یقین اور اثر ہر وقت قلب میں موجود
رہے کہ جسمیں شک وشبہ کی گنجائش نہ رہے اور بدتر اور برا وقت وہ ہی کہ جسمیں اپنے استغنا اور
اپنی صفت کمال اور اپنی عزت وریاست یا کسی قسم کا منصب پیش نظر ہو۔

مخلوق سے لینے کی طرف ہاتھ نہ پھیلا مگر جب اُن میں بھی اپنے مولیٰ حقیقی کو ہی دینے والا مشاہدہ

کرے اور جب تو ایسا ہو جاوے تو مخلوق سے لے جو تیرے علم ظاہری وباطنی کے موافق ہو **ف**
ای طالب اور اے اللہ والے مخلوق جو تجھکو روپیہ پیسہ کپڑا دے تو اُسکو دو شرطوں سے قبول کر اول تو
یہ کہ تیرا حال اور ذوق قلبی یہ ہو کہ دینے والا حقیقی اللہ تعالیٰ ہے اور مخلوق واسطہ محض ہیں اور یہ
علم اس بات کیلئے کافی نہیں اسلئے کہ وہ تو ہر مسلمان بلکہ کافر تک کو ہے کہ دینے والا اُسی کو جانتے ہیں بلکہ
تیرے دل کی حالت یہ ہو کہ کسی درجہ میں بھی تو مخلوق کو دینے والا نہ مشاہدہ کرے اور دل کی نظر
مخلوق سے بالکل علیحدہ ہو دینے والا کھلی آنکھوں معطی حقیقی کو جانے اور جب تیرے اندر یہ شرط
اور صفت آگئی اور تو ایسا ہو تو دوسری شرط یہ ہے کہ ہدیہ قبول کر جو تیرے علم ظاہری وباطنی کے
موافق ہو علم ظاہری سے مراد شریعت ہی یعنی شریعت اگر تجھکو اُسکے لینے کی اجازت دے تو لے

تو اپنے وجود میں اور بعد وجود کے باقی اور قائم رہنے میں اپنے خالق ورب تعالیٰ شانہٗ کا محتاج ہے اور ہر آن
میں تو اسکی امداد اور رحمۃ کا حاجتمند ہے پس فاقہ یعنی فقر اور حاجتمندی تیرا امر ذاتی اور اصلی ہوا کہ ایک
آن کے لئے تجھ سے جدا اور منفک نہیں ہو سکتا لیکن دنیا میں اگر تجھکو جو نعمت صحت اور زندگی
کی اور صفت اختیار و قدرت ظاہری کی اور مال و دولت ملا تو اس میں تجھکو ایک استغنا اپنے
مولیٰ سے ہوگیا اور اس اپنی صفت اصلی افتقار اور احتیاج کو بھول گیا اور وہ صفت ان نعمتوں
سے تیری حماقت کی وجہ سے تجھپر چھپ گئی یہ حق تعالیٰ کی رحمت ہے کہ تجھ کو وہ صفت احتیاج کی پھر یاد
دلاتے ہیں اسطور سے کہ تجھپر حاجتمندی اور حق تعالیٰ کی طرف التجا اور بیقرار ہونے کے اسباب مسلط
کر دیئے کہ کبھی تو بھوکا پیاسا ہوتا ہے اور کھانا پانی تجھکو نہیں ملتا یا دیر سے ملتا ہے مریض ہوتا ہے
اور مرض میں اشتداد ہو جاتا ہے جاڑے میں کپڑے کا محتاج ہوتا ہے گرمی میں ٹھنڈی ہوا اور ٹھنڈے
پانی کی تجھکو ضرورت پڑتی ہے مصائب میں دعا ان کے رفع ہونے اور زائل ہونے کی کرتا ہے یہ سب
اسباب تجھکو تیرے امر اصلی کو یاد دلاتے ہیں اور گویا زبان حال سے کہہ رہے ہیں کہ اے شخص تو اپنی
اصلیت کو کیوں بھول گیا اپنی اصلی صفت احتیاج کے ساتھ موصوف ہو جا لیکن جو اللہ کے خاص
بندے ہیں ان کو یہ اپنی صفت اصلی ہر وقت پیش نظر رہتی ہے اپنر جو مصائب و حوادث آتے ہیں وہ
یاد دلانے کے لئے نہیں بلکہ ان کے درجات بڑھانے کے لئے ہیں پس جب احتیاج اور حق تعالےٰ
کے در کی گداگری تیرا امر ذاتی اور اصلی ہوا تو جو چیزیں تیرے نزدیک استغنا اور بے نیازی کے
اسباب ہیں جیسے صحت و قوت و مال و جاہ و آبرو جنکو تو یہ سمجھتا ہے کہ ان کے سبب میں مستغنی ہوں
اور تیرے قلب کے اندر ایک بے پروائی آ رہی ہے اور اپنے مولیٰ کی طرف ہر وقت نگرانی اور
حاجتمندی تجھکو نہیں رہی یہ سب امور عارضی ہیں اللہ تعالیٰ ہر وقت قادر ہیں کہ یہ اسباب استغنا
کے تجھ سے چھین لیں چنانچہ بعض وقت جاتے رہتے ہیں تو وہ امر اصلی پھر ہی ظاہر ہوتا ہے اصلی اور ذاتی
بات کو عارضی امور دور نہیں کر سکتے تو ان نعمتوں سے وہ تیرا اصلی امر ہرگز زائل نہیں ہو سکتا
پس عقل سے کام لے اور اپنی اصلیت کو ہر وقت پیش نظر رکھ کہ تیرے لئے خیر اسی میں ہے۔

باہر نکل تاکہ حق تعالیٰ کی ندا کا اجابت کرنے والا اور اسکی بارگاہ عالی سے نزدیک ہونے والا ہو جائے
ف اوصاف بشری کی دو قسمیں ہیں محمودہ و مذمومہ اوصاف محمودہ تو جیسے طاعت وایمان وتواضع
وقناعت وصبر وغیرہا اور مذمومہ کی دو قسمیں ہیں ایک تو وہ جو اعضا ظاہرہ سے تعلق رکھتے ہیں
جیسے غیبت ظلم سرقہ وغیرہ اور دوسرے وہ جن کا تعلق قلب سے ہے جیسے کبر عجب ریا حسد وغیرہا
اوصاف مذمومہ بندگی کے خلاف ہیں پس اے مرید وطالب تیرے اوصاف بشری ہیں جو وصف
بندگی اور غلامی کے خلاف ہو اُس سے ریاضت ومجاہدہ کر کے نکل یعنی اپنے اندر سے ان خباثت و
رذائل کو نکال جب یہ رذائل تجھ سے نکل جاویں گے اور نفس ان سے مزکی ہو جاویگا تو اوصاف
وخصائل حمیدہ سے قلب آراستہ ہوگا تو اُسوقت تو اللہ تعالیٰ کی ندار باطنی کا قبول کرنے والا ہوگا۔
یعنی تجھکو جو حق تعالیٰ ہر وقت اپنی طاعت کی طرف بلاتے ہیں چنانچہ ارشاد ہو وَاللّٰہُ یَدْعُوْا اِلٰی
دَارِ السَّلَام یعنے اللہ بلاتے ہیں بہشت کی طرف اس ندا کا تو سچا قبول کرنے والا ہوگا اور اس کی
بارگاہ عالی کے قریب ہونے والا ہوگا یعنی اُسکا قرب تجھکو نصیب ہوگا اور بغیر ان رذائل سے پاک
ہوئے اجابت میں سچا نہ ہوگا اور اُسکی بارگاہ عالی سے دور رہے گا۔ اسلئے کہ جو شخص نجاسات سے
آلودہ ہو وہ بادشاہی بارگاہ میں حاضری کے قابل نہیں۔

ہر ایک معصیت اور غفلت اور نفسانی شہوت کی جڑ اپنے نفس سے رضامندی ہے اور ہر ایک طاعت

اور بیداری اور پاکدامنی کی بیخ اپنے نفس سے ناراضی ہے **ف** اپنے نفس سے رضامندی کے
معنے یہ ہیں کہ آدمی اپنی حالت کو پسند کرے خواہ وہ بُری ہو یا بھلی یہ بات ہر گناہ اور غفلت اور نفسانی
شہوت کی جڑ ہے اور وجہ اسکی یہ ہے کہ جب آدمی اپنے نفس سے راضی ہوگا اور اُسکو پسند کرے گا
تو نفس کے عیوب اور برائیاں اُسکی نظر سے چھپ جائیں گی اور نفس کی بُری بات بھی اچھی معلوم
ہوگی اور اُسکے قلب کو نفس کی طرف سے اطمینان ہوگا تو غفلت اللہ تعالیٰ سے اُسپر غالب ہو جاویگی
اور غفلت جب ہوگی۔ تو وساوس اور نفسانی خواہشیں زور پکڑینگی اور پھر گناہ ضرور صادر ہونگے
اور ہر طاعت اور بیداری اور پاکدامنی کی جڑ اپنے نفس کے حال کو ناپسند کرنا ہے اسلئے کہ جب اپنے

ورنہ نہ لے مثلاً کوئی ایسا شخص اگر ہدیہ دے کہ اُسکا کسب حرام ہے یا وہ نابالغ ہے یا سود یا رشوت کی آمدنی سے دینے کا علم ہو تو قبول نہ کر اور علم باطنی یہ ہے کہ دیکھے کہ تجھکو اسکی ضرورت اور حاجت بھی ہے یا نہیں اگر ضرورت اور حاجت ہو تو لے اور زائد از حاجت نہ لے ہاں اگر اسلئے لے کہ دوسرے کو دیدونگا تو قبول کرے اور نیز اُس شے کو بھی نہ لے کہ جسکی خواہش کو تو اللہ کے واسطے اور اپنے نفس کے دبانے کے لئے چھوڑ چکا ہو اور اب وہ تیرے امتحان کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجی گئی ہے اور نیز دیکر احسان جتانے والے اور فخر کرنے والے کا ہدیہ بھی نہ لے اور نہ ایسے شخص کا ہدیہ لے کہ تیرے قلب پر کسی وجہ سے اسکا ہدیہ ثقیل اور گراں ہو یہ سب علم باطنی کی فروع ہیں۔

گیارہواں باب نفس کی ریاضت اور اُس کی پنہانی خرابیوں سے ڈرانے کے بیانمیں

اپنے عیوب باطنی کی تیرا آگاہ کرنا اُن اشیاء کے حصول کی طرف نظر کرنے سے جو تجھ سے پوشیدہ اور غائب ہیں زیادہ بہتر ہے **ف** اے طالب اور اے مرید تیرا قلب جو اسرار آلہیہ اور معارف اور تقدیری امور کے راز معلوم کرنے کی طرف مائل ہے اور ان کا تجھکو شوق ہو اور یا اچھے خوابوں کو بڑا مقصود سمجھتا ہے اور اگر کوئی راز یا معرفت کی بات تجھکو معلوم ہو جاتی ہو تو اسپر اتراتا اور اسی کو مقصود یا مقصود کا مقدمہ جانتا ہو تو یاد رکھ ان پوشیدہ اور غائب امور کی جستجو اور شوق اور انکی طرف تیرے قلب کا میلان یہ تیرے لئے بہتر نہیں ہے بلکہ مضر ہے اس سے بہتر تیرے لئے یہ ہے کہ تیرا قلب اپنے عیوب باطنی ریا حسد تکبر وغیرہ کو دیکھے اور ان کے ازالہ کی طرف ہمت کو مصروف کرے اور اگر کوئی راز کی بات یا آئندہ ہونے والی بات تجھکو معلوم ہو جاوے تو وہ تیرے نزدیک باوقعت نہ ہونی چاہئے بلکہ اصل مقصود تیرا نفس کا رذائل سے پاک کرنا اور نفسانی عیوب کی طرف نگرانی کرنا ہو۔

اپنے بشری اوصاف میں سے ہر ایک اس وصف سے جو تیری بندگی کے مخالف ہو

اور یہ عین غفلت ہی حق تعالیٰ سے اور یہ مرض بہت قبیح ہی اسلئے کہ جسکے اندر ہوتا ہی اُسکو خود اس کا ادراک نہیں ہوتا اسلئے اس مرض کی حقیقت ہی یہ ہے کہ اپنے حال کو پسندیدگی کی نظر سے دیکھنا پس جو شخص اپنے سے ناراض ہو اور اپنے ہر حال کو خواہ وہ کتنا ہی حسین نظر آوے اُسکو ناپسند ہو اُسکو جہل کچھ مضر نہیں اور جو عالم اپنے سے راضی ہے اور اپنی ہر بات کو پسند کرتا ہی اور اسی سعی میں ہے کہ لوگ میری بات کو پسند کریں اُسکو اُسکا علم کچھ نافع نہیں۔

تجھ سے خوارق عادت کیونکر ظاہر ہوں ابتک تو نے اپنی نفسانی عادتوں کو تو ترک کیا ہی نہیں۔

ف خوارق عادت وہ امور ہیں کہ عالم میں کوئی ایسا واقعہ کسی شخص سے ظاہر ہو کہ جو عادت الٰہی کے خلاف ہی مثلاً کئی ماہ کا رستہ ایک منٹ میں طے کرنا یا پانی پر چلنا یا ہوا میں اُڑنا اگر ایسے امور متبع شریعت اور صاحب استقامت اور کامل سے ظاہر ہوں تو اُسکو کرامت کہتے ہیں ورنہ استدراج اور مکر کہلاتا ہے بہت سے سالک جنکے اندر حُب شہرت موجود ہے کرامات کے بڑے طالب ہوتے ہیں اسلئے شیخ فرماتے ہیں اے مرید تو کرامات کے ظہور کی طمع کیسے کرتا ہی حالانکہ ابھی تو نے اپنی نفسانی عادتوں کو اور بُری خصلتوں کو نہیں چھوڑا اور کرامت ولی کے لئے اُسکی ولایت کی خدا تعالیٰ کی طرف سے شہادت ہی اور تیرے اندر جب نفسانی شہوتیں موجود ہیں تو ولایت کہاں ہوئی اور جب ولایت نہیں تو اُسکی شہادت کیسے آسکتی ہے۔

خواہش نفسانی کی حلاوت و لذت کا قلب میں مستحکم ہو جانا سخت لاعلاج بیماری ہی **ف** جیسے امراض ظاہری میں جب کوئی بیماری زور پکڑ جاتی ہے اور طبیعت کو مغلوب کر دیتی ہے تو دوا اور علاج نافع نہیں رہتا اسی طرح امراض باطنیہ کا حال ہی خواہش نفسانی دنیا اور اُسکی لذات کی طرف سب کو ہی لیکن کسی خواہش کی لذت اور حلاوت جب دل میں گھر کر جاوے اور کسی طرح نہ نکلے تو یہ سخت لاعلاج بیماری ہے ایمان اور طاعت اور استغفار اُسکی دوا ہے لیکن یہ اُسیوقت تک کارآمد ہیں جبکہ وہ خواہش دل میں پختہ نہ ہوا ور پختگی کے بعد اگر فضل الٰہی ہو جاوے تو البتہ اُس سے چھوٹ سکتی ہی اسلئے طالب کو اول ہی سے اسکا فکر ضروری ہے کہ استحکام ہی نہ ہونے پاوے۔

نفس کو ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھے گا تو ہر وقت اسکو بیداری ہوگی اور اس دشمن کی ہر بات اور
ہر خواہش کو سمجھے گا کہ اسمیں ضرور اسکی کوئی چال ہے اور اسمیں غور کرے گا اور شریعت کی کسوٹی پر
اسکو پرکھے گا جو امر خلاف شریعت ہوگا اسکو چھوڑ دیگا گو ابتدا میں اسکو نفس سے بہت مشقت اٹھانا
پڑیگی اور کبھی نفس غالب ہوگا اور کبھی مغلوب لیکن رفتہ رفتہ نفس کا زور گھٹ جاویگا اور شرعی امور
کے ساتھ اسکو اطمینان کی صفت پیدا ہو جاویگی پھر سرکشی نہ کرے گا اور پاکدامنی اور طاعت اور بیداری
اس کی صفت بن جاویگی اور معصیت اور غفلت جاتی رہے گی تو یہ ثمرات نفس سے ناراضی کے
ہیں اور تمام معاصی و غفلت یہ ثمرات نفس سے راضی ہونے کے ہیں۔

خدا کی قسم تیرا ایسے جاہل کا ہمنشین ہونا جو اپنے نفس سے ناراض ہو تیرے لئے اس عالم کی صحبت سے
جو اپنے نفس سے رضامند ہو زیادہ بہتر ہے کیونکہ اس عالم کے لئے جو اپنے نفس سے راضی ہو اسکا علم کیا مفید
ہے اور اس جاہل کے لئے جو اپنے نفس سے ناراض ہو اسکا جہل کیا مضر ہے۔ ف چونکہ عالم کی صحبت
نافع اور جاہل کی مضر ہوتا ہے تو یہ مسلم ہے اسلئے قسم کھائی کہ شیخ فرماتے ہیں جو شخص علوم ظاہرہ سے
جاہل ہو لیکن وہ اپنے نفس سے ناراض ہو اور اسکے قلب میں از روئے وجدان اور یقین اس امر کا راسخ ہو
کہ میرا نفس مجموعہ ہے تمام شرور و نقائص کا اور میں سراپا عیب و نقصان ہوں اور اپنی خوبی اور کمال
کا بھول کر بھی وہم و شبہ اسکو نہیں ہوتا تو یہ شخص کامل ہے اسلئے کہ جو شئے سرچشمہ ہے تمام طاعات کی
اور کمالات کی وہ اسکو حاصل ہے تو اسکی صحبت تیرے لئے بہتر ہے گویا وہ درحقیقت جاہل ہی
نہیں اور جو شخص علوم ظاہرہ کا ماہر ہو لیکن اپنے حال اور اپنے نفس سے راضی ہو اور اسکو پسند
کرتا ہو تو خواہ علمی دقائق کے انبار اسکے اندر ہوں لیکن اسکی صحبت مضر ہے اسلئے کہ جو ہر غفلت
اور معصیت کی جڑ ہو وہ اسکے اندر موجود ہے اور گو اسکا علم ظاہری بظاہر اسکو ظاہر شریعت کا پابند بنائے
ہوئے ہے لیکن اسکی حالت خطرناک ہے اور پھر کسی درجہ اطمینان نہیں ہے اور ضرور یہ مرض کبھی نہ کبھی
اپنا رنگ لائیگا بعید نہ رہیگا اور یہ اسکی صحبت میں رہیگا تو چونکہ صحبت کا اثر مسلمات میں سے
ہے اسلئے اسکے اندر بھی یہ مرض ضرور پیدا ہوگا کہ اپنی تفہیمات علمیہ اور اپنے حال کو پسند کریگا

مومن حقیقی کی جب مدح کی جاتی ہی تو وہ اللہ تعالیٰ سے اسپر شرماتا ہی کہ اُسکی ایسے وصف پر تعریف ہوتی ہے جسکا مشاہدہ اپنے نفس سے نہیں کرتا۔ ف اللہ تعالیٰ کے خاص بندوں کو چونکہ ہر دم اپنے مولیٰ الحقیقی کا دل سے استحضار رہتا ہی اور حق تعالیٰ کا جلال و عظمت اور صفات کمال و جمال پیش نظر ہوتی ہیں اور تمام صفات و کمال سے اُسکو ہی موصوف دیکھتا ہے اور اپنا وجود اور اپنے اوصاف اُسکی نظر میں مطلق نہیں رہتے بلکہ اپنے آپ کو نقص در نقص اور معدوم محض دیکھتا ہے تو اگر کوئی اُس کی مدح کرتا ہی تو وہ اس بات سے اللہ تعالیٰ سے بہت شرماتا اور عرق عرق ہوجاتا ہی کہ میری تعریف ایسے وصف پر ہوتی ہی جو میرے نفس کے اندر نہیں ہی اور ایک لاشئے محض کی ایسے جلیل القدر کے دربار میں تعریف کی جاتی ہی اور جو غافل ہی وہ تعریف سے اتراتا ہی اور سمجھتا ہے کہ میرے اندر ضرور کچھ کمال ہے جو یہ لوگ مجھکو سراہتے ہیں۔

سب سے زیادہ جاہل وہ شخص ہی جو اپنی نسبت لوگوں کے خیالی اوصاف گمان کرنے پر اپنے یقینی عیوب کا خیال چھوڑ دے۔ ف لوگ جو کسی کی مدح کرتے ہیں تو اپنے گمان نیک کی بنا پر کیا کرتے ہیں آثار و احوال و افعال سے استدلال کر کے صفات ثابت کرتے ہیں مثلاً کسی کو دیکھا کہ نماز بہت خشوع کر کے پڑھتا ہی تو اُسکو بزرگ جاننے لگتے ہیں اگرچہ اُسمیں بزرگی کے تمام اوصاف جمع نہ ہوں اور اگرچہ نماز اُسکی وساوس شیطانیہ و نفسانیہ سے پُر ہو تو جو شخص لوگوں کے ان خیالی اوصاف کے گمان اور مدح سے خوش ہو اور اپنے اندر جو یقینی عیب ہیں ان کو پیش نظر نہ رکھے وہ سب سے زیادہ جاہل ہی اور ایسی مثال ہے جیسے کوئی کسی کے ساتھ تمسخر کرے اور کہے کہ جناب آپکے پیٹ مبارک سے جو نجاست نکلتی ہے اُسمیں سے مشک کی خوشبو آتی ہی اور وہ احمق خوش ہو اور اُسکو سچ جانے تو عیوب باطنی کی بو تو واللہ گندگی سے بھی زیادہ بدبو دار ہے اسپر کیا خوش ہو بلکہ اسپر تو رنج ہونا چاہئیے۔

جب تیرا مولیٰ تیری ایسی تعریف میں خلقت کی زبان کو گویا کر دے جسکے تو لائق نہیں ہی تو تو اپنے مولیٰ کی تعریف میں جو اُسکے لائق ہے تر زبان ہو۔ ف اللہ تعالیٰ اگر تیری تعریف خلقت سے کرا دیں اور مخلوق کی زبان کو اسمیں گویا فرما دیں اور تو اُس تعریف کے لائق نہیں ہی تو تجھکو یہ چاہیئے

تجھ پر طرق بندگی کے ملتبس و مشتبہ ہو جانیکا خوف نہیں ہے ہاں صرف حب نفسانی کے غلبہ کا تجھ پر اندیشہ ہے **ف** بندگی کے طرق وہ ہیں جو ہر حال میں بندہ کے لئے حکم الٰہی ہے مثلاً اگر نعمت ہو تو شکر واجب ہے اگر مصیبت ہو تو صبر ضروری ہے معصیت اگر ہو جائے تو استغفار و ندامت چاہیئے شیخ فرماتے ہیں کہ بندگی کے طریقے تجھ پر پوشیدہ ہو جانیکا زیادہ خوف نہیں ہے اسلئے کہ قرآن شریف اور احادیث اور کتب فقہ میں یہ طریقے بہت کھول کر بیان کر دیئے گئے اور اُسکے بعد علماء نے اور زیادہ سہل کر کے ہر زبان میں چھوٹے بڑے رسالے اور کتابیں لکھدیں ہیں تو اب یہ اندیشہ اُٹھ گیا کہ احکام الٰہی کسی پر چھپے رہیں بڑا خوف تو اس بات کا ہے کہ کسی حکم الٰہی کی تعمیل کے وقت تجھ پر خواہش نفسانی غالب ہو اور وہ تجھکو اللہ و رسول کے احکام پر چلنے سے روکدے اور کسی معصیت میں ڈالدے مثلاً کوئی نعمت تجھکو ملی اور تو اترا جاوے اور منعم حقیقی کو فراموش کر دے یا کوئی مصیبت آپڑی اور نفس غالب ہوا تو اسمیں خلاف شریعت کوئی کام کر بیٹھے علی ہذا اور احوال پس مہتم بالشان اور قابل فکر اس کا علاج ہے کہ جو حال بھی مولی حقیقی کی طرف سے پیش آوے اس میں مطیع اور فرمانبردار بنا رہے اور اس نفس سرکش کی سرکشی کو اُبھرنے نہ دے۔

لوگ بسبب اون اوصاف حمیدہ کے جو تجھ میں گمان کرتے ہیں تیری توصیف کرتے ہیں تو بسبب اُن بری خصلتوں کے جو اپنے اندر جانتا ہے اپنے نفس کی مذمت کر **ف** لوگوں کی مدح کسی صفت کے ساتھ انسان کو بہت دہوکہ میں ڈالتی ہے اور عُجب میں انسان مبتلا ہو کر اپنی اصلیت کو بھول جاتا ہے اسلیئے ارشاد فرماتے ہیں کہ لوگ تیرے اندر اوصاف حمیدہ گمان کر کے تیری مدح کرتے ہیں اور واقع کی ان کو خبر نہیں کہ وہ اوصاف جمیلہ تیرے اندر ہیں یا نہیں صرف اپنے گمان کی بنا پر تیری مدح کرتے ہیں تو اگر تُو عاقل ہے تو اُن کی مدح سے دہوکہ میں مت آ اور سمجھ لے کہ یہ انکا گمان ہے خدا جانے جھوٹا ہے یا سچا اور تو اپنے اُن عیوب باطنی اور بُری خصلتوں کی وجہ سے کہ جنکا تجھکو علم یقینی ہے اور ان عیوب کے دلائل اور تجربہ اور مشاہدہ بھی تجھکو ہے اپنے نفس کی مذمت کر اسلیئے کہ ان عیوب کا ہونا تو یقینی اور اُن اوصاف کا ہونا محتمل ہے۔

جب تجھ پر دو امر مشتبہ ہوجائیں کہ کون اولیٰ ہے انمیں نفس پر جو زیادہ شاق ہو اسکو دیکھ اور اسکی
پیروی کر کیونکہ نفس پر وہی شاق ہوتا ہے جو حق ہوتا ہے **ف** دو کام مستحب یا جائز ہیں ان میں سے
ایک کو اختیار کرنا چاہتا ہے مثلاً نوافل پڑھنا اور درود شریف پڑھنا یہ دو کام ہیں ان میں سے ایک
کو اختیار کرنا چاہتا ہے اور اسمیں تردد ہے کہ میرے لئے کونسا انمیں سے کرنا بہتر ہے تو یہ دیکھنا
اور غور کرنا چاہیئے کہ ان میں سے نفس پر کونسی بات زیادہ شاق اور گراں ہے جو زیادہ گراں ہو اسکو اختیار
کرنا چاہیئے اسلئے کہ نفس پر وہی امر شاق ہوتا ہے جو اس شخص کے لیے زیادہ بہتر اور نافع ہوتا ہے
اسلئے کہ نفس جہل پر مخلوق ہوا ہے یہ ہمیشہ اپنے مزوں کا طالب ہے اور نافع بات سے بھاگتا ہے۔

مومن کو اللہ تعالےٰ کی حمد وثنا اپنے نفس کی شکر گزاری اور تعظیم وتکریم سے روک دیتی
ہے اور اللہ تعالےٰ کے حقوق کی بجاآوری کا خیال اپنے حظوظ نفسانی کی یاد داشت سے
باز رکھتا ہے۔

ف اپنے نفس کی شکر گزاری اور تعظیم وتکریم یہ ہے کہ عمدہ
خصال اور احوال محمودہ اور طاعت وعبادت جو اس بندہ سے محض اللہ تعالیٰ کے فضل
سے ظاہر ہوتے ہیں ان کو اپنے نفس کی طرف نسبت کرے اور جو حقیقی خالق وفاعل ہے اوسکی
طرف سے مشاہدہ نہ کرے تو یہ کام مومن کامل کا نہیں ہے مومن کامل وہ ہے جو ان افعال واحوال
کے صدور پر اپنے مولیٰ کی حمد وثنا کرے اسلئے کہ بندہ کے تمام افعال کا خالق تو اللہ تعالیٰ ہی ہے یہ بندہ
تو محض ان افعال کا جائے ظہور ہے پھر نفس کی طرف نسبت کیسی اور وہ حمد وثنا اسکو اتنی مہلت
نہ دے کہ ان افعال کو کسی درجہ میں بھی اپنے نفس کا فعل دیکھے بلکہ ہر آن خالق کی حمد وثنا میں محو ہو
اور اللہ تعالیٰ کے حقوق کی بجاآوری ہی اسکو پیش نظر ہو اور اپنے نفس کے مزہ کی طرف بالکل التفات
نہ ہو یعنی عبادات اور طاعت کے ادا کرنے میں قلب کا منظور نظر بجاآوری احکام ہو جنت کی طمع
یا دوزخ سے نجات یا طاعت کی حلاوت اسکا مقصود اور ملتفت الیہ نہ ہو اور اگر یہ چیزیں نظر ہوئیں
تو بندہ کی ادا بندگی نہیں ہے وہ مخلص نہیں ہے غلام کا کام تو غلامی ہے نہ کہ اپنا مزہ یا اپنا کوئی مطلب وغرض

کہ اپنے مولی کی تعریف جو اُسکی ذات پاک کے لائق ہے کر اور اسمیں اپنی زبان کو تر کر اُن بیچ کرنے والوں کی تعریف نہ کر اسلئے کہ اُس ذات پاک کی پردہ پوشی ہی کہ تیرے عیوب کو لوگوں کی آنکھوں سے پوشیدہ کردیا اور ان بیچ سرا لوگوں کی باتوں سے دہوکہ مت کہا۔

معصیت میں حظ نفس ظاہر کھلا ہے اور طاعت میں حظ نفس پنہانی اور پوشیدہ ہے اور جو

بیماری پنہانی اور مخفی ہے اسکا علاج سخت ہی **ف** نفس جبتک مطمئنہ نہ ہو وہ ہر بات میں خواہ وہ طاعت ہو یا معصیت اپنا حصہ لگا لیتا ہی معصیت میں بالکل ظاہر ہے کہ سرتا سر نفس کو مزہ آتا ہی اور باوجود وعید اور عذاب الٰہی کی خبر صادق کے جو معصیت کرتا ہی وہ اس مزہ ہی کے سبب سے کرتا ہی لیکن طاعت میں بھی وہ اپنے مزہ اور حصہ لگانے سے باز نہیں آتا لیکن اسکا سمجھنا بہت دشوار ہی اور ظاہر نظر میں اسکو سنکر ہر شخص یہ جانتا ہی کہ طاعت میں نفس کا حصہ کہاں ہی طاعت تو نفس پر بھاری اور ثقیل ہے اور اُسکی مرضی کے بالکل خلاف ہی تو اُسکو خوب سمجھ لینا چاہیے کہ باوجود گرانی کے بھی نفس کا مزہ اسمیں موجود ہی بعض کے اندر تو ریا اور حب شہرت ہی کہ نفس لوگوں کے نزدیک نیک بننے کے لئے طاعت کرتا ہی گو کچھ اخلاص بھی اُسمیں ہو لیکن نفس کی آمیزش بھی ہے اور بعض کو اس طرح سے کہ عبادت کے اندر جو حلاوت اور مزہ رکھا گیا ہے اور وہ کسی کو کچھ حاصل ہونے لگا تو اُسی کو مقصود اصلی نفس نے سمجھ لیا اور اُسی کے درپے ہوگیا اسکی علامت یہ ہی کہ جس عبادت کی نوع میں نفس کو مزہ آتا ہے اُسی کی طرف زیادہ دوڑے گا اور دوسری عبادت اگرچہ وہ واجب ہو اُس سے بھاگے گا اس لئے کہ اسمیں وہ مزہ نہیں مثلاً ایک شخص نوافل بہت پڑہتا ہی اور وہ زکوٰۃ ادا نہیں کرتا تو نوافل میں اُسکو حظ آتا اور زکوٰۃ کو بالکل ادا نہ کرنا یہ اس بات کی علامت ہی کہ نوافل میں حظ نفس ہی اور اس شخص کا نفس حظ کا طالب ہے خدا تعالیٰ کی مرضی کا طالب نہیں اگر رضا کا طالب ہوتا تو زکوٰۃ ترک نہ کرتا پس معلوم ہوا کہ طاعت میں نفس کا حظ موجود ہے اور وہ بہت مخفی ہے کہ اہل البصیرت اُسکو سمجھ سکتا ہی اور جو مرض پوشیدہ ہو اُسکا علاج سخت ہی اسلئے کہ علاج تو جب ہو جب وقت مرض کا علم ہو اور جب مرض کا علم نہ ہو بلکہ مرض کو صحت سمجھے تو علاج کیسے ہو۔

محو ہو جاتے اسلئے کہ حق تعالیٰ بندوں کے انکے نفوس سے بھی قریب تر ہے چنانچہ ارشاد ہی ونحن اقرب الیہ من حبل الورید یعنے ہم انسان سے رگ جان سے بھی زیادہ قریب ہیں پس بُعد جو کچھ ہے وہ نفس کا ہے اُسکو ہی مٹاتا اور مغلوب کرتا ہے۔

بارہواں باب اُمید و بیم میں میانہ روی اختیار کرنے کے بیان میں

لغزش اور معصیت صادر ہونے کی وقت عفو کی اُمید میں نقصان کا ہونا اپنے اعمال پسندیدہ پر اعتماد کی علامت ہو ف جاننا چاہیئے کہ عارفین کا اعتماد ہر امر میں اللہ تعالیٰ کی ذات پر ہوتا ہے اور سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کسی پر نہیں ہوتا ہی کہ اپنے احوال اور علوم اور اعمال نیک کہیں پر اعتماد نہیں ہوتا انکی نظر ہر وقت اور ہر امر میں اپنے رب کی طرف ہوتی ہے پس ان حضرات سے اگر کوئی طاعت و عمل نیک ہوتا ہے تو یہ عمل اُن کی اُمید کے اندر بیشی نہیں کرتا کہ اسکی وجہ سے اُن کو یہ خیال ہو کہ اس عمل کی وجہ سے ہمارے درجات میں زیادتی ہوگی اور اگر کوئی لغزش یا گناہ اُن سے ہو جاتا ہے تو یہ اُن کی اُمید میں کمی نہیں آنے دیتا برابر اُمید وار رحمت کے رہتے ہیں اسلئے کہ اپنے اعمال کی طرف تو اُن کی نظر ہی نہیں خواہ عمل نیک ہو یا بد اور جو لوگ عارف نہیں ہیں وہ چونکہ اپنے نفس کے اوپر معتمد ہیں اسلئے نیک عمل کرکے اُن کی اُمید بڑھتی ہے اور خوش ہوتے ہیں کہ اب ہم لائق مغفرت و رحمت کے ہوگئے اور گناہ کرنے کے بعد اُن کی اُمید رحمت کی کم ہو جاتی ہے اسلئے کہ چونکہ اپنے نفس اور اُسکے اعمال کی طرف نظر ہے تو اُس گناہ کو رحمت کے اندر دخیل جانتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ یہ رحمت کو روکنے والا ہے حالانکہ فی الامر یہ ہے کہ بندہ کا عمل نہ مغفرت اور رحمت کرانے والا ہے اور نہ مغفرت کو روکنے والا ہے جسکی مغفرت ہوگی رحمت سے ہوگی لیکن یہ معلوم کرکے نیک عمل کو ترک کرنا اور اعمال بد کو اختیار کرنا حماقت اور جہالت ہے اعمال صالحہ مامور بہا اور اعمال طالحہ منہی عنہا ہیں لیکن مدار کار انپر نہیں ہے مدار محض رحمت پر ہے پس شیخ رحمہ فرماتے ہیں کہ لغزش صادر ہونے کے وقت رحمت کی اُمید میں کمی آجانا یہ علامت اسکی ہے کہ اس شخص کے نفس میں ابھی اسقدر روگ ہے کہ اُسکو اپنے عمل پر اعتماد ہے

اگر نفوس کی خواہشات اور شہوات کے میدان اور اُن کی عادات و مالوفات کے جولانگاہ نہ ہوتے تو خداوند عالم کی بارگاہ عالی کی طرف چلنے والوں کی سیر و سلوک ہی نہ ہوتا کیونکہ اُس بیچوں و بیچگوں تعالیٰ شانہ کے اور تیرے درمیان میں حسی مسافت نہیں ہے جو تیرے سفر سے طے ہو جائے اور اُسکے اور تیرے فیما بین جدائی نہیں ہے جو تیرے وصل سے محو ہو جائے۔

ف سیر اور سلوک کے معنے لغت میں رستہ چلنے کے ہیں اور اصطلاح صوفیہ میں سیر الی اللہ اور سلوک کے معنے یہ ہیں کہ نفس کی خواہشوں اور طبعی مقتضیات کے غلبہ کو مجاہدہ و ریاضت و طاعات و ذکر اللہ سے اتنا مغلوب و مضمحل کرنا کہ اللہ و رسول کے احکام کے مقابلہ میں وہ اُبھرنے نہ پاویں اور قلب حق تعالیٰ کی یاد میں مشغول اور اُسکی طاعت میں سرگرم رہے اور احکام شرعیہ اُسکے لئے طبیعت بن جاویں اسی کا نام سلوک ہے اور یہی وصل ہے اور یہی خدا تعالیٰ تک پہونچنا ہے اب شیخ کے ارشاد کو سمجھو فرماتے ہیں کہ اگر نفوس کی خواہشات اور شہوات اور نفس کی عادات اور مالوف چیزوں کے میدان نہ ہوتے (میدان ان خواہشات وغیرہ کو اسلئے فرمایا کہ نفس ان خواہشات میں دوڑا دوڑا پھرتا ہے) یعنی یہ خواہشات نفسانیہ انسان کے اندر نہ ہوتیں تو سالکین کا اللہ تعالیٰ کی طرف چلنا اور خدا تعالیٰ کے رستہ کو قطع کرنا ہی نہ ہوتا اسلئے کہ سلوک اور سیر الی اللہ کا حاصل ہی یہ ہے کہ نفس کی خواہشات کو حکم الٰہی کے تحت میں رکھنے کیلئے مجاہدہ ریاضت کرنا اور جب یہ خواہشات کا میدان نہ ہوتا تو سلوک اور سیر الی اللہ کا بھی وجود نہ ہوتا اسلئے کہ سلوک اور سیر جسکے معنے رستہ چلنے کے ہیں وہ تو یہاں مراد ہو ہی نہیں سکتے یہ معنے تو جب ہوں جبکہ خدا اور بندہ کے درمیان کوئی مسافت اور رستہ ہوا اور وہ رستہ بندہ کے چلنے اور سفر کرنے سے طے ہوتا ہوا اور مسافت یہاں نہیں اسلئے کہ مسافت تو اجسام اور محسوسات کے درمیان میں ہوتی ہے اور حق تعالیٰ شانہ کی ذات عالی اس سے پاک ہے اور نیز اللہ تعالیٰ سے وصل کے معنی بھی یہی ہیں کہ اپنے نفس کے دعوے اور خواہشیں مغلوب کر دی جاویں اور اگر یہ معنے نہ لئے جاویں تو خدا تعالیٰ اور مخلوق کے درمیان کوئی جدائی نہیں اگر جدائی حسی ہوتی اور سالک رستہ طے کر کے اس جدائی کو اٹھا دیتا اور اس سے جا ملتا تو اس صورت میں وصل کے اصلی معنے کا تحقق ہوتا اور یہاں جدائی حسی ہی نہیں جو وصل سے

کرونگی اسلیے کہ منشا اور محرک اُسکے بولنے کا اُسکا اپنے آپ کو صالح سمجھنا اور شیخ فنا و نصیحت سے خود موصوف جانتا تھا جب وہ نہ رہا تو زبان نہ چلے گی اور یہ اُس شخص کا حال ہے جسکی نظر اپنے نفس اور اپنے اعمال کی طرف ہو عارف کا یہ حال نہیں اسکا حال یہ ہے کہ اپنے علوم و معارف کو اپنے مولی حقیقی کے فضل سے مشاہدہ کریگا اور اپنے نفس کی طرف کسی درجہ میں بھی نسبت نہ کریگا بلکہ ذوقی طور سے اُسپر یہ حال ہوگا کہ میری مثال بالکل منادی کرنے والے کی ہے کہ بادشاہ کا یہ حکم ہے تو اگر اس شخص سے کوئی گناہ بھی ہوگا تو وہ گناہ اُسکی زبان کو بند نہ کریگا بلکہ اُسی بشاشت اور نشاط سے بولے گا جیسا کہ اس گناہ سے پہلے بولتا تھا اسلئے کہ اسکے بولنے کا محرک اسکا اپنے کو صالح اور نیک مشاہدہ کرنا نہ تھا بلکہ اسکے کلام کا منشا حق تعالیٰ کے فضل اور احسان کا مشاہدہ تھا کہ یہ اُسکا فضل ہے کہ مجھ نالایق اور لاشئے محض پر یہ علوم القا فرمائے اور فضل و احسان کا دریا ہر وقت جاری ہے اسلئے اسکی کلام بھی کسی وقت بند نہ ہوگی۔

جب تو یہ چاہے کہ اُمید کا دروازہ تیرے لئے مفتوح ہو تو اپنی طرف اپنے مولیٰ حقیقی تعالیٰ شانہ کے احسانات کا مشاہدہ کر اور جب چاہے کہ خوف کا دروازہ تجھ پر کھلے تو جو کچھ تجھ سے نافرمانیاں اور بے ادبیاں اُسکی جناب میں صادر ہوئی ہیں اُن کا مشاہدہ کرے۔ **ف** جاننا چاہیئے کہ سالک کو اپنے نفس کی جنایت اور اسکی برائیاں اور معاصی جو اُس سے صادر ہوئے ہیں پیش نظر ہوتے ہیں تو قلب اس سے بہت منقبض اور پریشان ہوتا ہے اور بعض اوقات نا اُمیدی اور یاس قلب پر غالب ہو جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی رحمت سے نا امیدی اور مایوس ہو جانا کفر ہے اور نیز بعض اوقات مایوسی زیادہ ہوتی ہے تو نماز روزہ وغیرہ سب چھوٹ جاتا ہے اسلئے ضرورت اسکی ہوتی ہے کہ اُمید کا پہلو غالب ہو تو اُسوقت اس سالک کو چاہیئے کہ ہوش سنبھالنے سے لیکر اب تک جو اسپر حق تعالیٰ کے ظاہری اور باطنی احسانات ہیں یاد کرے اور قلب کے پیش نظر کرے اور سمجھے کہ اگر حق تعالیٰ کو مجھے بالکل ہلاک اور ضائع کرنا منظور ہوتا تو میرے حال پر ایسے الطاف کیوں ہوتے دیر تک اسکا مراقبہ کرے اُمید یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے اُمید کا دروازہ اسپر کھلیگا اور مایوسی کی کیفیت جو طاری ہوگئی تھی وہ جاتی رہے گی۔ اور بعض مرتبہ اسکے برعکس

چاہیئے کہ آگے بڑھے اور اپنے اعمال کو نظر قلب سے ساقط کرے اور اُمید و اعتماد اللہ کی رحمت پر رکھے لیکن اس مضمون سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ گناہ کے بعد ندامت و استغفار بھی نہ چاہئے ندامت و استغفار تو ضروری ہے اور مومن ضرور کرے گا مگر اسکے ساتھ ہی اُسکو مایوسی رحمت سے نہ ہوگی اور اُمید کی صفت اُسکی برقرار رہے گی۔

اگر تجھکو تیرے نفس کی طرف لوٹا دیا تو تیری مذمتوں کی نہایت نہیں اور اگر اپنا جود و کرم تجھپر ظاہر فرمایا تو تیری خوبیوں کی کوئی انتہا نہیں۔ **ف** نفس کی پیدایش بدی اور شرارت پر ہے اور جو کچھ نیک عمل اس سے ہو جاتا ہے وہ حق تعالیٰ کا فضل اور احسان ہے پس اگر حق تعالیٰ نے تجھکو تیرے نفس کی طرف لوٹا دیا یعنی تجھکو تیرے نفس پر چھوڑ دیا اور فضل و توفیق کو روک لیا تو پھر تیری بُرائیوں کی کوئی انتہا نہیں اسلئے کہ نفس تو تمام بُرائیوں اور شرارتوں کا مجموعہ ہے جب توفیق آلہی اسکی رہبر نہ ہوتی تو اس سے بجز برائیوں کے کچھ بھی نہ ہوگا اور اگر حق تعالیٰ نے اپنا جود و کرم تجھپر ظاہر فرمایا تو اُسکے جود و کرم کی تو کوئی انتہا نہیں تو تیری خوبیوں کی بھی کوئی نہایت نہ ہوگی غرض یہ ہے کہ نفس کی خرابیوں سے نجات بدون التجا و توجہ الی اللہ کے ممکن نہیں ہے پس اگر بندہ سے نیک اعمال صادر ہوں تو ان کو محض حق تعالیٰ کے فضل و کرم سے مشاہدہ کرے اپنے نفس کی طرف نسبت نہ کرے اور اگر گناہ و شرارت ہو تو اپنے نفس سے جانے۔

جس نے اپنے کلام کو اپنی نیکو کاری کا نتیجہ ملاحظہ کر کے کلام کیا اُسکی بدکرداری اُسکو (حیا و خجالت سے) ساکت کر دے گی اور جس نے احسان مولیٰ حقیقی تعالیٰ شانہ مشاہدہ کر کے کلام کیا معصیت اُسکی زبان بند نہ کرے گی **ف** جو شخص مریدین اور دیگر عوام کو وعظ و نصیحت کرے یا حقیقت و معرفت کی باتیں بتلاوے اور اُسکے قلب کی نظر اُسپر ہو کہ یہ علوم و معارف جو میرے قلب میں آ رہے ہیں یہ میرے اعمال صالحہ کا نتیجہ ہے اور میں جو دوسروں کو نیک باتیں بتلاتا ہوں میرے اندر یہ موجود ہیں تو اس شخص سے اگر کوئی گناہ اور بدکرداری صادر ہوگی تو اسپر حیا کا غلبہ ہوگا کہ میں دوسروں کو کس منہ سے بتلاؤں جب خود ہی مبتلائے معاصی ہوں اور اسکی زبان کو بند

گمان نیک بلکہ یقین کامل بھلائی کا رکھنا چاہئے) تو تو اپنے ساتھ اُسکے معاملہ کو غور کر کہ تیرے ساتھ
اُسکا برتاؤ اب تک کیا رہا ہے کیا تو اُسکے بے انتہا احسانات کا خوگر نہیں ہے کہ تجھکو پیدا کیا کان
ہاتھ ناک پاؤں آنکھ قسم قسم کی نعمتیں عطا فرمائیں اور ہر وقت نعمتوں میں غرق ہے اور کیا انعامات
کے سوا کچھ اور بھی تو دیکھا ہے ہر آن میں انعامات ہی برس رہے اور پڑ رہے ہیں تو یہ معاملہ اور برتاؤ بھی
اسکو چاہتا ہے کہ آئندہ بھی اسکے ساتھ تو حسن ظن رکھے۔ صفات کمال کی وجہ سے حسن ظن مولی
تعالی شانہ کے ساتھ ہونا یہ درجہ تو خاص لوگوں کا ہے اگر یہ کسی کو میسر نہ ہو تو حق تعالی کے انعامات
ہی کا مشاہدہ کرکے حسن ظن رکھے۔

جس نے اسکو غریب و دشوار جانا کہ مولی حقیقی تعالی شانہ اسکو اسکی شہوات نفسانیہ کے پنجہ سے
چھوڑا دے گا اور قید غفلت سے نکال دے گا تو اُس نے غیر متناہی قدرت الٰہی کو عاجز کیا و عیب لگایا اور
اللہ ہر شے پر قدرت والا ہے **ف** لوگ دنیا کے دھندوں اور مشاغل میں مبتلا ہیں اور مولی تعالی شانہ
کی یاد سے غافل ہیں ان کو کبھی کبھی اللہ والوں کو دیکھکر جوش اور شوق ہوتا ہے کہ ہم بھی اللہ تعالی کی یاد میں
لگیں اور یکسو ہوکر دنیا سے یکطرف کریں لیکن نفس فوراً راہ مارتا ہے اور کہتا ہے کہ صلاحیت یہ دھندے کیسے
چھوٹ سکتے ہیں اور ہماری کہاں قسمت ہے کہ ہم ایسے ہو جاویں ہم تو بری طرح پھنسے ہوئے ہیں یا بعض
ذاکر شاغل لوگ باوجود ذکر و شغل اور مجاہدہ و ریاضت کے اپنے نفس کی شہوات کو ویسا ہی دیکھتے ہیں جیسے
پہلے تھیں تو ان کو وسوسہ ہوتا ہے کہ بس بس ہماری یہ شہوات مغلوب نہ ہونگی ہمارے نفس کا درست ہونا اور
صلاحیت پر آنا بہت دشوار ہے یا وہ لوگ جنکے قلوب میں ذکر اللہ نے اثر تو کیا ہے لیکن اُسکو رسوخ اور
پختگی نہیں کبھی غفلت ہو جاتی ہے کبھی کیفیت ذکر کی طاری ہو جاتی ہے سالہا سال ہوگئے لیکن استقامت
نصیب نہیں ہوئی ان کو خیال ہوتا ہے کہ بس ہم ایسے ہی رہیں گے اور ہماری غفلت کا جانا دشوار ہے
تو ایسے لوگوں کی نسبت شیخ ارشاد فرماتے ہیں کہ جس نے یہ بات دشوار و عجیب جانی کہ تعالی حقیقی اسکو
اُسکی شہوات نفسانیہ کے پنجہ سے چھڑا دے گا اور قید غفلت سے نکال دے گا تو اُس نے اللہ تعالی
کی قدرت غیر متناہی کو گویا عجز کا دھبہ لگایا اور گویا زبان حال سے یہ ظاہر کر رہا ہے کہ اللہ تعالی ہر شے

کیفیت یہ ہوتی ہے کہ اپنے نیک اعمال مشاہدہ کرکے عجب اور فرح پیدا ہوتا ہے اور جو وقت اپنی نافرمانیاں اور معاصی اور حق تعالیٰ کی جناب میں جو بے ادبیاں ہوئیں ہیں ان کو پیش نظر کرے تو خوف پیدا ہوجائیگا غرض قلب پر نہ یاس کو غلبہ ہوئے اور نہ امید اتنی بڑھ جائے کہ نڈر ہوجائے۔ توسط اختیار کرے۔

سچی رجا اور امید وہ ہے جو اعمال پسندیدہ کے ساتھ ہو ورنہ امنیہ (جھوٹی امید) ہے **ف** اللہ تعالیٰ سے امیدوار رحمت کے ہونے کی صفت اعلیٰ اور سچی وہ ہے جسکے ساتھ اعمال صالحہ ہوں یعنی جس شخص کو اعمال صالحہ کے محرک ہو اسلئے کہ جو شخص کسی چیز کی امید رکھتا ہے اسکے اسباب کے حاصل کرنے میں پوری کوشش کرتا ہے دیکھو جو شخص کھیتی کاٹنے کی امید کرے وہ بونے جوتنے پانی دینے میں پوری کوشش کرلیتا ہے اسوقت امید کرنا اسکا صحیح اور سچا ہوتا ہے اسیطرح جو رحمت اور مغفرت وجنت کی امید کرے تو یہ امید صحیح اور سچی اسوقت ہوگی جبکہ رحمت اور جنت کے جو اسباب عادتاً حق تعالیٰ نے مقرر فرمائے ہیں یعنی اعمال صالحہ اور معاصی سے باز رہنا ان میں پوری کوشش اپنی مقدور بھر خرچ کرے اور اگر اعمال صالحہ نہیں کرتا ہے اور خلاف شریعت کام کرتا ہے تو اسکی امید صحیح نہیں اور اسکو امید کہنا غلط ہے بلکہ یہ تمنا ہے جیسے کوئی شخص موسم زراعت میں نہ زمین میں ہل پھراوے یا نہ پانی دے نہ بیج ڈالے اور کھیتی کاٹنے کی تمنا رکھے۔

اگر تجھکو اپنے مولیٰ حقیقی تعالیٰ شانہ کی نسبت بوجہ اسکی صفات کمالیہ کے حسن ظن نہیں ہے (جو خاصان بارگاہ کے لئے حاصل ہے) تو تو اپنے ساتھ اسکے حسن معاملہ ہی کے سبب سے اسکی نسبت حسن ظن پیدا کر کیا تجھکو اس نے اپنے احسانات کا خوگر نہیں بنایا اور کیا تیری طرف اسنے صرف اپنے انعامات نہیں بہیجے **ف** مومن وہ ہے کہ جو اپنے رب کے ساتھ نیک گمان رکھے کہ میرے ساتھ جو معاملہ ہوگا وہ عین حکمت اور مصلحت اور بہتری کا ہے گو مجھے طبعاً گوارا ہو یا ناگوار اور اسکی وجہ یہ ہے کہ حق تعالیٰ کی ذات پاک کے لئے تو سوائے کمالات اور صفات جمیلہ کے کوئی صفت نعوذ باللہ بری نہیں ہے تو وہاں سے جو کچھ بھی ظاہر ہوگا وہ عین مصلحت اور حکمت ہے پس اے بندہ اگر تجھکو اپنے مولیٰ حقیقی کے ساتھ اسکی صفات کمالیہ کی وجہ سے نیک گمان نہیں ہے (اگرچہ اسکے صفات کمال کا مقتضا تو یہ تھا کہ بلا وجہ اسکے ساتھ

چیزیں دل سے نکل جاتی ہیں۔ اسیواسطے شیخ نے خوف روکنے والا اور شوق بیقرار کرنے والا فرمایا مطلق خوف اور شوق نہیں فرمایا۔

جس عمل میں تونے لذت حضور نہیں پائی اُسکے قبول ہونے سے مایوس نہ ہو کیونکہ بسا اوقات جس

عمل کا تجھکو ثمرہ دنیاوی (لذت و حلاوت) عطا نہیں ہوا وہ بھی قبول ہوتا ہے **ف** حضور کامل یہ ہے کہ حق تعالیٰ کی عبادت میں بندہ کی حالت یہ ہو کہ گویا خدا کو دیکھ رہا ہے یعنی اُسکے تمام حواس اور اعضاء از سرتا پا متوجہ الی اللہ ہوں شیطانی اور نفسانی اغراض و اوہام و وساوس کا نام نہ ہو اور اس حضور کی لذت سر سے پا تک اوسپر طاری ہو اگر حق تعالیٰ کے فضل سے ایسی حضوری عبادت میں کسی کو نصیب ہو تو یہ اسبات کی علامت ہے کہ اسکا یہ عمل اللہ تعالیٰ کے دربار عالی میں مقبول ہے اور اگر کسی عمل میں ایسی لذت حضور کی نہ پاوے تو اُسکے قبول ہونے سے نا اُمید نہ ہونا چاہیئے اسلئے کہ حضوری کی لذت عمل کے مقبول ہونے کی محض علامت ہی شرط نہیں ہے تو اگر کسی شئے کی علامت موجود نہ ہو تو عقلاً یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ شئی بھی موجود نہ ہو اسلئے کہ بہت دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ تم کو کسی عمل کا ثمرہ دنیا میں عطا نہیں ہوتا یعنی اُسمیں لذت و حضور نہیں ہوتا اور وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں قبول ہوتا ہے اور دار آخرت میں اُسکا بدلہ ملتا ہے

تیرھواں باب دعا کے آداب کے بیان میں

باوجود گڑگڑانے کے دعا میں عطا کے وقت میں تاخیر کا ہونا تجھکو قبولیت دعا سے مایوس نہ کرے

کیونکہ وہ تیری اجابت کا کفیل اُس امر میں ہوا ہے جسکو وہ تیرے لئے پسند فرماتا ہے نہ جسکو تو اپنے لئے پسند کرتا ہے اور جسوقت وہ چاہتا ہے نہ جسوقت میں تو خواہش کرتا ہے **ف** بعض عوام کہا کرتے ہیں کہ ہم تو بہت دعا کرتے ہیں مگر قبول نہیں ہوتی اور بعض جو ذرا نیک کہلاتے ہیں ان کا خیال یہ ہے کہ ہم تو گنہگار ہیں ہماری دعا کیا قبول ہوتی گناہ کو مانع قبولیت دعا کا جانتے ہیں بعض ذاکر شاغل بھی اس وسوسہ میں مبتلا ہوتے ہیں کہ ہم برسوں سے ریاضت اور مجاہدہ کرتے ہیں لیکن ہماری حالت درست

پر قادر نہیں ہے حالانکہ وہ ہر شے پر قادر ہے او منجملہ اُسکے اسپر بھی قادر ہے کہ تم کو شہوات و غفلت کے پنجہ سے رہائی دے اور اپنی یاد کی چاشنی نصیب فرمادے اور اپنا بنالے پھر مایوسی کی کیا وجہ دیکھو بہت سے اولیاء اللہ ابتدائی حالت میں کیسے کیسے معاصی میں مبتلا رہتے ہیں پھر حق تعالیٰ کا فضل و کرم ہوا اور ان کو ایسے مراتب نصیب فرمائے کہ وہ مقتدا اور صاحب سلسلہ ہوگئے تو مایوسی کی کوئی وجہ نہیں ہے۔

شہوت نفسانیہ کو دل میں سے بجز روکنے والے خوف کے (جو مشاہدہ صفات جلال یا قیامت کے اہوال سے پیدا ہو) یا بیقرار کرنے والے شوق کے (جو صفات جمال اور جنت کی لذیذ نعمتوں کے مشاہدہ سے حاصل ہو) کوئی چیز نہیں نکال سکتی **ف** پہلے یہ مضمون آچکا ہے کہ کوئی شہوت نفسانی جب دل میں جم جاتی ہے تو یہ مرض بہت سخت ہے یہاں اُسکا معالجہ ارشاد فرماتے ہیں معالجے اسکے دو ہیں خوف اور شوق خوف یا تو قیامت کے ہولناک واقعات سے ہو یہ خوف کی عام لوگوں کے لئے ہے یا حق تعالیٰ کی صفات جلال جیسے اُسکا قہار و جبار و منتقم ہونا پیش نظر ہوں اور یہ قسم خوف کی خاص لوگوں کو ہوتی ہے اور تدبیر اس خوف کے حاصل ہونے کی یہ ہے کہ قیامت اور حشر و نشر و جہنم کے ہولناک واقعات اور معاصی کی سزاؤں کو سوچے اور فکر کیا کرے چند روز بعد ایک خوف قلب میں پیدا ہوگا اور رفتہ رفتہ قلب میں راسخ ہو کر شہوات کے غلبۂ محبت کو فنا کردے گا اور شوق یا جنت کی لذیذ نعمتوں کے پیش نظر ہونے سے ہو یہ شوق کی قسم ابرار اور نیک کار بندوں کو ہوتی ہے اور یا حق تعالیٰ کی صفات جمال جیسے اُسکا رحمٰن رحیم و ودود ہونا قلب کے سامنے ہونے سے پیدا ہوا و یہ شوق کی قسم اہل خصوصیت کا حصہ ہے لیکن یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ معمولی خوف اور معمولی شوق قلب سے شہوت کی جڑ کو نہیں اُکھاڑ سکتا اسلئے کہ جو شے زیادہ جم گئی ہو اُسکے زائل کرنے کے لئے بہت قوی سبب کی ضرورت ہے اسلئے خوف و شوق کا حال جب نہایت قوی ہوگا کہ قلب کو تمام طرف سے علیحدہ کرکے اپنے میں لگالے اُسوقت دوسری شے قلب سے نکلے گی اور یہ بہت ظاہر بات ہے دیکھو کسی چیز کا آدمی پر اگر خوف غالب ہوجاتا ہے یا کسی شے کا بے انتہا شوق ہوتا ہے تو سوائے اُسکے سب

ممکن ہے کہ جس چیز کا وعدہ کیا گیا ہے کہ فلاں ماہ یا فلاں تاریخ میں ایسا ہوگا اوسکے کچھ شرائط اور اسباب
ایسے ہوں کہ کسی مصلحت اور حکمت کے لیئے یا اس بندہ کے ابتلا اور امتحان کی غرض سے اس کو نہ
بتلائے گئے ہوں تو وہ وعدہ سچا ہے اسلیئے کہ مطلب اسکا یہ ہوا کہ فلاں شرط یا سبب اگر ہوگا تو یہ بات اُس
تاریخ میں واقع ہوگی اور وہ شرط پائی نہیں گئی اسلیئے وہ واقعہ نہ ہوا تو وعدہ کے سچے ہونے میں اُس شخص
کو شک نہ کرنا چاہیئے کہ یہ سخت بے ادبی ہے اور جہل وحماقت وکبر کی علامت ہے اور عقل کی آنکھ کو نابینا
کرنے والی ہے اسلیئے کہ وعدہ الٰہی میں تخلف نہیں ہوتا خود ارشاد ہو رہا ہے ان اللہ لا یخلف المیعاد
اور نیز اس گستاخی سے اندیشہ ہے کہ قلب کا نور اور دولت باطنی کا چراغ جو اسکو حاصل ہے بجھ جائے
بلکہ چاہیئے کہ ادب اور بندگی کی شان کو کسی وقت ہاتھ سے نہ دے اور تمام نقائص و شرور کو اپنی طرف
منسوب کرے اور اپنی بصیرت وسمجھ کو کوتاہ جانے اور شیخ کا ارشاد کشف والہام صحیح کے متعلق ہے
خیالات واوہام کا اعتبار نہیں۔

اپنے مولیٰ حقیقی تعالیٰ شانہ سے تیرے اُن اشیاء کے طلب کرنے میں جن کا وہ ضامن ہے اُسکی
نسبت نہ دینے کا اتہام ہے اور اُسکا قرب ومشاہدہ طلب کرنا یہ اس سے غائب ہونے کی علامت ہے،
اور اُسکے اغیار کا طلب کرنا خواہ وہ اغراض دنیاویہ ہوں یا احوال ومقامات، تیری بے حیائی کے
سبب ہے اور سوائے اپنے مالک حقیقی کے دوسرے سے تیرا طلب کرنا اُسکی بارگاہ عالی سے بُعد اور
دوری کی وجہ سے ہے **ف** چند امور ضروری اس مقام پر سمجھ لینا ضروری ہیں اول تو یہ کہ سالک ذاکر
شاغل کے لئے کہ جسکے قلب میں ذکر کا اثر کچھ سرایت کر گیا ہے بڑا مہتم بالشان کام بعد ادائے فرائض وواجبات
یہ ہے کہ ہر وقت اپنے قلب کی طرف مشغول رہے اور صوارف اور وساوس وخطرات کو قطع کرے اور حق تعالیٰ
کی ذات پاک کی طرف اپنے نقطۂ توجہ کو بالکلیہ مصروف رکھے یہانتک کہ یادداشت ملکہ راسخ ہو جاوے۔
دوسری یہ کہ تصوف ومعرفت کا خلاصہ ادب حضرت حق کا ہے اسیواسطے بزرگوں کا مقولہ ہے التصوف کلہ
ادب تیسرے یہ کہ جب تک سالک کے اندر سے شہوات نفسانیہ نہ جاویں اور فنا نفس نصیب نہ ہو
اُسکے سب اعمال خواہ دعا ہو یا نماز روزہ ہو نفس کی آمیزش سے خالی نہیں ہوتے اسی واسطے اُسکو بڑا اہم

نہیں ہوتی نفسانیت اسی طرح باقی ہو دل سے دعا بھی کرتے ہیں اور تمنا بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم کو علائق نفس سے خلاصی نصیب کرے اور کشود کار ہو جاوے لیکن نہیں ہوتی اس سے ان کو ایک قسم کی مایوسی ہوتی ہے شیخ رحمہ اللہ سبکا جواب ارشاد فرماتے ہیں کہ باوجود گڑگڑانے اور عجز و زاری سے دعا مانگنے کے جو وہ مراد نہیں ملتی تو اس سے تم دعا کے قبول ہونے سے ناامید نہ ہو جاؤ اسلئے کہ اللہ تعالیٰ نے جو دعا کی قبولیت کا وعدہ فرمایا ہے اسکے ساتھ یہ نہیں فرمایا کہ جو چیز تم مانگو گے وہ ہم تم کو دینگے اسلئے کہ ہماری عقل اور علم بہت ناکافی ہے بسا اوقات جو شے ہم طلب کرتے ہیں بعینہ اسکا دینا ہمارے لئے بہتر نہیں ہوتا اور حق تعالیٰ پھیر ماں سے زیادہ رحیم اور شفقت فرمانے والا ہے اور ہماری مصلحتوں کو ہم سے بہتر جانتا ہے اسلئے وہ شے نہیں دیتا دیکھو بچہ اگر مضر شے کی ضد کرے تو ماں ہرگز نہ دیگی اور اس سے بہتر شے جو اسکے لئے نافع ہوگی وہ دے گی تو یوں کہنا صحیح نہیں ہے کہ ماں نے بچہ کی درخواست کو رد کر دیا پس وعدہ کا مطلب یہ ہے کہ جو تمہاری لئے ہم پسند کریں اور ہمارے علم میں تمہارے لئے بہتر ہو وہ دینگے خواہ تو وہی شے دیں یا اس سے بہتر آخرت میں دیں یا دنیا ہی میں کسی بلا کو دفع کر دیں اور اسیطرح بعض اوقات وہ شے ملتی ہے لیکن دیر میں ملتی ہے اسکا بھی یہی سبب ہو کہ اسی وقت میں اگر وہ شے ملجاتے تو اس بندہ کے لئے دین یا دنیا کے لئے مضر ہوگا اسلئے تاخیر سے ملتی ہے قبولیت کا وعدہ اسوقت میں ہے جبکہ وہاں مصلحت ہو پس بندہ کو چاہیئے کہ اپنی عقل کو دخل نہ دے اور برابر اپنے مولیٰ سے مانگتا رہے اور قبولیت سے مایوس نہ ہو۔

موعود کا واقع نہ ہونا تجھکو (الہامی) وعدہ کے سچے ہونے میں اگرچہ اس وعدہ کے پورا ہونے کا وقت ہی مقرر کیوں نہ کیا گیا ہو شک پیدا نہ کرے ایسا نہ ہو کہ یہ شک تیری عقل کی آنکھ پھوڑ دے اور چراغ قلب کا نور بجھا دے۔ **ف** موعود وعدہ کی ہوئی شے اگر کسی اللہ کے بندہ سے خواب میں یا بذریعہ الہام کے یا کسی فرشتے کی زبانی حق تعالیٰ شانہ کی طرف سے کسی بات کا وعدہ کیا گیا ہو اور اگرچہ اس وعدہ کا وقت بھی مقرر کر دیا گیا ہو مثلاً یہ کہ فلاں تاریخ میں بارش ہوگی یا فلاں ماہ میں قحط جاتا رہے گا اور پھر اسوقت میں وہ بات پوری نہ ہوئی تو اس سے اس وعدے کے سچے ہونے میں شک نہ کرنا چاہیئے۔

پس ان کی طلب للہ اور باللہ ہوتی ہے ۔

اے سالک اپنی ہمت کو اپنے مولیٰ کریم کے غیر کی طرف نہ پہنچا کیونکہ کریم سے امیدیں تجاوز نہیں کرتیں۔

ف عالی ہمت شخص اپنی حاجات کو کریم پر پیش کیا کرتا ہے اور جو دنی الہمت اور پست حوصلہ ہے اس کے پاس نہیں جاتا اور کریم حقیقی سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی نہیں ہے اسلئے کہ کریم اسکو کہتے ہیں کہ جب مجرم پر اسکو قدرت حاصل ہو معاف کر دے اور جب وعدہ کرے پورا کرے اور جب دے تو امید سے زیادہ دے اور اسکی کچھ پروا نہ کرے کہ کتنا دیا اور یہ کہ کس کو دیا اور جو اسکی پناہ میں آوے اسکو ضائع نہ کرے اور وسائل اور سفارشیوں کی اسکے یہاں ضرورت نہ ہو اور یہ صفات کاملہ بجز سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی میں نہیں ہیں تو اسیلئے فرماتے ہیں کہ اے سالک اپنی ہمت کو اپنی حاجتیں رفع کرنے کے واسطے اپنے مولیٰ کریم کے سوا دوسرے کی طرف مت بڑھا اسلئے کہ حق تعالیٰ کے سوا کوئی کریم نہیں اسکے سامنے سب دنی الہمت اور پست حوصلہ ہیں تو امیدیں اسی سے وابستہ رکھنا چاہیئے اس سے گزر کر دوسرے کی طرف ہاتھ نہ پھیلا تو اس مقام پر یہ امر سمجھ لینا چاہیئے کہ مخلوق سے اپنی حاجت کا طلب کرنا اگر اس طور سے ہو کہ ان پر اعتماد ہو اور حق تعالیٰ سے غفلت ہو تو یہ شان بندگی کے خلاف ہے اور اگر اسطور سے ہو کہ ان کو محض اسباب ظاہرہ اور وسائط مجازی جانے اور اعتماد قلب کا حق تعالیٰ ہی پر ہو تو یہ طلب بندگی کے خلاف نہیں ہے ۔

اپنی ایسی حاجت جسکو تیرے مولیٰ نے تجھ پر ڈالی ہے اسکے غیر کے پاس نہ لے جا کیونکہ اسکی رکھی ہوئی حاجت غیر کیونکر اٹھا سکتا ہے بھلا جو اپنی حاجت رفع نہیں کر سکتا وہ دوسرے کی حاجت کیونکر رفع کر سکتا ہے ف اے سالک تجھ پر اللہ تعالیٰ جو حادثہ یا حاجت نازل فرمائے تو اسکے دور ہونے کے واسطے اسی کی بارگاہ عالی میں رجوع کر دوسرے کے پاس اس حاجت کو مت لیجا اس لئے کہ جو حاجت یا حادثہ اس نے تجھ پر ڈالا ہے اسکو کوئی دوسرا کیسے اٹھا سکتا ہے دیکھو اگر بادشاہ وقت کسی کو کوئی تکلیف پہونچا دے تو اسکو کوئی رعایا کا آدمی کیسے دور کر سکتا ہے اسکی تدبیر تو یہی ہے کہ اس بادشاہ ہی سے التجا کرے اور اسی کی خوشامد کرے اور جس شخص سے تو مدد چاہتا ہے آخر اسکو

کام شغل قلب ہی تاکہ ذکر کا غلبہ ہو اور نفس کی آمیزش اعمال سے اُٹھے اور اخلاص نصیب ہو۔ اب شیخ کے
ارشاد کا خلاصہ سمجھئے کہ فرماتے ہیں اے سالک تیرا کچھ طلب کرنا چار قسم پر ہے اور یہ چاروں قسمیں طلب اور
دعا کی خداوند بارگاہ کے ادب کے خلاف ہیں اول تو یہ کہ تو خدا تعالیٰ سے ایسی چیز مانگے کہ جسکے دینے کا
اُسنے ذمہ لیا ہے جیسے رزق کی وسعت وغیرہ چونکہ نفس تیرا باقی ہے تو اس مانگنے میں ضرور شائبہ اسکا
ہوگا کہ اگر مانگوں گا تو ملے گا ورنہ شاید نہ ملے تو یہ حق تعالیٰ پر نہ دینے کی تہمت ہے اور جس شے کا ملنا یقینی ہو
اُسمیں تردد اور شک ہی تو ایسی طلب سے باز رہ اور جو تیرے لئے اہم کام ہے یعنی اپنے شغل میں لگنا وہ کر اگر
تو عارف ہوتا تو تیرا مانگنا اخلاص سے ہوتا اور اپنے مانگنے کو دینے میں دخیل نہ سمجھتا اور اسکا مانگنا
اُس شے کے ملنے کیلئے نہ ہوتا اسلئے کہ وہ تو لامحالہ ملکر رہے گی اسلئے کہ اُس کا وعدہ ہے بلکہ عارف
کا مانگنا اپنے اظہار بندگی اور افتقار و احتیاج کے لئے ہوتا ہے پس تو چونکہ عارف کامل نہیں ہے اسلئے
تیرا یہ مانگنا خالی از کدورت نہیں ہے دوسرے یہ کہ تو اسکے قرب اور مشاہدہ کو طلب کرے یہ بھی تیرے
منصب کے خلاف ہے اسلئے کہ تیرے لئے قرب اور مشاہدہ اپنی حالت میں مشغول ہونا ہے جب تو قرب
اور مشاہدہ کی طلب میں لگا تو قرب اور مشاہدہ جو تجھکو حاصل تھا اُس سے غائب ہوگیا تیرا یہ طلب کرنا
بھی مناسب نہیں تجھکو ایک سکنڈ بھی بارگاہ عالی یعنی اپنے مولیٰ کی طرف توجہ کرنے سے غائب نہ ہونا
چاہیئے اور تیسرے یہ کہ تو اپنے مولیٰ سے غیر مولیٰ کو طلب کرے خواہ وہ دنیا کی چیز ہو یا کوئی حال و رتبہ
ومقام کی طلب ہو یہ طلب تیری بے حیائی کے سبب ہے اسلئے کہ طالب مولیٰ ہوکر غیر مولیٰ کا طلب
کرنا بڑی بے حیائی ہے اگر تجھکو حیا ہوتی تو اُس سے کوئی شے طلب نہ کرتا اور اُسکی حضوری میں
لگا رہتا چوتھے یہ کہ سوائے مالک حقیقی کے دوسرے سے کوئی چیز مانگنا یہ اپنے مولیٰ سے دوری اور
بُعد کی وجہ سے ہے اگر تو قریب ہوتا تو غیر سے ہرگز نہ مانگتا ۔ اور چھٹی قسم طلب کی عارفین کی ہے کہ وہ
اللہ تعالیٰ سے جو شے بھی طلب کرتے ہیں اُس میں اُن کی نظر اُس شے پر نہیں ہوتی بلکہ اظہار احتیاج
اور اپنا فقیر اور خالی محض ہونا اور ہر بات میں اُس کریم کے در کا بھک منگا سائل ہونے کو ظاہر کرنا ان کو مقصود
ہے اور نیز اس مانگنے کو بھی وہ اللہ کی مدد سے جانتے ہیں اسکو بھی اپنی طرف نسبت نہیں فرماتے۔

افتقار ظاہر کرنے کے لئے اور بندگی اور ربوبیت کے مقتضی سے ہے بخلاف غیر عارف کے کہ اسکا دعا و سوال کرنا اپنے نفس کے لئے ہے اسلئے فرماتے ہیں کہ دعا و سوال گو اچھا حال ہو لیکن کچھ عمدہ حال نہیں عمدہ حال یہ ہے کہ تم کو ادب نصیب ہو اور ادب اسکے لئے یہ ہے کہ اپنی تمام حاجات کو حق تعالیٰ کے سپرد کریں اور خود اپنے شغل اور مشاہدہ رب میں مشغول ہو۔

اپنے غنی کریم کی طرف نہ اضطرار و بیقراری سے زیادہ تجھ سے کوئی چیز مطلوب ہے اور نہ ذلت و محتاجگی کے برابر کوئی چیز مواہب خداوندی کو تیری طرف جلد لانے والی ہے **ف** اے سالک حق تعالیٰ کی طرف سے تجھ سے بندگی اور عبودیت کی طلب ہو اور عبودیت کے اوصاف میں سے سب سے کامل درجہ کی صفت اضطرار اور بیقراری کی ہے کہ اس کے برابر کوئی شے نہیں کہ تیرا قلب ہر وقت اپنے مولیٰ کی طرف بیقرار اور مضطر رہے اور تیری حالت وہ ہو جیسے کوئی پانی میں ڈوبتا ہو اور اسکو اسوقت کوئی سہارا سوائے خدا تعالیٰ کے نظر نہیں آتا یا جیسے کوئی کسی بیابان میں گم ہو جائے اور کوئی راہ بتانیوالا نہ ہو تو جیسے اُسکے قلب کی حالت اُسوقت ہوتی ہے ایسی حالت بیقراری کی ہر وقت رہنی چاہیئے اور قلب میں ذلت و محتاجگی کی حالت کے برابر کوئی شے خداوند تعالیٰ کی عطاؤں کو جلدی لانے والی نہیں ہے یعنے جب قلب میں ذلت اور محتاجگی کی صفت ہوگی تو حق تعالیٰ کی ظاہری و باطنی عطاؤں کی بارش ہوگی۔

بسا اوقات حسن ادب عارفین کو ترک سوال کی رہنمائی کرتا ہے اسلئے کہ قسمت ازلی پر بھروسہ ہوتا ہے اور ذکر کی مشغولی سے سوال کی مہلت نہیں ہوتی۔ **ف** عارفین کی شان مختلف ہوتی ہے بعض پر تسلیم و تفویض اور گمنامی کا غلبہ ہوتا ہے اسوقت اُن کی حالت کا اقتضا یہ ہوتا ہے کہ جو کچھ قسمت ازلی ہے وہ ملکر رہیگا اسلئے مانگنا ان کو ادب کے خلاف معلوم ہوتا ہے اور شان تسلیم کے منافی سمجھتے ہیں اور نیز ذکر میں اسقدر مشغول ہوتے ہیں کہ ان کو سوال اور دعا کی مہلت بھی نہیں ہوتی۔ باقی یہ ظاہر ہے کہ اکمل و افضل حالت وہ ہے کہ جسمیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اقتدا اور مشابہت ہو حضور کی شان یہ تھی کہ ہر امر میں دعا فرماتے تھے اور رضا و تسلیم بھی اعلیٰ درجہ کی تھی پس اکمل یہی ہے کہ زبان سے اظہار احتیاج و افتقار و سوال ہو اور دل سے ہر امر پر رضا ہو۔

کبھی تو بہت سی حاجتیں درپیش ہیں اگر وہ قادر ہوتا تو اُن حوائج کو سب سے پہلے دفع کرتا جو اپنی حاجت رفع نہیں کرسکتا، وہ غیر کی حاجت کے دور کرنے پر کیسے قادر ہو سکتا ہے پس تدبیر یہی ہے کہ جو حاجت پیش آوے اُسکو اپنے مولیٰ سے مانگے۔

اپنے مطلوب کی دیر رسی کے سبب اپنے پروردگار پر اعتراض و مطالبہ نہ کر ہاں ادب کے نہ ہونے کی اپنے نفس سے بازپرس کر۔ **ف** کسی دین اور دنیا کی حاجت کے لئے جب تم اپنے پروردگار سے دعا کرو اور اُس حاجت کے پورا ہونے میں دیر ہو تو اس سے اپنے مولیٰ پر اعتراض کہ ہم نے دعا کی تھی قبول نہ ہوئی یا مطالبہ جلدی حاجت روائی کا مت کرو کہ یہ امر خلاف ادب ہے اور حدیث شریف میں اس سے ممانعت آئی ہے تم کو کیا معلوم ہے کہ تمہاری دعا قبول ہوئی ہے یا نہیں ممکن ہے بلکہ یقینی بات ہے کہ قبول ہو گئی مگر تم کو علم نہیں ہے اسلئے کہ دعا کی قبولیت کے لیے یہ ضروری نہیں کہ بعینہ وہی شے ملے جو تمہاری مطلوب تھی جیسا کہ پہلے آچکا ہے اور ممکن ہے کہ اسوقت ملنا اُسکا مصلحت نہ ہو بعد میں ملے اور قطع نظر اسکے اُسکی شان عالی تو یہ ہے کہ لا یسئل عما یفعل کہ جو کچھ وہ کرے اس سے کوئی سوال نہیں کرسکتا کہ ایسا کیوں ہوا پس نہ جلدی کرو اور نہ اعتراض کرو اور مانگنے میں کمی نہ کرو اسلئے کہ سائل کا کام یہی ہے اور ادب کو ہاتھ سے نہ دو۔

اپنے مولا سے دعا و سوال کرنا کچھ عمدہ اور معتبر حال نہیں ہے پسندیدہ حال یہ ہے کہ تجھکو حسن ادب عطا ہو جائے۔ **ف** حدیث شریف میں وارد ہے کہ الدعاء مخ العبادۃ یعنی دعا اور سوال کرنا اللہ تعالیٰ سے یہ عبادت کا مغز ہے دعا کی اسقدر فضیلت سنکر وہ سالک جسکو ابھی نفس سے خلاصی نصیب نہیں ہوئی دعا اور سوال کرنے ہی کو مقصود سمجھنے لگے تو یہ اُسکی خطا ہے وجہ یہ ہے کہ جب تک نفس موجود ہے دعا اور سوال میں بھی نفسانیت موجود ہے کہ نفس اپنے حظوظ اور غرضوں کا سوال کرے گا اور نیز نظر اور توجہ قلب کی وہ حاجت ہوگی نہ حق تعالیٰ کی بندگی بخلاف عارفین کے کہ ان کی دعا البتہ عبادت کا مغز ہے اس لئے کہ عبادت کا مقصود اظہار افتقار و احتیاج ہے اور دعا و سوال کرنا یہ عین افتقار اور احتیاج کا ظاہر کرنا ہے پس عارف کامل کا نفس فنا ہو جاتا ہے نفسانی غرض ان کی کچھ نہیں ہوتی اسلئے کہ ان کی دعا اپنا

دیر ہو رہی ہے (نعوذ باللہ) تو شیخ ارشاد فرماتے ہیں کہ اپنے مولیٰ کی عطا کو یہ خیال نہ کر کہ اسمیں دیر ہو رہی ہے اسلئے کہ کسی کو دینے میں دیر کرنا یہ تو کام بخیل کا ہے اور وہاں یہ منتفی ہے تو یہ وسوسہ نہ لانا چاہئیے اُسکی عطا کا دریا تو ہر وقت جاری ہے یہ دیر تیری طرف سے ہے کہ تیرے نفس کے اندر توجہ کامل اُس طرف نہیں اور غیر حق کی صورتیں اُسمیں نقش ہو رہی ہیں ان کو اپنے دل سے محو کر کے پوری توجہ اُس طرف کر پھر بخشش کو دیکھ بخشش ہر وقت موجود ہے اُسکو کہیں سے آنا نہیں ہے۔

اُن اشیا میں جن کا تو اپنے مولیٰ سے طلبگار ہے عمدہ اور بہتر وہ ہے جسکا وہ تجھ سے طالب ہے (اور وہ عبودیت میں استقامت ہے) **ف** اے سالک جو چیزیں تو اپنے مولیٰ سے طلب کرتا ہے اُن سب میں سے سب سے عمدہ اور بہتر وہ شے ہے جسکی طلب تجھ سے مولیٰ کی طرف سے ہے یعنی جس بات کے لئے تو پیدا ہوا ہے اور وہ اسکی بندگی کے اندر پختگی ہے چنانچہ ارشاد ہے وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون اور ماسوائے بندگی کے اور چیزیں خواہ دین کی ہوں یا دنیا کی وہ بہتر نہیں اسلئے کہ اس میں تیرے نفس کے لئے حظ اور مزہ ہے ہاں غلامی اور بندگی وہ شے ہے کہ اسمیں نفس کو حظ نہیں اور جس شے میں نفس کو مزہ آوے اُسکا طالب ہونا بندگی کے خلاف ہے۔

دعا و عبادت سے تیرا مطلوب حصول بخشش و عطا نہ ہونا چاہئیے کیونکہ تیرا فہم اُسکے حکم دعا کے اسرار اور حکمت کے سمجھنے سے کوتاہ رہ جائے گا بلکہ تیرا دعا و عبادت کرنا صرف اپنی عبودیت کے اظہار اور اُسکی ربوبیت کے حقوق کو قائم اور برپا رکھنے کے لئے ہونا چاہئیے۔ **ف** اے سالک دعا اور عبادت میں مشغول ہونے سے تیرا مقصود یہ نہ ہونا چاہئیے کہ دنیا یا دین کی کوئی نعمت مولیٰ عطا فرماوے اگر تیرا یہ مقصود ہوا تو تو نے دعا کے حکم ہونے کا مغز اور راز و حکمت ہی نہیں سمجھا دعا و عبادت کرنے سے تیرا مقصود یہ ہو کہ اپنی بندگی اور غلامی کو ظاہر کرے اور اُسکے رب ہونے اور مالک حقیقی ہونے کے حقوق کو ادا کرے اور اُس نے دعا و عبادت کا حکم اسی واسطے فرمایا ہے کہ بندے اپنا افتقار و احتیاج و التجا ہماری بارگاہ عالی میں ظاہر کریں اور جس کا مقصود دعا سے یہ ہوگا اُسکی دعا کبھی ناغہ نہ ہوگی اگرچہ ہر مطلب اُسکا پورا ہوتا رہے اسلئے کہ اُسکا مقصود تو اُسکی ربوبیت

سوال کے ساتھ یاد تو اُسکو دلایا جاوے جسپر غفلت وسہو جائز ہوا ور طلب کے ساتھ متنبہ اُسکو کریں جسکی سائل سے بے پروائی ممکن ہو۔ (تعالیٰ عن ذلک) **ف** یہ ارشاد شیخ کا مضمون سابق کی دلیل کے طور پر ہے خلاصہ یہ ہے کہ ترک دعا وسوال بعض اہل حال کے لئے ادب اسلئے ہو کہ سوال کرنے میں نفس کے اندر اسکا شائبہ ہوتا ہو کہ ہم اپنی حاجت یاد دلاتے ہیں یا یہ کہ نہیں مانگیں گے تو دیگا نہیں حالانکہ وہاں دونوں باتیں محال ہیں اسلئے کہ یاد تو اُسکو دلایا جاوے کہ جسکو غفلت وسہو ہوتا ہو اور اسکی شان عالم الغیب والشہادہ ہے اور طلب کرنے سے متنبہ اُسکو کیا کرتے ہیں جسکو سائل سے بے پروائی ہو حالانکہ وہ پہلے ہی اسکے لئے لکھ چکا ہے اور نیز رحمت اُسکی ہر شے کے ساتھ لامحالہ ہے خواہ کوئی مانگے یا انکار کرے پس ایسے حضرات اپنا سوال حضرت حق میں پیش نہیں کرتے اور سکوت ورضا کو سلئے رہتے ہیں اور سوال کرنے کو ادب کے خلاف جانتے ہیں۔

اکثر اوقات عارف اپنے مولیٰ تعالیٰ شانہ کی مشیت پر اکتفا کر کے اُسکی طرف اپنی حاجت پیش کرنے سے حیا کرتا ہے تو بھلا وہ اُسکی مخلوق کی طرف حاجت لیجانے میں کیونکر حیا نہیں کرے گا **ف** جبکہ یہ معلوم ہے کہ جو واقعات ظاہر ہو رہے ہیں حق تعالیٰ کی مشیت ازل میں ان کے متعلق ہو چکی ہو اور اُسی کے موافق ظہور واقعات وحوادث کا ہو رہا ہے تو عارف اسی پر اکتفا کرتا ہے اور اپنے مولیٰ تعالیٰ شانہ سے اپنی حاجت پیش کرنے سے اُسکو حیا آتی ہے کہ جس امر کے متعلق فیصلہ ہو چکا اب اُسکے متعلق عرض معروض کرنا خلاف ادب ہے تو جس شخص کا یہ حال ہو تو مخلوق کے پاس اپنی حاجت پیش کرنے سے کیوں نہ اُسکو اپنے رب سے حیا آویگی اسلئے کہ مخلوق تو خود فقیر اور عاجز ہے فقیر عاجز سے کیا کوئی مانگے۔

اپنے مولیٰ کی بخشش وبہرہ میں خیال نہ کر لیکن اپنے نفس سے توجہ تام اور اقبال کلی کے ہونے میں درنگ اور ڈھیل سمجھ۔ **ف** نفس کی حالت یہ ہو کہ یہ سب کو اپنے اوپر قیاس کرتا ہے مشہور ہے کہ المرء یقیس علی نفسہ سالک بعض اوقات جب اپنے نزدیک بہت ریاضت اور مجاہدہ کرتا ہو اور اُسکا کچھ ثمرہ ظاہر نہیں ہوتا تو نفس میں اُسکی جہالت کی وجہ سے یہ وسوسہ ہوتا ہو کہ بس مجھے کچھ نہ ملیگا اور یہ آدمی سے

اختیار کے ترک کرنے کے بیان میں

تجرید اور قطع ظاہری اسباب دنیاوی کی تیری خواہش باوجودیکہ خداوند تعالیٰ شانہ نے تجھکو اسباب

میں استقامت عطا فرمائی شہوت پنہانی ہے اور تیرا اسباب کا پابند ہونا باوجودیکہ اللہ تعالیٰ نے تجھکو قطع اسباب میں راسخ قدم کیا بلند ہمتی سے پستی کی طرف گرنا ہے **ف** اے سالک اگر اللہ تعالیٰ نے تجھکو اسباب دنیوی مثل زراعت تجارت حرفت ملازمت میں مشغول کر رکھا ہے اور ان اسباب میں رہکر تیرا دین سلامت ہے اور اسمیں تجھکو پختگی و استقامت نصیب ہے اور عبادات ظاہرہ و باطنہ ادا کرتا ہے تو باوجود اسکے اگر تجھکو اسکی خواہش ہو کہ میں یہ اسباب ترک کردوں اور اسکو دنیا کے دہندے سمجھ کر اسکی رغبت ہو کہ ان بکھیڑوں سے مجرد و منقطع ہوجاؤں تو یاد رکھ کہ یہ نفسانی خواہش ہے جو تیرے دل کے اندر دبی ہوئی اور پوشیدہ ہے ظاہر تو اسکا بہت اچھا ہے کہ جسقدر بھی قلب کا تعلق ان اشیاء سے ہے وہ بھی جاتا رہے اور قرب مولیٰ کا ٹر ہے لیکن حقیقتاً اسکے نیچے ایک بڑا بھاری مکر نفس کا ہے وہ یہ ہے کہ اسباب ظاہرہ کے چھوڑنے میں ناموری اور شہرت بہت ہوتی ہے پس نفس یہ چاہتا ہے کہ میں ولی اور بزرگ مشہور ہوجاؤں اور لوگ میرے معتقد ہوجاویں اگر تونے ایسا کیا تو جو بات اب حاصل ہے اس سے بھی جاتا رہے گا اسلئے کہ مخلوق کا کسی کی طرف مائل ہونا اسکے لیے سم قاتل ہے ہاں جو کامل ہو اسکا مضر نہیں پس تیرے لئے بہتر یہی ہے کہ جس حال میں حق تعالیٰ نے رکھا ہے اسی میں رہ اپنے لئے کوئی تجویز مت کر اور اگر ان اسباب کے ترک میں تجھکو اللہ تعالیٰ نے دین کے اندر استقامت عطا فرمائی ہے کہ بلا اسباب ہی اللہ تعالیٰ روزی پہونچا رہے ہیں اور تیرے نفس کو اطمینان ہے اور اپنی عبادات میں مشغول ہے تو باوجود اس چین و آرام کے اگر اس طرف رغبت ہو کہ میں اسباب اختیار کروں تو تو بلند ہمتی سے پستی کی طرف گر رہا ہے اسلئے کہ جب اللہ تعالیٰ کے ساتھ تیرا علاقہ ہوگیا اور مخلوق سے تیرا اعتماد بالکل اٹھ گیا اور توکل صحیح نصیب ہوگیا اب اس مقام عالی کو چھوڑ کر پھر مخلوق سے علاقہ پیدا کرنا اوپر سے نیچے گرنا ہے پس بہتر یہ ہے کہ اس نفسانی وسوسہ کی طرف التفات نہ کر

اور اپنی غلامی ظاہر کرتا ہے اور وہ ہر وقت رب اور یہ بندہ ہے بخلاف اُس شخص کے جس کا مقصود
دوسری شے ہو جب وہ شے اُسکو حاصل ہو جاویگی دعا بھی کرنا چھوڑ دیگا اور یہ بڑی قبیح بات ہے
کہ بندہ اپنے مولیٰ سے مستغنی ہو کر بیٹھ رہے بندہ تو وہی ہے جو ہر وقت یہ ظاہر کرتا رہے کہ اے میرے
مولیٰ میں تیری عطا سے کسی وقت مستغنی و بے نیاز نہیں ہوں ہر وقت آپ کی نظر رحمت کا محتاج ہوں

تیری پچھلی طلب اُسکی پہلی اور ازلی عطا کا کیونکر سبب ہو سکتی ہے **ف** ارشاد سابق میں یہ بیان
کیا گیا ہے کہ مومن کو یہ مناسب ہے کہ دعا اظہار بندگی کے لئے کرے دوسری شے حاصل ہونے کے لئے
نہ کرے اور یہاں اسپر تنبیہ ہے کہ دعا کو سبب حصول کا نہ جانے کہ اگر میں دعا کروں گا تو یہ شے ملیگی
ورنہ نہ ملیگی اسلئے کہ جو شے اسکو ملیگی اُسکا ملنا روز ازل میں مقدر ہو چکا ہے اور اسکا مانگنا بعد کو ہوا ہے
تو جو شے بعد میں ہے وہ پہلی شے کا سبب کیسے ہو سکتی ہے اسی لئے بطور تعجب فرماتے ہیں کہ اے سالک
ذرا ہوش سنبھال اور تیرے نفس میں جو اسکا شائبہ ہے کہ میری دعا سے شے ملیگی تیری دعا تو پیچھے
آئی ہے اور اُسکی عطا ازل میں ہوئی تو پچھلی طلب ازلی عطا کا سبب کیسے بن سکتی ہے مسبب کا
وجود تو ہمیشہ سبب سے پہلے ہوتا ہے۔ آگے دوسرے عنوان سے اسی مضمون پر تنبیہ ہے اور اسی کی
دلیل ہے۔

ازلی حکم اس سے برتر ہے کہ علل اور اسباب کی طرف منسوب ہو **ف** اے سالک تو اپنی دعا اور طلب
کو اُسکی عطا کا سبب کیسے جانتا ہے حالانکہ ازلی حکم الٰہی کی شان اس سے برتر ہے کہ وہ حکم کسی
علت اور سبب کا محتاج ہو حق تعالیٰ جو کچھ کرتے ہیں اُسکا کوئی سبب اور علت نہیں ہوتی اسباب اور
علل کے محتاج بندے ہیں اور خالق کے افعال اس سے پاک ہیں پس وہ جو کچھ کسی کو دیں اسکا کوئی
سبب نہیں ہے اور ازل میں دیچکے ہیں دعا اور طلب بعد میں ہوئی ہے لیکن یہ معلوم کرکے دعا کو
ترک کر دینا شانِ بندگی کے خلاف ہے +

چودہواں باب اللہ تعالیٰ شانہٗ کے حکم کے تسلیم کرنے اور اپنے

ہے تو اُسکو اپنے نفس کے لئے مت اُٹھا **ف** معاش کے لئے مختصر سی ایسی تدبیر کرلینا کہ جس کا نفس پر تعب اور مشقت نہ ہو اور حق تعالیٰ کی طرف توجہ ہونے اور اُسکے احکام کی بجاآوری میں مانع نہ ہو اور نہ اُس تدبیر پر قلب اعتماد ہو بلکہ اعتماد حق تعالیٰ کی رزاقیت پر کوئی حرج نہیں ہے لیکن جس تدبیر سے نفس پر تعب ہو کہ خیالات اور وساوس بے انتہا دماغ میں اُس سے پیدا ہو جاویں کہ فلاں کام اس طور سے ہو اور فلاں اس طرح اور ایک طویل بکھیڑا بلا ضرورت اپنے اوپر آدمی لاوے یہ قابل ترک ہی اور اسمیں نفس کو سخت تعب ہوتا ہے اور بسا اوقات جس طرح یہ سوچتا اور فکر کرتا ہے اُسمیں کامیابی بھی نہیں ہوتی اس صورت میں تو اور بھی زیادہ مشقت اور تکلیف ہوتی ہے اسلئے اے سالک تدبیر معاش کے تعب سے اپنے نفس کو کیوں مشقت میں ڈال رکھا ہے اور کیوں اپنے نفس کو ان بکھیڑوں میں پھنسا رکھا ہے اسکو راحت دے اور زائد از ضرورت کو حذف کردے اسلئے کہ قاعدہ کی بات ہی کہ اگر کوئی شخص جو اپنے سے قوت اور تدبیر اور سب امور میں بڑھکر اور نیز شفقت اور خیر خواہی میں برتر ہو کسی کام کا ذمہ لیلے تو اُس کام سے بالکل بے فکر ہو جانا چاہیئے تو جو کام تو نے اپنے اوپر لے لیا ہے اسکا بار تو تیری طرف سے دوسری ذات پاک اٹھا چکی ہے یعنی حق تعالےٰ کفیل و کارساز بن چکے ہیں اب تو اس کے لئے اپنے نفس کو کیوں گراں بار کرتا ہے پس تو اس کو مت اُٹھا اور اپنے مولےٰ کی کارسازی پر بالکل بے فکر ہو جا۔

اس میں تو تیری کوشش میں کا وہ تیرے لئے کفیل ہو چکا اور اسمیں تیری کوتاہی جسکا وہ تجھ

سے طالب ہوا تیری عقل کا چراغ گل ہونے کی دلیل ہے۔ **ف** اے سالک طالب مولیٰ رزق اور اسباب معاش کا تیرا مولیٰ تیرے لئے اپنے فضل و رحمت عامہ سے ذمہ دار کفیل ہو گیا ہی چنانچہ ارشاد ہے وما من دابة فی الارض الا علی اللہ رزقها یعنی جو بھی زمین میں چلنے والا ہی اللہ تعالیٰ کے ذمہ اُسکا رزق ہی پس جس شئے کا وہ کفیل ہو گیا اسکی کفالت اور ذمہ داری پر تجھکو اعتماد نہیں اُسمیں تو تو کوشش اور جد و جہد کرتا ہے اور تجھ سے اُسنے اعمال صالحہ اور بندگی کو طلب فرمایا ہی چنانچہ ارشاد ہے وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون یعنی میں نے جنوں اور آدمیوں کو کسی کام کے لئے پیدا نہیں کیا سوائے اسکے کہ میری بندگی کریں اسمیں تو کوتاہی کرتا ہے یہ معاملہ تیرا اسکی صاف دلیل ہے کہ تیری عقل

اور جس حال میں مولیٰ نے رکھا ہے اُسی میں راضی رہ۔

اللہ تعالیٰ سے یہ طلب نہ کر کہ تجھکو تیری حالت موجودہ شغل دینی یا دنیوی سے نکالکر اُسکے

سوا کسی دوسری حالت کے کام میں لگا دے کیونکہ اگر وہ چاہتا تو بغیر نکالنے کے کام میں لگا تا **ف** کسی بندہ کو اگر اللہ تعالیٰ نے کسی دینی کام جیسے طالب علمی یا دنیوی کام جیسے نوکری صنعت وغیرہ میں لگا رکھا ہوا ور وہ بندہ یہ سمجھ کر کہ اس کام میں مشغول رہکر مجھکو اپنے مولیٰ کیطرف متوجہ ہونے کی فرصت نہیں ملتی اُس کام سے نکلنا چاہے تو اُسکو یہ مناسب نہیں اسلئے کہ جب وہ کام خلاف شریعت نہیں ہے تو اُسکو چھوڑنے کی کوئی وجہ نہیں اور بسا اوقات ترک کرنے سے پریشانی لاحق ہو جاتی ہے جس مقام اور رتبہ کے طلب کے لئے اس شغل کو وہ چھوڑنا چاہتا ہے اگر اللہ تعالیٰ اُسکو وہ رتبہ دینا چاہتا ہے تو اُسکو یہ موجودہ اشغال دینے سے مانع نہیں آسکتے اسی حالت میں رہتے ہوئے بھی تجھکو وہ مقام عطا فرما دیتا پھر باوجود قادر ہونے کے جو ابتک عطا نہیں فرمایا تو اس سے معلوم ہوا کہ تیرے لئے اسی حالت میں رہنا مصلحت و حکمت ہے پس تو اس حالت کو اپنے اختیار سے ترک نہ کر جب وہ چاہیگا اسی حالت میں تجھکو تیرے مقصود پر پہنچا دیگا یا جب چاہے گا اس حالت سے تجھکو نکالدیگا۔

پیشقدمی کرنے والی ہمتیں تقدیر کی دیواروں کو نہیں پھاڑ سکتیں **ف** صوفیہ کی اصطلاح میں ایسی قوۃ نفسانی کو جو قلوب اور دیگر مخلوقات میں باذن اللہ اثر کرتی ہے ہمت کہتے ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ باوجود اسکے کہ اہل ریاضت و مجاہدہ کی ہمتیں ہر شے میں پیش قدمی کرتی ہیں یعنی نہایت سریع التاثیر ہیں کہ جس شے کی طرف وہ حضرات اپنی ہمت مبذول فرماتے ہیں باذن اللہ وہ شے ضرور ہو جاتی ہے لیکن یہ ہمت کے تیز پھاوڑے تقدیر کی مستحکم دیواروں میں سوراخ تک نہیں کر سکتے یعنی تقدیر کے خلاف ہمت کچھ نہیں کر سکتی پس جب تقدیر کے سامنے ایسی سریع التاثیر شے بھی لاشئی ہے تو تدابیر ظاہرہ تو بیچاری کس شمار میں ہیں تو بندہ مومن پر واجب ہے کہ تدابیر پر بھروسہ نہ کرے اور اُن کو موثر نہ سمجھے اور تقدیر خداوندی کی طرف قلب کی نظر رکھے۔

تدبیر کے زحمت سے اپنے نفس کو راحت دے کیونکہ جو مقدر کرکے تیرا غیر یعنی اللہ جل وعلا تجھ سے اٹھا چکا

اُسمیں کامیابی نہ ہو یا ہو تو سخت دشواری سے ہو پس اپنے ہر کام میں اپنی قوت و عقل و تدبیر پر بھروسہ مت کر اور اللہ تعالیٰ سے ہی مدد طلب کر۔

سب چیزیں مشیت خداوندی کا سہارا پکڑتی ہیں اور وہ کسیکا سہارا نہیں پکڑتی۔ **ف** جو کچھ عالم میں ہو رہا ہے خیر ہو یا شر ہو ہدایت ہو یا اضلال ہو سب حق تعالیٰ کی مشیت سے ہے ازل میں ہی حق تعالیٰ کی مشیت ان سب واقعات کے متعلق ہو چکی ہے باقی ظہور انکا اُن کے اوقات میں اُس مشیت ازلیہ کی وجہ سے ہو رہا ہے اسباب اور علل کو ان واقعات میں کوئی دخل نہیں ہے بلکہ اسباب خود مشیت سے تعلق رکھتے ہیں اور مشیت الٰہیہ موجودات میں سے کسی شئے کے سبب نہیں ہے اسلئے کہ مشیت حق تعالیٰ کی صفت ہے اگر صفت کسی شے کی محتاج ہو تو اُسمیں نقص لازم آتا ہے اور حق تعالیٰ کامل الذات کامل الصفات ہے اسلئے مشیت الٰہیہ کسی سبب کی محتاج نہیں پس بندہ مومن کو مشیت الٰہیہ کے متعلق جب یہ علم ہو گیا تو چاہیئے کہ اس علم کو اپنے نفس کا حال بنالے اور جہل کو چھوڑے نادان ناواقف نہ بنے اور اسباب اور اپنی تدابیر کی طرف ذرہ برابر بھی ملتفت نہ ہو اور مشیت الٰہیہ کیطرف دل کی آنکھ لگی رہے اور نیز جب یہ بات ثابت ہے اور اسکا یقین کامل ہو گیا کہ مشیت الٰہیہ سے سب کچھ ہوتا ہے اور مشیت کا تعلق کہیں سے نہیں تو اسکا مقتضی یہ ہے کہ نفس کی سرکشی اور عناد نام کو بھی نہ رہے اور عبودیت و احتیاج و افتقار اور اسکی جناب میں عجز و زاری ہر آن اسکا شیوہ و حال ہو۔

جب صبح ہوتی ہے تو غافل فکر کرتا ہے کہ آج میں کیا کام کرونگا اور دانشمند انتظار کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ شانہ میرے ساتھ کیا معاملہ فرمائے گا **ف** جاننا چاہیئے کہ فاعل حقیقی ہر فعل کا اللہ تعالیٰ ہے چنانچہ اہلسنت وجماعت کا عقیدہ حقہ ہے کہ تمام افعال کا خالق اللہ تعالیٰ ہے بندہ ان افعال کا محض جائے ظہور ہے جسکی وجہ سے اُسکو کاسب کہا جاتا ہے پس جو شخص توحید سے غافل ہے اور توحید اُسکا حال نہیں بنی گو درجہ اعتقاد میں ہے وہ افعال کو اپنے نفس کی طرف منسوب کرتا ہے اسلئے جب صبح ہوتی ہے تو اُسکے دماغ میں اول ہی یہ آتا ہے کہ آج میں فلاں کام کرونگا فلاں کرونگا اور جو عارف و عاقل ہے اور حق تعالیٰ نے علم صحیح اُسکو عطا فرمایا ہے اور توحید اُسکے نفس کا حال

کا نور شمع بجھ گئی ہے اور تجھکو خاک عقل نہیں ہے اگر عقل ہوتی تو اسکے برعکس کرتا کہ جس شئے کا ذمہ مولیٰ نے لے لیا ہے اُس سے تو بے فکر ہوتا اور جس شئے کا وہ طالب ہے اس میں اپنی پوری ہمت صرف کر دیتا اور کوشش کرنے کے لفظ سے جو شیخ نے ارشاد فرمایا ہے اس سے یہ بات نکلتی ہے کہ بلا کوشش روزی کا معمولی طریقہ سے طلب کرنا طالب کے لئے منافی نہیں ہے۔

جس نے یہ چاہا کہ جسوقت جو چیز اللہ جل وعلا نے پیدا فرمائی اُسوقت میں کوئی دوسری چیز پیدا ہوتی تو اُسنے اپنے جہل و نادانی میں کوئی بھی دقیقہ نہ چھوڑا۔ **ف** مومن پر جو حال حق تعالیٰ کی طرف سے پیش آوے اور وہ خلافِ شرع نہ ہو خواہ وہ کوئی حادثہ ایسا ہو جو اُسکے جان و مال پر کوئی آفت لانے والا ہو یا کوئی قلبی حال ہو تو حضرت خداوندی کا ادب اور علم و معرفت و ربوبیت اسکو مقتضی ہے کہ رضا و تسلیم کو ہاتھ سے نہ دے اور جس نے یہ چاہا کہ جو حالت اللہ تعالیٰ نے مجھ پر ڈالی ہے بجائے اسکے دوسری ہوتی مثلاً تنگی کی جگہ فراخت ہوتی یا میرا دل جو منقبض ہے تو بجائے اسکے بسط کی حالت ہوتی تو اُس شخص نے جہل و نادانی میں کوئی کسر نہیں چھوڑی یعنی منشاء ان تمناؤں و حسرتوں کا نفس کا جہل ہے اگر حق تعالیٰ کی معرفت ہوتی اور علم حقیقی اسکو ہوتا کہ جو امر مقدر ہو چکا ہے وہ کسی طرح نہیں ٹلتا تو ہرگز یہ حسرت اور تمنا نفس میں نہ رہتی اور نیز حزن اور افسوس بھی نہ ہوتا بلکہ جو امر بھی پیش آتا اُسپر راضی اور ادب سے رہتا۔ اب یہ تمنا کرکے قضا و قدر کا مزاحم اور بے ادب بنا۔

وہ مطلوب کچھ دشوار نہیں جسکا تو اپنے پروردگار سے طلبگار رہا اور وہ مطلب کچھ سہل نہیں جسکا تو اپنی قوت نفس سے خواستگار رہا۔ **ف** اے سالک تیرا مطلوب دنیا سے متعلق ہو یا دین کے خواہ تجھکو کتنا ہی دشوار اور مشکل نظر آوے لیکن اگر تو اسکے پورا ہونے کے لئے اپنے رب سے طلبگار رہو یعنی اُسکے طلب کرنے میں قلب کی نظر اللہ تعالیٰ کی طرف لگی ہوئی ہو اور اُسی پر کامل طور سے اعتماد ہو اپنی تدابیر پر مطلق التفات نہ ہو تو وہ کچھ بھی مشکل نہیں ہے ہوا رکھا ہے اور تیرا مطلب دینی یا دنیوی کتنا ہی سہل اور آسان تجھکو نظر آوے لیکن اُسکا تو اپنے نفس کی قوت سے خواستگار رہا یعنی اُسکے سرانجام دینے کے وقت لحاظ اپنی قوت و تدبیر پر رہا اور حقیقی کارساز سے قلب غافل رہا تو وہ کام تجھ پر بھاری ہو جائیگا اور ممکن بلکہ غالب ہے کہ

لئے جسقدر سہولت سے عبادت ہو اُسکو کرنا چاہیئے آگے اسکی ایک لطیف وجہ ارشاد ہے۔ کہ قلتِ اعمال سے تو افسوس مت کر اسلئے کہ اللہ تعالیٰ نے جو یہ دروازہ اپنی معرفت کا تجھ پر کھولا ہے اس سے سمجھ لے کہ اللہ تعالیٰ کو منظور یہ ہے کہ نرے اعمال ظاہرہ ہی پر تجھکو نہ رکھیں بلکہ اس سے ترقی دیکر اپنی معرفتِ کاملہ کی نعمت عظمیٰ تجھکو دیں اور تجھ پر اپنے اسماء و صفات کی تجلی مبذول فرما دیں اور یہ نعمت اعمال ظاہرہ کی کثرت سے لاکھوں درجہ زائد ہے اور سمجھ تو سہی کہ یہ نعمت معرفت تو حق تعالیٰ نے تجھ پر بھیجی ہے اور اعمال و عبادات تو اُسکی بارگاہ میں پیش کرتا ہے تو تیری وہاں بھیجی ہوئی شے کو اُسکی عطا کی ہوئی دولت سے کیا نسبت ہے جیسے کوئی بادشاہ کسی کے پاس کوئی تحفہ بھیجے اور یہ شخص بادشاہ کے لئے کچھ پیش کرے تو بادشاہ کے تحفہ اور اسکی حقیر شئے میں بڑا فرق ہے تو اعمال تو تیرے بھیجے ہوئے ہیں اور نعمتِ معرفت اُسکی عطا کی ہوئی ہے تو معرفت کی نعمت اعمال ظاہرہ سے بڑھکر ہے۔ اگرچہ حقیقت میں اعمال کی توفیق اور ان کا وجود بھی حق تعالیٰ ہی کی طرف سے ہے لیکن اسمیں بندہ اون افعال کا کاسب ہے اور نعمتِ معرفت بلا واسطہ غیب سے قلب پر آتی ہے اس سبب سے اعمال کی نسبت بندہ کی طرف ہے اور نعمتِ معرفت من کل الوجوہ اللہ کی طرف سے ہے کسب عبد بھی اسمیں واسطہ نہیں ہے۔

جب تک تو اس دار دنیا میں ہے کدورتوں کے پیش آنے کو کچھ عجیب و غریب خیال نہ کر کیونکہ دنیا نے اُسی شئے کو ظاہر کیا ہے جو اُسکا وصف ضروری اور نعت لازمی ہے **ف** اے مومن جب تک تو اس دنیا میں مقید ہے تو مصائب اور حوادث و خلاف طبع واقعات پیش آنے کو عجیب و غریب نہ جان یا اے سالک و ذاکر و شاغل جبتک تو اس دنیا میں ہے اپنے نور قلب پر کدورات کے بادل آجانے کو عجیب نہ جان اسلئے کہ عجیب و غریب تو وہ شئے سمجھی جاتی ہے جسکے واقع ہونے کا خیال نہ ہو حالانکہ ان کدورات و مصائب و حوادث کے واقع ہونے سے دنیا نے وہی بات ظاہر کی ہے جو اسکی صفت لازمی اور ذاتی ہے اور جو کسی شئے کو لازم ہوتا ہے اُسکا تو ظہور ہو کر رہتا ہے اور کدورات دنیا کے لئے اسلئے لازم ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اسکو امتحان و ابتلاء کا گھر بنایا ہے تو خلافِ طبع امور کا واقع ہونا اسمیں ضروری ہے تاکہ امتحان ہو کہ کون ہماری بلا پر صبر کرتا ہے اور کون بے صبری اور

بنگیا ہے اور حِیل نفس کا دور ہوگیا ہے اسکا حال مردہ بدست زندہ کی طرح ہوتا ہے وہ اسکا انتظار کرتا ہے کہ دیکھئے حق تعالیٰ کا میرے ساتھ آج کیا معاملہ ہوگا اُسکے دماغ میں یہ ہرگز نہ آوے گا کہ میں کیا کروں گا اسلئے کہ تمام افعال کو حقیقی فاعل کی طرف نسبت کرنا اُسکا حال ہوگیا ہے اور اپنا لاشے ہونا واضح ہوگیا پھر جو کچھ اُس غافل کو پیش آتا ہے اس میں چونکہ اسکی نظر اپنے نفس کی طرف ہے اسلئے اُسکو اللہ تعالیٰ اسکے نفس ہی کی طرف سونپ دیتے ہیں اور اُسکو تمام کام مشکل نظر آتے ہیں اور قسم قسم کی دقتوں اور جھگڑوں میں پھنسا رہتا ہے اور موحد کی نظر چونکہ حق تعالیٰ کی طرف ہوتی اسلئے سخت سے کام بھی اُسکو بھاری نہیں ہوتے اور اُسکی کھلی امداد ہوتی ہے چنانچہ جسکا جی چاہے تجربہ کرلے اور دیکھ لے۔

پندرہواں باب مصیبتوں اور سختیوں پر صبر کرنیکے بیان میں

حبیب تیرے واسطے اُسنے اپنی معرفت کا کوئی طریق کھول دیا تو اُسکی ساتھ میں قلت عمل کی پرواہ نہ کر کیونکہ اُسنے تیرے لئے یہ طریق صرف اس لئے کھولا ہے کہ تجھکو معرفت حاصل ہو کیا تو نہیں جانتا کہ نعمت معرفت تو وہ تجھ پر پہونچانے والا ہے اور تیرے اعمال تو اُسکے جناب میں پیش کرنے والا ہے اور جو تو پیش کرتا ہے اُس کو اُس سے کیا نسبت ہے جو وہ تجھکو عطا فرماتا ہے **ف** جاننا چاہیئے کہ تصوف و سلوک کے تمام مقاصد میں بڑا مقصود اور نعمت عظمیٰ حق تعالیٰ کی معرفت ہے اسلئے فرماتے ہیں کہ اے سالک جب اللہ تعالیٰ نے تیرے واسطے اپنی معرفت کے رستوں میں سے کوئی رستہ کھول دیا مثلاً قلب پر یہ منکشف ہوگیا کہ فاعل حقیقی ہر فعل کا اللہ تعالیٰ ہے اور اُسکے ساتھ ذوق اور حال نصیب ہوگیا یا یہ کہ اللہ تعالیٰ میرے ساتھ ہے اس مضمون کے ساتھ قلب رنگین اور حسب ذوق ہوگیا تو اس نعمت عظمیٰ کے ہوتے ہوئے اسکی پرواہ نہ کر کہ نوافل عبادات مجھسے کم ہوتی ہیں اور اسکی وجہ سے غم اور رنج قلب پر غالب نہ ہو اسلئے کہ عبادات نافلہ اور ذکر لسانی و مراقبات کی کثرت سے اصل مقصود یہی ہے جب یہ حاصل ہوگیا تو ان اعمال میں بوجہ تعب کے یا کسی اور عذر سے کمی آجاوے تو کچھ حرج نہیں باقی ترقی مدارج معرفت کے لئے اور حصول استقامت کے

رضا بالقضاء کی صفات پیدا ہوتی ہیں اور یہ سب اعمال قلب ہیں جو اعمال ظاہرہ سے کہ جنکو وہ فراغت وصحت کی حالت میں کرتا بدرجہا افضل ہیں پس مصائب میں اللہ کی رحمت کو اپنے سے جدا جاننا بے عقل کی کوتاہی سے ہوا۔

سولہواں باب حق سبحانہ کی پنہانی مہربانیوں اور اُسکے بندوں پر احسانات کے بیان میں

صرف دار آخرت ہی کو اپنے مومن بندوں کے اعمال کے لئے محل جزا دو وجہ سے مقرر فرمایا ایک

تو اس وجہ سے کہ جو کچھ اُن کو دینا چاہتا ہے یہ دار دنیا اُسکو سما نہیں سکتی دوسرے یہ کہ دار بے بقا میں بدلہ دینے سے اُنکی قدر کو برتر اور بالا ٹھیرایا۔ **ف** اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کے اعمال صالحہ کا بدلہ دینے کے لئے آخرت کا گھر مخصوص فرما دیا اور دنیا کو مقرر نہ فرمایا تو اسکی دو وجہ ہیں اول تو یہ جو بدلہ ان اعمال کا مومنین کو وہ دینا چاہتا ہے یہ دنیا اسکو کسی طرح نہیں سما سکتی اسلئے کہ بہت چھوٹی ہے اور وہاں ادنیٰ مومن کو حدیث شریف میں آیا ہے کہ اسقدر ملیگا کہ اسکی مسافت سات سو سال میں ختم ہو اور آیا ہے کہ ادنیٰ مومن کو دنیا او ردنیا سے دس حصہ زائد ملیگا یہ تو کمیت کے اعتبار سے ہے اور کیفیت کے اعتبار سے بھی یہ دنیا وہاں کی نعمتوں کو نہیں سما سکتی اسلئے کہ دنیا کدورتوں کی جگہ ہے اور وہاں جو کچھ عنایت ہوگا وہ پاک صاف ہوگا چنانچہ حدیث میں وارد ہے کہ جنت کی ایک حور کے کنگن کا نور اگر دنیا میں ظاہر ہو تو چاند سورج کی روشنی ماند پڑ جائے اور مٹ جائے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کے مرتبہ کو بہت بلند بنایا ہے دنیا میں جو کہ فانی اور بے بقا ہے انکو بدلہ دینا یہ ان کی مراتب عالیہ کے خلاف ہے ان کی منزلت اللہ کے نزدیک اس سے بہت اونچی ہے کہ ایسے فانی اور بے ثبات گھر میں ان کو بدلہ دے اسلئے دار آخرت کو بدلہ دینے کے لئے مقرر فرمایا پس مومن کو چاہیئے کہ یہاں کی نعمتوں میں مشغول ہوکر آخرت کو نہ بھولے اور نیز یہاں کی مصیبت کو مصیبت نہ جانے

موافق طبع واقعات یعنی نعمتوں کا ہونا بھی ضروری ہے تاکہ آزمائش ہو کہ کون شکر کرتا ہے اور کون ناشکری۔

تیرا اس امر کو پیش نظر رکھنا کہ اللہ تعالیٰ ہی مصیبت پہونچانے والا ہے بالضرور تجھ پر تیری داد رسی کو

ہلکا کر دیوے گا کیونکہ جسکی طرف سے تجھکو تکالیف مقدرہ پہونچی ہیں وہ ہی ہے کہ جسنے ہمیشہ ہر امر میں تیرے

لئے بھلائی اختیار کی ہے **ف** اے مبتلائے مصائب اگر تو یہ بات قلب کے پیش نظر کرے کہ مجھ پر جو یہ

مصیبتیں آرہی ہیں ان میں اللہ تعالےٰ ہی مجھکو مبتلا کرنے والا ہے اسباب ظاہرہ کو اسمیں مطلق دخل

نہیں ہے تو ان مصائب سے جو تجھکو دکھ اور درد پہونچ رہا ہے وہ بہت ہلکا ہو جانے گا اس لئے

کہ جسکی طرف سے تجھکو یہ مصیبتیں پہونچ رہی ہیں وہ وہی ذات تو ہے کہ جس نے ہمیشہ ہر بات میں تیرے

ساتھ بھلائی اختیار فرمائی ہے اب یہ مصیبت جو اسکی طرف سے آئی ہے باوجود اسکے کہ تیرے ساتھ اُسکا

معاملہ ہمیشہ رحمت و شفقت کا رہا ہے تو ذرا سمجھ سے کام لے کہ اب وہ بدل تو نہیں گیا تو اس مصیبت

میں ضرور بالضرور یقینی بات ہے کہ مصلحت و حکمت ہو کہ ظاہر اوہ تجھکو بلا معلوم ہوتی ہے اور حقیقت میں

تیری خیر خواہی اور رحمت ہے پس جب یہ علم حال کے درجہ میں تیرے قلب کی صفت بن جائے گا

تو یہ پریشانی جو تجھکو اب ہے یہ نہ رہے گی گو اس مرض یا مصیبت کی وجہ سے ظاہر جسم یا ظاہر قلب دکھ

ہو لیکن باطن قلب میں انشراح اور قلب باغ باغ رہے گا۔

جس نے یہ گمان کیا کہ مصیبت اور تکالیف میں اُسکا لطف و مہربانی جدا ہے تو یہ اُسکی نظر عقل کا

قصور ہے۔ **ف** جس بندہ مومن نے یہ سمجھا کہ نعمت اور عیش اور مزہ کی حالت میں خدا تعالیٰ کی مہربانی

اور احسان ہے اور مصیبت اور تکالیف میں اُس کی مہربانی و لطف ہے جدا ہو گئی تو یہ اُسکی عقل

کی کوتاہی ہے اور کوتاہ بینی ہے کہ اُسکی نظر صرف ظاہر پر ہی حالانکہ مصائب میں وہ وہ باطنی نعمتیں

مومن پر ہوتی ہیں کہ ظاہری نعمتوں میں نہیں ہو سکتیں بلکہ ظاہری نعمتوں میں بہت سی آفات ہیں

اسلئے کہ جب نفس کو اُسکی مرغوب چیزیں ملتی ہیں تو اُسکو قوت پہونچتی ہے اور سرکشی اُسکی بڑھکر صحی

اور کم از کم غفلت میں ضرور مبتلا ہوتا ہے اور مصائب میں نفس کی قوۃ ٹوٹتی ہے اور چونکہ ایمان

ہے اسلئے وہ اُس حالت میں حق تعالیٰ کی طرف التجا کرتا ہے اور نیز صبر اور دنیا سے بے رغبتی اور

معرفت بدون اُسکی عطا کے نہیں ہوسکتی اور معرفت کے حاصل ہونے کی صورت یہی ہے کہ بندہ پر جو حالات
قضا و قدر سے آویں اُن سے اپنے مولیٰ کی معرفت حاصل کرے کہ وہ اسیواسطے اسکے حسب حال پیش
آتے ہیں پس جسکی عقل سلیم ہے وہ ہر حال سے معرفت رب سے حصہ لیتا ہے اسی مضمون کو شیخ ارشاد
فرماتے ہیں کہ اے سالک جسوقت اللہ تعالیٰ نے تجھ کو کوئی نعمت عطا فرمائی تو اس سے تجھکو اپنی جود
وکرم کی صفت کا مشاہدہ کرایا اور جسوقت تجھ سے اپنی نعمت روک لی اور تجھکو تکالیف وشدت کی حالت
پیش آئی تو اس حالت سے تجھکو اپنے قاہر غالب ہونے کی صفت دکھلائی تو وہ بڑا خوش نصیب ہے جو ہر حال
سے سبق لے اور ہر آن اپنے مولیٰ کی معرفت تازہ بتازہ حاصل کرے اور اُسکا قلب ہر وقت اپنے رب
کی معرفت کی دولت سے باغ باغ رہے پس وہ ہر حالت میں خواہ تیری طبع کے موافق ہو یا مخالف
اپنی معرفت سے جو تجھکو حصہ پہونچاتا ہے اور معرفت تمام نعمتوں سے بڑھکر ہے اسلئے ہر آن اپنے
لطف و احسان کے ساتھہ تیری طرف متوجہ ہے اور جو بندہ کوڑ مغز ہے اور اپنے نفس کے فرول کا
بندہ بن رہا ہے وہ نعمت کی حالت میں اُس نعمت پر متوجہ اور مولیٰ سے غافل اور اُس نعمت کا اپنے
کو مستحق سمجھنے اور اترانے والا ہوجاتا ہے اور مصیبت میں اُسکو مصیبت اور سختی ہوتی ہے اور نفس میں رب
کی شکایت آتی ہے ۔ نعوذ باللہ ۔

نہ دینا صرف اس وجہ سے تجھکو تکلیف رسان ہے کہ تجھکو نہ دینے میں اللہ تعالیٰ شانہ کی حکمت
ولطف کی فہم نہیں **ف** ای سالک تجھکو جو حق تعالیٰ نے افلاس و تنگدستی و مصائب میں مبتلا رکھا
ہے اور اس سے تیرے قلب کو تکلیف و دکھ پہونچتا ہے اسکی وجہ صرف جہل ہے کہ تیرے قلب کو
اس نہ دینے کی حکمت اور اسمیں جو لطف وکرم ہے اُسکا مشاہدہ نہیں ہے اور اگر تجھکو اس سے جہل نہ ہوتا
تو جیسا دینے سے خوش ہوتا ایسا ہی نہ دینے سے لذت پاتا بلکہ نہ دینے سے زیادہ لذت حاصل کرتا
اسلئے کہ فقر و فاقہ اور سختی و مصائب خاص بندوں کا حصہ ہے ۔

خلق کا نہ دینا تیرے لئے حرمان ہے اور اللہ تعالیٰ شانہ کا نہ دینا بھی احسان ہے **ف** ای سالک
مخلوق اگر تجھکو کچھ نہ دے تو ان کا یہ نہ دینا اگرچہ ظاہرا نہ دینا ہے اور نہ بظاہر تیرا نفع ہے کہ تجھکو بلا تعب ایک

اسلئے کہ اُسکے لئے وہاں وہ شئے طیار ہو رہی ہے جو اُسکے خیال و وہم با ہر ہے

بسا اوقات تجھکو دنیاوی زخارف عطا فرمائے اور حلاوت طاعت سے محروم کیا اور بسا

اوقات لذات دنیا سے محروم کیا اور توفیق بندگی عطا فرمائی **ف** ایسا بہت ہوتا ہے کہ تجھکو اللہ تعالےٰ دنیا کی زیب و زینت اور دنیا کی مزہ دار چیزیں عطا فرماتے ہیں اور تو کوتاہی فہم کی وجہ سے ان میں مشغول ہو جاتا ہے اور طاعت کی توفیق اور اُسکی حلاوت کی لذت سے محروم فرما دیتے ہیں اسلئے کہ نفس جب دنیا کے مزوں میں لگا ہوا ہے تو طاعت کی لذت اُسکو کیسے آسکتی ہے اور بہت مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ دنیا کی لذتوں سے تجھکو محروم فرما دیتے ہیں جسکو ظاہر بین محرومی اور بدنصیبی جانتا ہے لیکن اُسکے عوض میں بندگی کی توفیق اور اُسکی حلاوت عطا فرماتے ہیں پس بندہ کو چاہیئے کہ ظاہری عطا اور حرمان پر اپنی نظر کو نہ رکھے بلکہ حقیقت ہر شئے کی سمجھ کر ہر وقت کا حق ادا کرے۔

جب نہ دینے میں تیرے فہم کا دروازہ تیرے لئے کھولدیا تو یہ نہ دینا ہی عین عطا ہو جائے گا۔

ف فہم سلیم اور عقل کامل درحقیقت عارفین ہی کو ملی ہے اور دوسرے اس سے محروم ہیں اور یہ بڑی بھاری دولت ہے دین اور دنیا کی سعادت یہی ہے۔ فرماتے ہیں کہ اے سالک جب تجھکو دنیا یا دین کی کوئی نعمت اللہ تعالیٰ نے نہ دی ہو اور اس نہ دینے سے تیرے قلب میں کوئی حسرت اور غم پیدا نہیں بلکہ فہم صحیح سے تو سمجھتا ہے کہ اسی میں حکمت اور رحمت ہے اور اُسی پر قلب راضی اور خوش ہے کسی طرح تو یہ نہیں چاہتا کہ میری یہ حالت بدل جاوے بلکہ اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کے نہ دینے سے ویسا ہی خوش ہے جیسا دینے میں ہوتا تو اس نہ دینے کو نہ دینا کہنا ہی غلط ہو جائیگا اور یہ نہ دینا عین دینا اور عطا ہو جائے گا۔ اسلئے کہ یہ فہم اور اپنے مولیٰ کی قضا پر راضی ہونا اس نہ دی ہوئی نعمت سے بدرجہا زائد ہے۔

جب تجھ کو دیا تو اپنا جود و کرم دکھلایا اور جب نہ دیا تو اپنا قہر و غلبہ مشاہدہ کرایا پس وہ بہر حال اپنی

معرفت سے تجھکو بہرہ ور فرماتا ہے اور اپنے لطف و احسان کے ساتھ تیری طرف متوجہ ہے **ف** مقصود انسان کی پیدایش سے یہ ہے کہ آدمی کو اپنے مولیٰ اور اُسکی صفات عالیہ کی معرفت حاصل ہو اسیواسطے وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون کی تفسیر الا لیعرفون کے ساتھ حدیث میں آئی ہے اور اُس کی

اپنی طاعت کا دروازہ کشادہ فرما دیتا ہے یعنی تجھکو توفیق عبادات و طاعات کی دی جاتی ہے کہ رات دن
تو نوافل اور اذکار و اشغال و تلاوت و دیگر اعمال صالحہ میں مشغول رہتا ہے لیکن چونکہ تیری ان
طاعات میں اخلاص کا نور نہیں ہے یا یہ کہ اسکی وجہ سے تیرے اندر خود پسندی آگئی یا دوسرے
مسلمان بھائیوں کو حقیر اور اپنے آپ کو مقدس و پارسا جاننے لگا اس سبب ان طاعات کے لئے قبولیت
کا دروازہ نہیں کھولا جاتا ہے اور بہت دفعہ اسکے برعکس ہوتا ہے کہ گناہ کرنا تیرے اوپر مسلط کر دیا یعنی
تیری تقدیر میں اُس گناہ کا کرنا لکھدیا گیا تو لامحالہ وہ گناہ تجھ سے صادر ہوگا جو بظاہر بارگاہ خداوندی
سے مردود کر دینے والا ہے لیکن چونکہ تو نے اُس گناہ کے بعد توبہ کی اور نادم ہوا اور خدا تعالیٰ کی
طرف التجا کی اور اپنے آپ کو حقیر اور ذلیل جانا اور جس سے وہ گناہ نہیں ہوا اُوسکو اپنے سے بہتر
سمجھا تو اس سبب اور واسطہ سے یہ گناہ ہی تیری مغفرت کا سبب اور اللہ تعالیٰ تک پہونچنے کا ذریعہ
ہوجاتا ہے پس بندہ کو مناسب یہ ہے کہ ہر شئے کی ظاہری صورت نہ دیکھے بلکہ حقیقت پر نظر لگی رہے
اگر طاعت و عبادت کی توفیق ہو تو نہ کرنے والوں کو حقیر اور اپنے کو بڑا نہ سمجھے اور اگر گناہ ہوجائے
تو اس گناہ کے ظاہر کو دیکھکر رحمت سے نا اُمید نہ ہو۔

اللہ تعالیٰ شانہ کی دو نعمتیں ایسی عام ہیں کہ کوئی شئے اُس سے باہر نہیں ہوسکتی اور ہر ایک موجود
کے لئے وہ دونوں ضروری ہیں اول نعمت پیدا کرنا اور دوسری نعمت باقی رکھنے کی امداد پے
درپے بھیجنا **ف** اللہ تعالیٰ شانہ کی نعمتیں ہر مخلوق پر بے انتہا ہیں اور ہر ایک پر خاص خاص نعمتیں
بھی بے شمار ہیں لیکن دو نعمتیں ایسی عام ہیں کہ ہر شئے پر ہیں کوئی ادنیٰ شئے بھی ان دو نعمتوں سے
خالی نہیں اور ہر مخلوق موجود کے لئے وہ دونوں لازم ہیں اول نعمت تو ان میں سے پیدا کرنا ہے
کہ ہر شئے پیدا ہونے سے پہلے کچھ نہیں تھی اللہ تعالیٰ کا فضل ہوا کہ وجود بخشا اور پیدا فرمایا اور نہ ہونے
کو اُس سے دور کیا دوسری نعمت یہ ہے کہ بعد پیدا فرمانے کے ہر شئے اپنے باقی رہنے میں اللہ تعالیٰ
کی امداد کی ہر وقت و ہر آن محتاج ہے تو اللہ تعالیٰ نے ہر شئے پر پے درپے ہر آن اسکے باقی رہنے
کے لئے جن اشیا کی ضرورت ہے ان سے امداد پہنچتے رہتے ہیں اگر ایک آن کے لئے بھی امداد منقطع ہوجائے

سے ملی لیکن حقیقت میں یہ ملنا نہیں ہے بلکہ محرومی ہے اسلئے کہ مخلوق پر تیری نظر ہوگی اور جسقدر مخلوق کی طرف نظر ہوگی اتنا ہی اللہ تعالیٰ کی درگاہ سے تجھکو بُعد اور دُوری ہوگی اور حق تعالیٰ پر اعتماد کم ہو جائیگا اور اللہ تعالیٰ اگر نہ دیں اور فقر و فاقہ میں تجھکو رکھیں تو یہ بظاہر نہ دینا ہے لیکن حقیقت یہ اُسکا احسان اور عطا ہے اسلئے کہ اس صورت میں جو اصلی دولت ہے اُس میں ترقی ہوگی اور تیری نظر اپنے مولیٰ سے نہ ہٹے گی بلکہ اُسکی جانب التجا اور افتقار و احتیاج زیادہ ہوگی اور یہی مقصود ہے۔

جب تیری یہ حالت ہو کہ عطا سے تجھکو فراغ دلی ہو اور منع سے دلتنگی تو اس سے اپنا بارگاہ خداوندی میں اہل اللہ کا طفیلی ہونا اور عبودیت میں سچا نہ ہونا سمجھ **ف** اے سالک اگر تیری یہ حالت ہو کہ جب اللہ تعالیٰ نعمتیں عطا فرماویں تو تیرا دل کھلے اور عبادت و ذکر و شغل میں خوب متوجہ ہو اور اگر وہ نعمتیں عطا نہ فرماویں تو اس سے تجھکو دلتنگی پیش آوے اور عبادات میں گھبرائے تو اس علامت سے سمجھ لے کہ تیرا تو بارگاہ خداوندی میں اہل اللہ میں شمار نہیں ہے بلکہ تو ان حضرات کا محض طفیلی ہے کہ جیسے طفیلی بغیر بلائے مہمانوں کے ساتھ ہولیتا ہے اور بلا اجازت میزبان کے چلا آتا ہے اور زبان حال مدعی اسکا ہوتا ہے کہ میں بھی بلایا ہوا مہمان ہوں وہی حال تیرا ہے کہ تیرا محض دعویٰ ہے کہ میں بھی اللہ والوں میں ہوں اگر اللہ والوں میں سے ہوتا تو تیری حالت یہ نہ ہوتی اور نیز یہ علامت ہے تیرے عبودیت و بندگی میں سچے نہ ہونے کی اسلئے کہ تیری اس حالت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ نفس میں ابھی تک اپنے مزوں کی طلب اور اپنی مراد حاصل ہونے کا میلان موجود ہے اور یہ غلامی و بندگی کے منافی ہے اسمیں تو نفس کی بندگی کا شائبہ موجود ہے۔ ہاں اسلئے دلتنگی ہو کہ اُسکو یہ خوف طاری ہو کہ یہ حق تعالیٰ کا امتحان ہے اور اُسکی صفت قہر و غلبہ کا ظہور ہے دیکھئے مجھ سے اس حالت میں صبر ہو سکیگا یا نہیں اور میں اس حالت میں مستقیم و ثابت قدم رہونگا یا نہیں تو بندگی میں سچا نہ ہونیکی علامت نہیں ہے اسلئے کہ یہ دلتنگی و خوف بشریت کا مقتضیٰ ہے اور عارف میں بشریت کے عوارض رہتے ہیں

بسا اوقات تجھپر طاعت کا دروازہ کھولا اور قبولیت کا دروازہ نہ کھولا اور بسا اوقات گناہ تجھپر مسلط کیا اور وہ اُسکی بارگاہ عالی میں پہونچنے کا ذریعہ ہوگیا **ف** بہت مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ تیرے لئے حق تعالیٰ

جب اپنا فضل و احسان تجھ پر ظاہر کرنا چاہتا ہے اعمال صالحہ تجھ میں پیدا کر کے مدح کے موقعہ میں تیری طرف نسبت کر دیتا ہے **ف** جب اللہ تعالیٰ کسی بندہ پر اپنا فضل و احسان ظاہر فرمانا چاہتا ہے تو اعمال صالحہ و اخلاق حمیدہ اسمیں پیدا فرماتے ہیں اور مدح کے موقع میں اس بندہ کی طرف ان اعمال کی نسبت فرماتے ہیں یہ بندہ کے کمالات کی حقیقت ہے کہ اسکے فعل اور اختیار کو اسمیں کچھ دخل نہیں۔ اللہ تعالیٰ خود ہی اُسمیں اعمال پیدا فرماتے ہیں اور نسبت اسکی طرف کرتے ہیں چنانچہ اُسکو مومن متقی محسن کے القاب عطا فرماتے ہیں تو بندہ کو اگر عقل سلیم نہ ہو تو اس فضل کو دیکھکر اتراوے نہیں بلکہ شرماوے اور اپنے نفس کی طرف کسی صفت کو منسوب نہ کرے ہاں شرور اور نقائص کو اپنی طرف نسبت کرے اور صفات حسنہ کو مولیٰ کی طرف نسبت کرے۔

جسنے تیری تعظیم و تکریم کی درحقیقت اُسنے تیری تعظیم و تکریم نہیں کی بلکہ اُسنے تیرے مولیٰ حقیقی تعالےٰ شانہ کی پردہ پوشی کی تعظیم و تکریم کی کہ اُسنے تیرے عیوب کو چھپا دیا، تو تیری حمد و ثنا کا مستحق تیرا مولےٰ پردہ پوش ہے نہ تیرا تعظیم و تکریم کرنے والا۔ **ف** اے سالک جو شخص تیرے ساتھ تعظیم و تکریم سے پیش آئے یا کچھ دے یا محبت کا معاملہ کرے تو تو اس سے اترا مت اور یہ مت سمجھ کہ میرے اندر کوئی خوبی ہے اس نے درحقیقت یہ تیری تعظیم و تکریم نہیں کی بلکہ فی الواقع اُسنے حق تعالیٰ کی صفت پردہ پوشی اور ستاری کی تعظیم کی اسلئے کہ اگر اسکی پردہ پوشی نہ ہوتی اور تیرے عیوب نفسانی کو ظاہر فرما دیتا تو یہ تعظیم کرنے والا تیری طرف تھوکنا بھی روا نہ رکھتا اور سب تجھ سے نفرت کرتے اسلئے کہ تیرا نفس تو مجموعہ عیوب و شرور کا ہے تو تو اس تعظیم کرنے والے اور دینے والے و محبت کرنے والے کی تعریف مت کر حمد کے لائق تو وہ ذات ہے جسنے تیری پردہ پوشی کی اور وہ نہیں ہے جو تیری تعظیم و تکریم کرتا ہے اور تیرا شکریہ کرتا ہے پس اس موقع پر دو غلطیوں کا تجھ سے صادر ہونے کا احتمال ہے اول تو یہ کہ اُس تعظیم کرنے والے کی طرف تیری نظر ہو اور اُسکو تو محسن سمجھے حالانکہ محسن حقیقی اللہ تعالیٰ ہے کہ اُسنے پردہ پوشی فرمائی دوسری یہ کہ اس تعظیم و تکریم سے اپنے اندر کوئی خوبی سمجھے یہ بھی غلطی ہے ہاں اگر اپنے محبت کرنے والے اور تعظیم کرنے والے کا شکریہ ادا کرے کہ اللہ تعالےٰ نے اسکے ہاتھوں مجھے خیر پہونچائی

تو ہر شے پھر بدستور پردۂ عدم میں چلی جائے اور ہر شے کی بقا کی امداد کے لئے مختلف سامان ہیں مثلاً حیوانات کے لئے ہوا پانی غذا وغیرہ اور جمادات و اجرام سماویہ کے لئے انکی شان کے مناسب اور ملائکہ جنات وغیرہ کے لئے جو ان کے باقی رکھنے والی چیز ہے۔ علیٰ ہذا۔

اول تجھ پر ایجاد کی نعمت مبذول فرمائی اور دوسرے ہر لحظہ پے درپے ظاہری و باطنی بقا کی نعمت پہونچائی۔ **ف** ارشاد سابق میں ایجاد و امداد کی نعمت کا ہر شے پر ہونا بیان فرمایا تھا یہاں خاص انسان بلکہ مومن مخاطب ہے چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں کہ اے مومن تجھ پر اول تو ایجاد کی نعمت مبذول فرمائی یعنی تجھکو عدم سے وجود میں لایا اس سے سمجھ لے کہ میری اصل عدم محض ہے اور وجود میں اپنے مولیٰ کا محتاج ہوں اور احتیاج میرا ذاتی امر ہے اسکو فراموش نکروں۔ دوسرے ہر لحظہ اور ہر آن تیری ظاہری بقا اور باطنی بقا کے لئے نعمتیں پہونچا رہے ہیں ظاہری بقا تو اس جسم و حیات کا باقی رہنا ہے اُسکے لئے تو رزق و دیگر سامان معاش مہیا فرماتے اور باطنی بقا یہ کہ اُسکی روحانی اور ایمانی بقا کے لئے پے درپے امداد پہونچائی اور ہر آن پہونچائی جاتی ہے۔ اگر یہ امداد نہ ہو تو مومن گمراہ ہو جائے چنانچہ جن بندوں سے یہ امداد اُٹھا لیتے ہیں وہ گمراہ ہو جاتے ہیں پس جب تیری یہ حالت ہے کہ کسی آن اپنے مولیٰ سے مستغنی نہیں اور کوئی شے ایسی نہیں کہ جسکو تو اپنی بتا سکے اور اُس کا مستقل مالک ہو سرسے پا تک محتاج محض ہے تو یہ استقلال تیرے اندر کیسا ہے یہ پندار کیسی یہ خود بینی اور خود پسندی کیسی یہ کمالات کے دعوے کیسے صحیح ہونگے تجھکو چاہیے کہ بندہ بنے اور اپنی اصلیت کو پیش نظر رکھے اور دعوے و پندار کو چھوڑے۔

جب تجھکو ماسوا سے متوحش اور دل برداشتہ کر دیا تو تو سمجھ لے کہ وہ تیرے لئے اپنے ساتھ دل لگی اور اُنس کا دروازہ کھولنا چاہتا ہے **ف** اے سالک اگر تیری حالت یہ ہو کہ تیرا دل اللہ تعالیٰ کی یاد کے سوا کسی شے میں نہ لگتا ہو اور مخلوق سے گھبراتا ہو تو اس علامت سے تو سمجھ لے کہ اللہ تعالیٰ اپنے ساتھ تجھکو دل لگی اور اُنس عطا فرماویں گے اور اپنے ماسوا سے منقطع فرما دیں گے اور اگر مخلوق سے تیرا دل بہلتا ہو اور خلوت میں اور ذکر میں دل گھبراتا ہو تو سمجھ لے کہ یہ سخت خسارہ اور افلاس ہے۔

بعد تم اُس کو بھول گئے تو اگر یاد دلانے والا تم کو یاد دلائے اور پتے ونشان دے تو تم کو وہ یاد آجائیگا اور فوراً دل کو علم یقینی اُسکے دیکھنے کا ہوجائے اور اگر دیکھا ہی نہ ہو تو کتنا ہی کوئی پتہ ونشان دے یقین نہ آویگا اسلئے کہ یقین کس شئے کا آوے متخیلہ میں وہ صورت ہی نہیں ہے اسیطرح اگر روحانی مشاہدہ نہ ہوتا اور محض دلائل حق کے بھروسے تو یقین حوشل مشاہدہ کے ہے ہرگز نہ ہوتا اسلئے کہ یقین کامل جب آتا ہے تو اُسکا سہارا دلائل پر نہیں رہتا یقین کی مثال ایسی ہے جیسے گمشدہ شے اور بھولی ہوئی شے کو دیکھ لیتے ہیں اسیطرح وحدانیت و رسالت اور تمام امور معاد کا یقین کامل مومن کامل کے قلب میں اسی درجہ کا ہوتا ہے دلائل سے اسکو کچھ واسطہ نہیں ہوتا تو یہ یقین اُس مشاہدہ روحانی کے سبب سے ہے کہ جملہ حقائق کا روح کو مشاہدہ کرا دیا گیا جب روح اس جسم خاکی کے ساتھ مقید ہوئی تو اس جسم کے عوارض نے اُس مشاہدہ کو بھلا دیا اسلئے انبیاء کی تعلیم اور قرآن وحدیث نے یاد دلایا پس اگر فضل الٰہی شاملِ حال ہے تو ان عوارض کا پردہ اٹھ جاتا ہے اور روح پھر اپنے مشاہدہ اصلی کی طرف مشغول ہوجاتی ہے اور اعضاے ظاہری تو اُسکے تابع ہیں وہ بجا آوری احکام میں سرگرم ہوجاتے ہیں ۔ ذٰلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء ۔

گا ہے اپنی بادشاہت کی پوشیدہ چیزوں پر تجھکو مطلع کرتا ہے اور اپنے بندوں کے دلوں کے بھیدوں کی اطلاع تجھ سے روک لیتا ہے کیونکہ جو شخص بندوں کے بھیدوں پر واقف ہوا اور رحمت الٰہی کو اُسنے اپنی عادت نہ بنایا تو اُسکی یہ آگاہی آسکے لئے فتنہ اور اُسپر وبال کے آنے کا ذریعہ ہوجاتی ہے

ف ای سالک کبھی اللہ تعالیٰ تجھکو اپنی بادشاہت کی پوشیدہ چیزوں یعنی زمین آسمان کی مخفی اشیاء پر بذریعہ کشف اور الہام کے اطلاع فرما دیتا ہے مثلاً آئندہ کے واقعات یا کسی شہر دور دراز کے واقعات کا علم عطا فرماتا ہے لیکن اپنے بندوں کے دلوں کی باتوں اور بھیدوں کی اطلاع تجھکو نہیں دیتے اور تجھکو اسکی حرص بھی کرنا مناسب نہیں اسلئے کہ اس اطلاع نہ دینے میں تیرے لئے بڑی مصلحت اور حکمت ہی اسلئے کہ بندوں کے اسرار باطنہ پر اطلاع اُس شخص کو دی جاتی ہے جو اللہ تعالےٰ کی صفت رحمت کا مظہر اتم بن گیا ہو جیسے حق تعالیٰ کی صفت رحمت عام ہے کہ سب کچھ جانتے ہیں اور دلوں

ہے اور حقیقتاً نظر حق تعالیٰ کی طرف ہو تو کچھ مضائقہ نہیں۔

اگر اسکی خوبش آئینہ پردہ پوشی نہ ہوتی تو کوئی عمل قبولیت کے لائق نہ ہوتا۔ **ف** حق تعالیٰ کی صفت ستاری و پردہ پوشی کی اگر نہ ہوتی تو کسی کا کوئی عمل قبولیت کے لائق نہ ہوتا اسلئے کہ قبولیت کے لائق وہ عمل ہو کہ جسمیں نفسانی آمیزش اور غرض نام کو نہ ہو اور بندہ کا نفس خواہ کتنا ہی مزکی و مہذب ہو جائے لیکن پھر بھی نفس کو اپنی طرف نظر کرنی نہ کسی درجہ میں رہتی ہے گو وہ درجہ کم ہو اور گو کسیکو اسکا ادراک بھی نہ ہو اسلئے کہ نفس خلقتاً شر اور عیوب پر ہے پس یہ حق تعالیٰ کی پردہ پوشی ہے کہ بندہ کے عیوب پر نظر نہیں فرماتے اور بڑا حلم ہے کہ اسپر سزا نہیں دیتے اور اس سے بڑھکر یہ کہ اسکے اعمال جو کھوٹے اور عیب دار پونجی ہے قبول فرماتے ہیں ورنہ اُسکی درگاہ عالی کے قابل کسکا عمل ہو سکتا ہے پس اے سالک اسپر حد سے زیادہ غم مت کر کہ میرا عمل خالص نہیں اسمیں ریا ہے یا عجب ہے بالکل خالص ہونا محال ہے جب قبول فرماوینگے عیب ہی کو قبول فرماوینگے اور اُسی پر ثواب عطا فرماوینگے۔

پہلے اس سے کہ عالم ظاہر میں تجھ سے اپنی یکتائی پر گواہی لیوے عالم غیب میں تجھکو اپنی وحدانیت کا مشاہدہ کرایا تو ظواہر اُسکی اُلوہیت کے ساتھ تر زبان اور قلوب و سرائر اُسکی یکتائی کے یقین کناں ہوگئے۔ **ف** اے سالک تو جو اس عالم میں حق تعالیٰ کی وحدانیت کی گواہی دے رہا ہے اور اُسی کی عبادت و حمد و ثنا کرتا ہے اسکو بہت سمجھ کہ اسکا کوئی منشا اور علت پہلے سے نہیں ہے قبل اسکے کہ اس عالم ظاہر میں تجھ سے وحدانیت پر گواہی طلب کی جاوے عالم ارواح میں تجھکو اپنی وحدانیت کا مشاہدہ کرا دیا ہے پھر جب تو اس عالم میں جسم خاکی کے ساتھ مقید ہوا تو اُس روحانی مشاہدہ کی وجہ سے ظواہر یعنی تیرے اعضائے ظاہری اسکی الوہیت اور معبودیت کے ساتھ بولنے لگے چنانچہ زبان تو حقیقتاً وحدانیت کے ساتھ بولتی ہے اور دوسرے اعضا زبان حال سے ظاہر ہوئے پر حق کے معبود ہونے کو بتلاتے ہیں کہ اُسی کی بارگاہ میں سجدہ و رکوع کرتے ہیں اور قلوب اور لطیفۂ سر اُسکی یکتائی کا یقین کرتے ہیں اگر یہ روحانی مشاہدہ نہ ہوتا تو اس عالم میں یہ گواہی صفا کی اور قلب کا یقین نہ ہوتا اسکی ایسی مثال ہے جیسے کوئی شہر دیکھا یا کسی شخص سے ملا اور مدت کے

کے نگراں اور طالب ہیں اور چاہتے ہیں کہ ہم پر اسکا ظہور ہو اور ہم اسکی عنایت خاص کے مورد بنیں
اور اُسکی بارگاہ عالی کے مقرب و راز دار بنجاویں اور اس مطلوب کے لئے اعمال صالحہ اور دعائیں
کرتے ہیں اور یہ جانتے ہیں کہ ہم بذریعہ اپنے ان اعمال و دعاؤں و طلب کے اُس رحمتِ خاصہ کے
مستحق ہیں تو ان کی اس طمع کے قطع کرنے کے لئے ارشاد فرمایا یختص برحمته من یشاء
یعنی جسکو چاہے اپنی رحمت یعنی قرب و توجہ کے ساتھ مخصوص فرمائے یعنی تمہارے اعمال و طلب
کو اسمیں اصلا دخل نہیں ہے اس رحمت خاصہ کا مدار ہماری مشیت پر ہے ہم جسکو چاہیں
نوازدیں اور جسکو چاہیں نہ نوازیں اور جسکو نوازا ہے بلا علت نوازا ہے اور جسکو نوازیں گے بلا سبب
نوازدیں گے لیکن اسکے ساتھ ہی یہ بھی سمجھنا چاہیئے کہ گو اعمال صالحہ و دعا و طلب علت اُس
عنایت و رحمت کی نہیں ہیں لیکن اُس عنایت ازلیہ کی علامت ضرور ہیں کہ جس شخص سے اعمال
صالحہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے صادر فرماتے ہیں یہ اسباب کی علامت ہے کہ اُسکے حال پر توجہ و
عنایت ہے باقی اس بندہ کو یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ یہ اعمال مجھے اُس عنایت تک پہونچا دیں گے پس
اگر بندوں کو صرف اسی علم پر چھوڑا جاتا کہ عنایت آلہی کا مدار وہی ہے کہ جسکو وہ چاہے نوازے
اور اعمال صالحہ کی ترغیب کے متعلق کچھ نہ بتلایا جاتا تو تقدیر ازلی کے بھروسہ عمل کرنا چھوڑ دیتے حالانکہ
اعمال صالحہ اُس عنایت کی علامت ہیں تو اسلئے ارشاد فرمایا ان رحمة الله قریب من المحسنین یعنی
اللہ کی رحمتِ خاصہ نیکوکاروں کے نزدیک ہے پس نیک کاری اور اعمال صالحہ کو چھوڑنا مناسب نہیں
اعمال صالحہ کریں اور اُمید مشیت آلہیہ پر لگائے رکھیں اپنے اعمال پر مطلق نظر نہ رکھیں کہ اُنکو سبب
قرار دیں ورنہ یہ اعتماد اپنے نفس پر ہو جائے گا اور نظر اپنی طرف ہوگی اور اسی کو قطع کرنا مقصود ہے۔
پس مدار مشیت پر ہے ع تا یار کرا خواہد و میلش بکہ باشد۔

ازل میں اسکی عنایت بدون اسکے کہ تجھ سے کوئی امر عنایت کا مقتضی صادر ہو تیری طرف متوجہ ہوئی
اور تو کہاں تھا جب اسکی عنایت کا مواجہہ اور اسکی رعایت کی مدبھیڑ ہوئی ازل میں نہ عمل کا اخلاص تھا
اور نہ احوال کا وجود تھا بلکہ وہاں بجز محض فضل اور بڑی عظمت والی بخشش کے اور کچھ نہ تھا ف لہ رشاً

کے حال سے واقف ہیں لیکن پھر حلم اور رحمت سے چھپاتے ہیں اور جاہلوں سے درگذر فرماتے ہیں۔
اور بدکاروں سے جلدی مواخذہ نہیں فرماتے ہیں اور سب کی پردہ پوشی فرماتے ہیں۔ ایسی صفت اسکی
عادت بن گئی ہو اور جسمیں یہ بات نہ ہو تو یہ اطلاع اُسکے لئے فتنہ کا سبب ہو جائیگی اسلئے کہ اس شخص کو
اپنے نفس کی طرف نظر ہوگی اور اپنے آپ کو بڑا سمجھے گا اور دوسرے مسلمانوں کو حقیر جانے گا اسلئے
کہ آدمی کے دل میں بُری بھلی باتیں سب قسم کی آتی ہیں ہر شخص پاک اور مہذب نہیں ہے اور اُسکو
اُن خطرات پر اطلاع ہوگی تو اُسکو حقیر جانے گا اور اپنے آپ کو پاک سمجھے گا تو یہ اسکے لئے بڑا فتنہ ہوگا
اور نیز یہ اطلاع اُسپر وبال کے آنے کا ذریعہ بن جائے گی اسلئے کہ جب اسنے اپنے آپ کو بڑا جانا
تو یہ بڑا جاننا سخت وبال ہے کہ بڑائی خاصہ حق تعالیٰ شانہ کا ہے اور جو دوسرا اسکا مدعی ہوتا ہے اُسکی
گردن توڑی جاتی ہے پس خیر اسی میں ہے کہ اسرار عباد پر اطلاع نہ ہو اور جسکے اندر یہ اندیشہ نہ ہو
بلکہ رحمت اور درگذر کرنا اُسکی عادت ہو اُسکو بندوں کے راز پر اطلاع ہو جاتی ہے اور اسکے لئے
یہ فتنہ نہیں ہوتا۔

اپنی عنایت خاصہ اور توجہ کے بھید کے ظہور کی طرف اپنے بندوں کو نگراں پایا تو فرمایا اللہ
تعالےٰ جسکو چاہے اپنی رحمت کے ساتھ مخصوص کرے (اور طمع کی رگ کاٹ ڈالی) اور جب یہ دیکھا
کہ اگر اُن کو اسی کے ساتھ چھوڑ دیا جائے گا کہ بس عنایت وہی ہے تو تقدیر ازلی پر اعتماد کرکے عمل
کرنا چھوڑ دینگے تب یہ فرمایا کہ اللہ کی رحمت نیکو کاروں کے نزدیک ہے **ف** جاننا چاہئیے کہ حق تعالےٰ
کی رحمت دو قسم کی ہے ایک تو رحمت عامہ کہ جسکی وجہ سے ہر شئے کو وجود بخشا اور پھر اسکو مدت
معینہ تک باقی رکھا یہ رحمت تو کسی شئے کے ساتھ مخصوص نہیں ہے ہر شئے پر ہے چنانچہ ارشاد
ہے وسعت رحمتی کل شئ یعنی میری رحمت ہر شئے کو شامل ہے وہ یہی رحمت ایجاد اور بقا کی ہے اور
دوسری رحمت خاصہ ہے توجہ اور قرب اور عنایت کی یہ عام نہیں ہے اسکا مدار مشیت پر ہے کہ جس کو
چاہے بلا علت و بلا سبب اُسپر رحمت فرما کر اُسکو اپنا مقرب بنالیں اسی کی نسبت شیخ کا ارشاد
ہے خلاصہ یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے اپنے بندوں کو دیکھا کہ وہ اس عنایت خاصہ اور توجہ خاص کے راز

دین کو عزت و رونق دیدی یا کوئی شخص جو پہلے دین کا حامی اور خیر کے کاموں میں شریک ہوتا تھا وہ اگر اس سے روگردانی کر جاوے یا مر جاوے تو سمجھتے ہیں کہ اللہ کے دین میں کمی آگئی شیخ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یاد رکھو کہ کسی متوجہ ہونے والے کی توجہ اسکی بے انتہا عزت کو نہیں بڑہا سکتی اسلئے کہ اسکی عزت حقیقتاً عز و کامل ہے اسمیں بڑہنا محال ہے اور نہ کسی کی روگردانی اسکی عزت کو گٹھا سکتی ہے جو اسکی طرف متوجہ ہو تو اسکا نفع ہے یا اعراض کرے تو اسکا ہی نقصان ہے ۔

خلقت کے ہاتھوں تجھکو صرف اسلئے اذیت پہونچائی کہ تیرا دل ان میں تسکین نہ پاوے تجھکو مخلوق کی اذیت پہنچا کر ہر ایک چیز سے بردشتہ کیا تاکہ کوئی چیز اس مولیٰ حقیقی تعالیٰ سے تجھکو غافل نہ کر دے ۔

ف اے سالک اگر مخلوق سے تجھکو کسی قسم کی تکلیف پہونچے بے آبروئی کی یا اور قسم کی جانی مال کی تو اس سے گھبرامت اور پریشان مت ہو اسمیں تیرے لئے بڑی مصلحت ہے کہ تجھکو یہ تکلیف حق تعالیٰ کی طرف سے اسلئے پہونچی ہے کہ اگر تکلیف نہ پہونچتی بلکہ ان سے کوئی راحت پہونچتی تو تجھکو ان سے ایک قسم کی تسلی اور انپر اعتماد ہوتا اب اللہ تعالیٰ یہ چاہتے ہیں کہ تیرے قلب کو مخلوق کے ساتھ بالکل ٹھیراؤ نہ ہو اسلئے تجھکو مخلوق سے اذیت پہونچا کر ہر ایک چیز سے بردشتہ خاطر کر دیا اسلئے کہ عاقل کو مثلاً دو ایک کے تعلق سے تکلیف پہونچی اور ان کی بیوفائی و قلت ثبات ظاہر ہوا خواہ تو اس طرح کہ ان لوگوں ہی نے آزار دہی کا ارادہ کیا اور یا اس طور سے کہ ان سے مفارقت ہوگئی خواہ ان کے مرنے سے یا غائب ہونے سے اور اس سے قلب صدمہ زدہ ہوا تو دیگر مخلوق بھی ان ہی جیسی ہے اسلئے سب سے دل بردشتہ ہو جاویگا اور یہ حق تعالیٰ کی بڑی حکمت اور رحمت اسکے لئے ہوگی کہ کوئی شے اس مولیٰ حقیقی سے اس بندہ کو غافل نہ کریگی اور فنا ہونے کا مشاہدہ ہر شے میں دیکھیگا اسلئے کسی سے جی نہ لگاوے گا ۔

شیطان کو تیرا دشمن اسلئے بنایا کہ تجھکو اپنی طرف بیقرار کرے اور تیرے نفس کو شہوات کی طلب میں تجھ پر اسلئے ابھارا کہ دوامی طور پر تجھکو اپنی طرف متوجہ رکھے ۔ **ف** اے بندہ اللہ تعالیٰ نے شیطان کو تیرا دشمن بنا کر اسکی تجھکو اطلاع کر دی چنانچہ ارشاد ہے ان الشیطان لکم عدو مبین ۔ تو

ارشادِ سابق کے لیے بمنزلہ دلیل کے ہے فرماتے ہیں کہ اے سالک تو جو اپنے اعمال صالحہ اور اپنے احوال قلبیہ اور اپنی طلب کو عنایت اور قرب میں موثر جانتا ہے تو یہ تیرے فہم کی کوتاہی ہے اسلئے کہ ازل میں تجھ سے کونسا عمل ایسا ہوا تھا کہ جو عنایت کو مقتضی ہو حالانکہ عنایت کا تعلق تیرے ساتھ وہاں ہو چکا تھا اور تیرا وجود ہی کہاں تھا جبکہ اُس عنایت کا علم باری تعالیٰ میں تجھ سے آشنا سا ہوا اور مہربانی و رعایت کی تجھ پر پیشی ہوئی ازل میں نہ تیرے اخلاص کا وجود تھا نہ احوال تھے وہاں تو سوائے فضل اور عظمت والی بخشش کے کچھ بھی نہ تھا پس تو اس وقت اپنے اعمال کو اس عنایت ازلیہ میں کیوں دخیل سمجھ رہا ہے مناسب ہے کہ نظر قلب حق تعالیٰ کی رحمت پر رکھ اور اپنے اعمال سے نظر اُٹھا اور اپنے احوال کے مشاہدہ سے کنارہ کر۔

نہ تیری طاعت اُسکو کچھ نفع بخشتی ہے اور نہ تیری معصیت اُسکو کوئی نقصان پہونچاتی ہے تجھکو صرف اسلئے طاعت کا حکم کیا اور معصیت سے روکا کہ اسکا نفع تیری طرف عود کرے **ف** اے بندہ تیری طاعت حق تعالیٰ کی ذات پاک کو کوئی نفع نہیں پہونچاتی اسلئے کہ وہ سب سے غنی بالذات ہے اور نہ تیری معصیت اسکا کچھ بگاڑ سکتی ہے اسلئے کہ وہ زبردست قہار ہے طاعت کا حکم اور معصیت سے ممانعت تجھکو صرف اسلئے فرمائی کہ طاعت کرنے اور معصیت سے باز رہنے کا نفع دین اور دنیا میں تجھکو ہی ملے من عمل صالحا فلنفسه ومن اساء فعليها پس مقتضیٰ اسکا یہ ہے کہ طاعت کرے اور معصیت سے رک کر تیرے نفس کے اندر ذرہ برابر اسکا شائبہ نہ ہو کہ میں نے کوئی کام کیا ہے اسلئے کہ یہ اسوقت زیبا ہے جبکہ اس کام کا نفع کسی غیر کو ہو اگر کیا ہے تو اپنے واسطے اور نہیں کیا تب اپنا ضرر کیا دوسرے پر اسکا کیا احسان ہے اور کسی کا کیا نقصان ہے۔

کسی متوجہ ہونیوالے کی توجہ نہ اُسکی بے پایاں عزت و عظمت کو کچھ بڑہاتی ہے اور کسی روگردانی کرنے والے کی روگردانی اُسکی عزت کو گھٹاتی ہے **ف** نفس انسانی کا خاصہ ہے کہ اپنے اوپر دوسرے کو قیاس کیا کرتا ہے جیسا اپنی جنس کو اگر قیاس کرے تو کسی درجہ میں صحیح بھی ہو سکتا ہے لیکن یہ نفس جاہل حق تعالیٰ کی ذات پاک کو بھی اپنی حماقت و جہالت سے بعض امور میں قیاس کرتا ہے چنانچہ بعض جاہلوں کو اگر کچھ توجہ الی اللہ ہوتی ہے تو اسکے نفس میں شائبہ اسکا موجود ہوتا ہے کہ ہم نے اللہ کی طرف متوجہ ہو کر اللہ کے

بارگاہِ عالی میں عرض کیا کہ میں ضرور اُن کے پاس ان کے سامنے سے اور ان کے پیچھے سے اور اُنکے
داہنے اور بائیں سے آؤنگا یعنی ہر جہت سے اُن کو بہکاؤنگا تو تجھکو اسکی تدبیر کرنی چاہیئے کہ تو اپنے
مولے سے کہ جسکے قبضۂ قدرت میں تیری پیشانی ہے غافل نہ ہو اور اسی کی بارگاہ میں التجا کرے وہ تجھکو
اس دشمن سے بچائے گا۔

تجھکو اپنے عالمِ شہادت اور عالمِ غیب کے بین بین اسلئے پیدا کیا کہ تیری جلالتِ قدر اپنی مخلوقات
میں تجھکو معلوم کرادے اور یہ جتلا دے کہ تو ایسا یکتا موتی ہے جسپر تمام مخلوقات کی سیپ لپٹے ہوئے ہیں۔

ف ای انسان تجھکو اللہ تعالیٰ نے عالمِ شہادت یعنی عالمِ ظاہر اور عالمِ غیب کے بین بین پیدا فرمایا ہے
یعنے انسان نہ تو کامل طور سے اس عالم کی مخلوق ہے اور نہ پوری طرح عالمِ غیب جو ملائکہ کا عالم ہے
اسکی مخلوق ہے بلکہ دونوں کے درمیان درمیان ہے عالمِ ظاہر کا حصہ بھی لیے ہوئے ہے اور عالم
غیب کی بھی حظ رکھتا ہے اور اسکا بین بین ہونا ظاہراً وحسًا بھی ہے اور باطنًا معنےً بھی ظاہراً وحسًا تو اس
لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اسکو آسمان اور زمین کے درمیان میں پیدا فرمایا ہے اور تمام روئے زمین کی چیزیں
اسی کے نفع کے لئے پیدا فرمائی ہیں اور سب کو اسکا مسخر بنایا ہے اگر یہ کامل طور سے اس عالم
کی مخلوق ہوتا تو مثل دوسری اشیاء کے یہ بھی ہوتا اور تمام حیوانات و اشیاء پر یہ غالب و حاوی نہ ہوتا
تو اس سے معلوم ہوا کہ اسکا عنصر کوئی اور شے بھی ہے جسکی وجہ سے اسکو غلبہ تمام روئے زمین کی چیزوں
پر حاصل ہے اور وہ عنصر وہی عالمِ غیب کا تعلق اور لطیفۂ غیبی ہے اسلئے من کل الوجوہ یہ اس عالم
کی چیز نہیں ہے اور نہ من کل الوجوہ اُس عالم کی چیز ہے اسلئے کہ یہاں کی سب چیزوں کا محتاج ہے
اور سردی و گرمی یہاں کے جملہ عوارض سے مثل دیگر حیوانات کے متاثر ہوتا ہے اگر روحانی محض
ہوتا تو ان سب عوارض سے منزہ ہوتا۔ اور یہ بالکل ظاہر ہے اور معنےً و باطنًا اسلئے کہ اللہ تعالےٰ نے
انسان کو تمام موجوداتِ علویہ و سفلیہ لطیفہ و کثیفہ کا جامع بنایا ہے روحانی بھی ہے جسمانی بھی سماوی بھی
ہے ارضی بھی دیکھو اسمیں عقل اور معرفت و عبادت ہے یہ صفت فرشتوں کی ہے اور دوسرے کو گمراہ
کرنا اور خود گمراہ ہونا اور سرکشی اور حدود سے بڑھنا بھی ہے یہ صفت حیوانات اور جنات کی ہو خصوصًا کی

اسمیں یہ حکمت ہو کہ جب تجھکو حق تعالیٰ کے ارشاد اور نیز تجربہ سے اسکی عداوت ظاہر ہوگی اور خوب اچھی آنکھوں پہچانے گا کہ میرا ایک دشمن میرے نفس سے علیحدہ خارج میں بھی موجود ہے جو میرے دین اور دنیا دونوں کا دشمن ہے اور نیز اپنے ضعف اور عجز کی وجہ سے اسکا بھی علم ہوگا کہ مجھکو اسکے مقابلہ کی طاقت نہیں اسلئے کہ جو دشمن قوی بھی ہو اور ظاہری آنکھ سے نظر بھی نہ آوے تو اسکی دشمنی و عداوت بہت ہی خطرناک ہے اور نیز دنیا میں کوئی دوست یا مددگار بھی ایسا نظر نہیں آتا جو اس دشمن کی دشمنی کو دفع کیسے تو جب یہ سب علوم حال کے درجہ میں قلب پر وارد ہونگے تو ایسے وقت خواہ مخواہ تو حق تعالیٰ کی طرف ملتجی ہوگا اور اسی کی طرف تیری بیقراری ہوگی اور یہی عین مقصود ہے جو اسکی عداوت سے تجھکو حاصل ہوگا عدو شود سبب خیر گر خدا خواہد کا مصداق ہوجاے گا۔ اور اللہ تعالیٰ نے تیرے نفس کو شہوات کی طلب میں تجھپر اسلئے ابھارا کہ ہر وقت تجھ سے اپنے مرغوبات کی استدعا کرتا رہتا ہے کبھی کا نفس گناہ کی خواہش کرتا ہے کبھیکا نفس عمدہ عمدہ دنیا کی لذیذ چیزوں کی فرمایش کرتا ہے اور سالک اس سے پریشان ہوتا ہے اسلئے کہ اسکی یہ فرمائشیں اور غلبہ کرنا اسکو اصلی مقصود سے روکتا ہے تو اسمیں حق تعالیٰ کی حکمت اور رحمت بندہ کے لئے یہ ہے کہ نفس کے ساتھ مجاہدہ اور ریاضت کرے اور جب اس سے عہدہ برآ نہ ہو اسلئے کہ بندہ خود اپنی قوت سے اسپر غالب نہیں آسکتا تو لا محالہ التجاء الی اللہ کریگا اور چونکہ یہ دشمن ہر وقت اسکے ساتھ ہے اور اسکی دشمنی بھی ہر آن ہے اسلئے اسکی توجہ بھی حق تعالیٰ کی طرف دائمی ہوجاے گی اور ہر وقت کی حضوری اس دشمن کی دشمنی کی بدولت میسر ہوگی مگر یہ سمجھنا چاہیئے کہ یہ حضوری دائمی جب میسر ہوگی جبکہ نفس کی عداوت کا علم حالی و ذوقی ہوگا نرا علم کافی نہیں۔

جب تو یہ جانتا ہے کہ شیطان تجھ سے غافل نہیں ہوتا تو تو بھی اپنے ایسے مولیٰ سے کہ تیری پیشانی اسکے قبضۂ قدرت میں ہے غافل نہ ہو **ف** اے مومن اور اے سالک جب تو حق تعالیٰ کے ارشاد سے یہ جانتا ہے کہ شیطان کسی وقت تیرے گمراہ کرنے سے غافل نہیں ہے اور ہر وقت تاک میں لگا رہتا ہے چنانچہ ارشاد ہے لاٰتینهم من بین ایدیهم و من خلفهم و عن ایمانهم و عن شمائلهم یعنی شیطان نے

توکل کرنا اُسکا حال بن گیا ہو مخلوق کی اُسکی ہمت علیا کے سامنے کوئی قدر و منزلت نہ رہی ہو اور تمام اعمال میں شریعت کا اتباع اسکی طبیعت بنگیا ہو اور اُسکا کلام حق تعالیٰ کے سیدھے رستہ کی طرف رہنمائی کرے یعنی کلام میں ایسی تاثیر ہو کہ سنکر طالب کا دل اللہ تعالیٰ کی طرف کشش کرے ایسا شخص قابل صحبت کے ہے اور جس میں یہ اوصاف نہ ہوں اگرچہ ظاہر میں عابد زاہد ہو اُسکی ہمنشینی سے کوئی نفع نہیں بلکہ ضرر کا احتمال غالب ہی اسلئے کہ اُسکے نفس میں اغیار کے ساتھہ تعلق موجود ہے اور صحبت کا موثر ہونا ضروری ہے تو اسی صفت کا اثر اُسکے پاس رہنے والوں میں بھی آویگا۔

گاہے تو بدکردار ہوتا ہی لیکن تجھہ کو تجھ سے بدتر کی صحبت نیکوکار دکھلاتی ہے۔ **ف** مومن کو لازم ہی کہ جو شخص دین میں اپنے سے بہتر ہو اُسکی صحبت اختیار کرے کہ اُسکے پاس رہکر اپنے عیوب پر نظر ہو گی اور اپنی اصلاح کا فکر ہوگا اور اگر اپنے سے بدتر کی صحبت اختیار کی تو اُسکا لازمی اثر یہ ہے کہ باوجود اپنی بدکرداری کے اُسکی صحبت میں اپنا نفس نیک کار معلوم ہوگا اور نفس میں یہ بات ضرور پیدا ہو گی کہ اس سے تو میں اچھا ہوں اور اس صورت میں عیوب نفس کے ظاہر نہ ہونگے اور عجب میں مبتلا ہوگا اور نیز اپنے حال کو کافی سمجھے گا اور نفس سے راضی ہوگا۔

درحقیقت تیرا واقعی ہمنشین وہ ہی ہی جو تیرا عیب جانکر بھی تیرا ساتھی رہا اور بجز تیرے مولیٰ کریم تعالیٰ کے ایسا اور کوئی نہیں ہے **ف** مخلوق کی باہم حالت یہ ہے کہ اگر ایک کا دوسرے کو کوئی عیب معلوم ہو جاتا ہی تو اُسکے پاس آنا جانا ترک کر دیتے ہیں اور دل میں اُس سے نفرت پیدا ہو جاتی ہی اور خالق تعالیٰ شانہ ہر وقت بندوں کے لاکھوں عیب دیکھتے ہیں مگر بندہ کا ساتھہ نہیں چھوڑتے پس سچا ہمنشین وہ ہی ہی جو عیب جانکر بھی ساتھہ نہ چھوڑے اور وہ حق تعالیٰ ہی کی ذات پاک ہی مخلوق کو باوجود اسکے کہ تمام عیوب پر اطلاع بھی نہیں مگر اسپر بھی عیب دیکھکر یا گمان ہی سے ترک تعلق کر دیتے ہیں ہاں حضرات اہل اللہ اللہ تعالیٰ کے اخلاق سے متخلق ہیں ان کی کیفیت بھی یہی ہے کہ بڑے سے بڑا عیب دیکھتے پر بھی پردہ پوشی فرماتے ہیں اور ترک تعلق نہیں فرماتے تو اسکا نتیجہ یہ نکلا کہ آدمی کو چاہیئے کہ بس اپنے مولیٰ یا مولیٰ والوں سے تعلق رکھے اور دوسروں سے قطع کرے۔

حالت میں یہ شیر ہے اور بہ نتیجہ شہوت کی صورت میں خنزیر ہے اور دنیا کی حرص کے غلبہ کی حالت میں کتا ہے
اور حیلہ گری کی حالت میں یہ لومڑی ہے اور نشو ونما اسکا درختوں کی طرح ہوتا ہے اسلئے درخت بھی ہے
اور آسمان کی طرح اسرار وانوار کا محل ہے اسلئے آسمان ہے اور نرم وسخت اخلاق کے اُگنے کا مورد ہے
اسلئے زمین بھی اسکو کہنا صحیح ہے اور اسکا قلب تجلی گاہ حق ہے اسلئے عرش کے مشابہ ہے اور علوم
کے خزانے اسکے اندر موجود ہیں اسلئے لوح محفوظ سے بھی اسکو تعلق ہے اور جسوقت اسکے اخلاق درست
ہو جاویں تو یہ جنت ہے اور جب خلاق رذیلہ آمیں جمع ہوں تو یہ دوزخ ہے غرض تمام موجودات کے نمونے
آمیں موجود ہیں اسیواسطے اسکو عالم اصغر اور مظہر اتم کہا جاتا ہے اور ایسا جامع بنانے سے مقصود یہ ہے
کہ اسکو اپنا جلیل القدر ہونا تمام مخلوقات میں معلوم ہو جاوے اور وہ آگاہ ہو جائے کہ انسان ایسا موتی
اور گوہر یکتا ہے کہ جسکے اوپر تمام مخلوقات سکی سیپ چڑھے ہوئے ہیں یعنی تمام مخلوقات کا نمونہ لئے ہوئے
ہے اور جب اپنا جلیل القدر ہونا اسکو واضح ہوجائے تو اپنے کو مولی کی نافرمانیوں میں مبتلا کر کے ضائع
نہ کرے اور جیسا رفیع القدر اللہ تعالی نے اسکو بنایا ہے ویسا ہی بن جاوے اور اسکا طریقہ بجز اسکے
کچھ نہیں ہے کہ ہر وقت اپنے مولیٰ کی طاعت میں مشغول اور معاصی سے علیحدہ رہے۔

ستر ہواں باب صحبت و ہمنشینی کے بیان میں

ایسے شخص کی مجالست نہ کر کہ نہ جسکا حال تجھکو اللہ تعالی کی طرف برانگیختہ کرے اور نہ اُسکا کلام
تجھکو اللہ تعالی کی طرف رہنمائی کرے۔ **ف** سالک طالب کے لئے صحبت سے بڑھکر کوئی شے نافع
نہیں ہے جسنے کوئی دولت پائی صحبت ہی کی بدولت پائی اسلئے اس مقام پر شیخ علیہ الرحمۃ ایک قاعدہ
کلیہ ارشاد فرماتے ہیں جس سے معلوم ہوگا کہ کس شخص کی صحبت سالک کے لئے مفید ہے اور کس
کی مضر ہے چنانچہ فرماتے ہیں کہ جس شخص کا حال تجھکو اللہ تعالی کی طرف برانگیختہ نہ کرے اوسکی ہمنشینی
نہ کر الخ حال سے مراد یہ ہے کہ اسکی تمامتر توجہ اور مطلب کے تمام جہات اللہ تعالی کی طرف ہوں اور قلب
کی نظر مخلوق سے علیحدہ ہو گئی ہو اپنے تمام حالات میں اللہ ہی کی طرف التجا کرنا اور ہر امر میں اللہ پر

اس سے بجز قوۃ قدسیہ اور اہل اللہ کی توجہ کے رہائی ممکن نہیں ہے اور نفس وہمیات کی طرف بہت ہی راغب ہے اور حقائق سے بہت دور ہے اسلئے جب تک نفس کا تزکیہ میسر نہ ہو اس مرض کا نکلنا دشوار ہے ۔

جس چیز سے تو مایوس ہے اُس سے آزاد ہے اور جسکا طامع ہے اُسکا بندہ ہے **ف** قلب کے اندر جب کسی شے کی طمع اور لالچ پیدا ہوتا ہے تو اُسکا تعلق اُس شے کے ساتھ شدت سے ہو جاتا ہے تو گویا قلب اُس شے کا بندہ بنگیا اور پھر طرح طرح کی مصیبتیں اُسکی بدولت آدمی پر آتی ہیں اسلئے کہ اُسکے حصول کے لئے تمام ذلتیں برداشت کرے گا اور اگر قلب کے اندر یہ صفت پیدا ہو جائے کہ سب چیزوں سے مایوسی اور نااُمیدی اُسکو ہو جائے تو بس آزاد ہو گیا اور راحت وچین دائمی اُسکو میسر ہو گئی پس مسلمان کو تو کسی طرح شایاں نہیں کہ اپنے نفس کو دنیائے دنی کے پیچھے ذلیل کرے اور آخرت کو بھول جائے

انیسواں باب تواضع کے بیان میں

جس نے اپنے لئے تواضع کو ثابت کیا وہ بے شبہ متکبر ہے کیونکہ تواضع کا دعویٰ تو اپنی رفعت قدر کے مشاہدہ کے بعد ہوگا پھر جب تواضع کا اپنے لئے دعویٰ کیا تو گویا اپنے مرتبہ کی بلندی کا مشاہدہ کیا تو تو متکبر ہوا **ف** اپنے آپ کو سب سے حقیر اور پست جاننے کو تواضع کہتے ہیں اور بڑا جاننے کو تکبر کہا جاتا ہے اسکے بعد سمجھو کہ کسی شئے کا علم اُسکی ضد سے حاصل ہوتا ہے اگر کسی شئے کی ضد موجود نہ ہو تو اُس شئے کے معلوم ہونے کی کوئی صورت نہیں ہے دیکھو روشنی کا علم تاریکی کی بدولت ہے اگر دنیا میں روشنی ہی روشنی ہوتی تو روشنی کا ادراک ہرگز نہ ہوتا شجاعت کا علم بزدلی کی وجہ سے ہوا اگر بزدلی کا وجود نہ ہوتا تو شجاعت کا علم مفقود ہو جاتا پس جس نے اپنے لئے تواضع کو ثابت کیا یعنی متواضع ہونے کا دعویٰ کیا تو اسکے متکبر ہونے میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے اسلئے کہ اگر اپنی پستی اور عاجزی سے اس کا نفس سیر اور رنگین ہوتا تو اس پستی کا علم اور اس کا دعویٰ ہرگز نہ ہوتا اسلئے کہ اُسکی ضد یعنی کبر تو نفس میں موجود ہی نہیں پھر اپنی پستی کا علم ہوا تو کیسے ہوا دیکھو جو شخص کہ ہمیشہ تندرست ہی رہا ہو کبھی مرض اُس کے

تیرا عمدہ ساتھی وہ ہی ہے جو تیرا خواہاں ہو مگر نہ کسی اپنے ذاتی نفع کی اُمید پر **ف** سب سے بہتر ساتھی تیرا وہ ہی جو تیرے نفع کا خواہاں ہو اور اُس سے اپنی کوئی غرض ذاتی کی اُمید نہ ہو اور یہ شان بھی حق تعالےٰ شانہ کی ہی یا حضرات اہل اللہ کی کہ دوسروں کے بلکہ دشمنوں کے بھی خواہاں ہوتے ہیں اور اپنے لئے کسی نفع کی اُمید ان کو نہیں ہوتی اسلئے کہ ان کے قلب سے اپنی اغراض نفسانی بالکل نکل جاتی ہیں اُن حضرات کا تعلق جسکے ساتھ ہوگا اللہ کے واسطے ہوگا پس عاقل کو لازم ہے کہ اپنے مولیٰ سے اور حضرات اہل اللہ کے دامن سے لگا رہے اور دوسرے ساتھیوں اور دوستوں کو چھوڑ دے کہ سب کی دوستی اغراض پر مبنی ہوتی ہے۔

اٹھارواں باب طمع کے بیان میں

ذلت کی شاخیں بجز تخم طمع کے اور کسی چیز سے نہیں پھیلتیں۔ **ف** ذلت کے درخت کی شاخیں حرص اور لالچ کے بیج سے دل میں جمتی اور پھیلتی ہیں یعنی ذلت ہمیشہ حرص سے پیدا ہوتی ہے وجہ اسکی یہ ہے کہ جب حرص مال کی یا جاہ کی کسی شخص کو ہوگی تو اسکو خلق کے ساتھ تعلق اور ان کی التجا بھی ضرور قلب میں ہوگی اسلئے کہ مال اور جاہ کا حاصل بدون اسکے دشوار ہے اور اسکے قلب میں چونکہ یہ روگ موجود ہے اسلئے ہمیشہ لوگوں کی خوشامد اور اُن کی طرف قلب کو نگرانی ضرور ہے گی اور یہی بڑی ذلت ہے اور طمع ہی تمام خرابیوں کی جڑ ہے اور عزت حقیقی یہ ہے کہ قلب کو غیر اللہ سے تعلق نہ ہو سب سے مستغنی ہو یہ دولت حرص کے چھوڑنے اور قناعت کی صفت پیدا ہونے سے میسر ہوگی۔

وہم کے برابر تجھے کسی بُری چیز نے مقید نہیں کیا۔ **ف** یہ مضمون سابق کے لئے بمنزلہ دلیل کے ہے۔ مطلب یہ ہے کہ وہم کی برابر کوئی شے اسکو حرص اور طمع میں مقید نہیں کرتی ہے وہم کے ہی سبب حرص کے جال میں پھنستا ہے وہم اور گمان ہوتا ہے کہ فلاں شخص سے مجھکو نفع پہونچے گا اسلئے اُس کی طرف طمع ہوتی ہے اور لالچ جی میں آتا ہے کہ اُس سے ملو اور اس سے تقرب حاصل کرو یا گمان ہوا کہ فلاں حرفت یا صنعت یا تجارت سے نفع ہوگا اسمیں حرص ہوئی اور مبتلا ہوگیا غرض جسقدر زنجیریں تعلقات کی انسان کے پاؤں میں پڑتی ہیں اور آزادی اُسکی فوت ہوتی ہے وہ اس قوت وہمیہ کی بدولت ہے اور

یا کسی غریب کی خدمت کی اور قلب کے یہ کیفیت ہو کہ اُس غریب کی خدمت قبول کر لینے کو اپنا فخر سمجھے اور اپنے آپ کو اسکا اہل نہ جانتے۔

حقیقی تواضع وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی عظمت اور اُسکی صفت کی تجلی کے مشاہدہ سے پیدا ہو **ف** ظاہرُا تواضع اور عجز و انکساری کے کام کو عام لوگ تواضع جانتے ہیں لیکن حقیقی اور سچی تواضع وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے یہاں مقبول ہے اور اُسکی حقیقت یہ ہے کہ جسوقت حق تعالیٰ کی عظمت بندہ کے قلب پر ظاہر ہوا ور حق تعالیٰ کی صفات کی تجلی کا قلب کو مشاہدہ ہو تو اُسوقت بندہ کا یہ نفس سرکش پگھل جاتا ہے اور کبر و سرکشی کی جڑ اُس میں سے اُکھڑ جاتی ہے اور اُسکی باطل آرزوئیں فنا ہو جاتی ہیں اور تواضع و عجز پیدا ہو جاتا ہے اسکو ایک مثال سے سمجھو کہ ایک ادنیٰ چپراسی سے اگر حاکم وقت بات چیت کرنے لگے تو اس چپراسی کے قلب پر اُسکی بڑائی کا ایسا غلبہ ہوگا کہ اپنی کوئی صفت اُسکے پیش نظر نہ رہے گی اور اپنے آپ کو ایک حقیر اور ذلیل سمجھے گا پس جب ایک حاکم مجازی کا اسقدر اثر ہے تو حاکم حقیقی کی عظمت وصفات کا عکس جب قلب پر پڑے تو پھر بڑائی و سرکشی کہاں رہ سکتی ہے پس سچی اور مقصود تواضع یہ ہے کہ اسکے پیدا ہونے سے قلب کے اندر کبر کی جڑ ہی نہیں رہتی۔

جس معصیت سے مولیٰ حقیقی کے سامنے ذلت اور افتقار پیدا ہو وہ اُس عبادت سے بہتر ہے جو نخوت اور تکبر پیدا کرے **ف** طاعات و عبادات واذکار سے مقصود یہ ہے کہ بندگی اور اپنے مولیٰ کے سامنے ذلت و افتقار پیدا ہو اور نفس کی سرکشی اور کبر ٹوٹے تو اگر بشریت کی راہ سے گناہ ہو جائے کے بعد مومن کے اندر ذلت اور انکساری و ندامت اور اپنے نفس کی تحقیر اور اس گناہ سے اپنی ہلاکت جاننا یہ صفات پیدا ہوں اور عبادت کر کے نفس کے اندر نخوت اور مسلمانوں کی تحقیر اور طعن اور اپنے کو عابد زاہد جاننا یہ صفات پیدا ہوں تو ایسی طاعت کے ثمرہ سے اُس معصیت کا نتیجہ بہتر رہا مگر اسکا مطلب کوئی بدفہم یہ نہ سمجھے کہ طاعت کو چھوڑ کر معصیت اختیار کرے معصیت کا قبیح ہونا اور طاعت کا بہتر اور حسن ہونا بالکل بدیہی بات ہے یہاں شیخ کو اسپر آگاہ کرنا منظور ہے کہ اصل مقصود بارگاہ عالی تک رسائی کے لئے ذلت و افتقار کا حاصل کرنا اور کبر و نخوت کو دور کرنا ہے۔

پاس بھی نہ آیا وہ مرأس کی حقیقت نہ سمجھے گا اور نہ تندرستی کو اپنے لئے ثابت کرسکے گا اسلئے کبھی بعض
ہوا ہو تو تندرستی اُسکو ایک نئی شئے معلوم ہوا اور پھر اُسکا دعوے کرے اسی طرح پستی اور عاجزی کے
سوا اگر دوسری شے اندر ہوگی یعنی کبر کی صفت ہوگی تو اُسکو دیکھکر دعویٰ پستی و تواضع کا کرے گا
اور اگر پستی ہی پستی ہے تو پستی کا دعویٰ نہ ہوسکے گا اسلئے شیخ فرماتے ہیں کہ جب تواضع کا دعویٰ کیا تو
اپنے مرتبہ کی بلندی اور بڑائی دیکھی اور بغیر اسکے تواضع کو ثابت کرنا محال ہے اور اپنے کو بلند مرتبہ دیکھنا
بھی تکبر ہے اسلئے تو متکبر ہوا۔ خلاصہ یہ ہے کہ تواضع کی حقیقت یہ ہے کہ اپنی پستی اور خواری اپنی نظر
میں اسدرجہ ہو کہ اپنی رفعت شان یا کسی منصب جاہ کا وسوسہ تک بھی نہ ہو سر سے پا تک اپنے کو
خوار و ذلیل دیکھے اور جسکا یہ حال ہوگا وہ کبھی دعویٰ کسی بات کا نہ کرے گا نہ تواضع کا اور نہ اور کسی
صفت محمودہ کا اسلئے کہ دعویٰ جب کبھی ہوتا ہے وہ اپنی رفعت کے مشاہدہ سے ہوتا ہے۔

حقیقت میں متواضع وہ نہیں ہے کہ جب کوئی تواضع کا کام کرے تو اپنے آپ کو اُس سے بلند اور
بالاتر سمجھے بلکہ متواضع وہ ہے کہ جب تواضع کرے تو اپنے آپ کو اُس سے کمتر اور پست خیال کرے۔

ف عام لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ جو شخص عجز و انکساری و تواضع کے کام کرے وہ متواضع ہے جیسے کوئی
امیر آدمی اپنے ہاتھ سے کسی غریب کی خدمت کرے تو اُسکو کہتے ہیں کہ بیچارے بڑے منکسر مزاج
ہیں حالانکہ بعض مرتبہ اُس شخص کے اندر تواضع شمہ برابر بھی نہیں ہوتی اس لئے شیخ رحمہ اللہ
متواضع اور غیر متواضع کی حقیقت بیان فرماتے ہیں کہ متواضع درحقیقت وہ نہیں ہے کہ جب وہ
کوئی تواضع کا کام کرے تو اپنے آپ کو یہ سمجھے کہ میں اس کام سے بلند اور بالاتر ہوں مثلاً کرسی
چھوڑ کر فرش پر بیٹھ گیا تو فرش پر بیٹھنے کو اپنی قدر و منزلت سے پست سمجھے اور اپنے مرتبہ کو بلند جانے
اور یہ خیال کرے کہ میں لائق تو اسی کے تھا کہ کرسی پر بیٹھوں لیکن یہ میں نے تواضع اختیار کی ہے
اور بہت اچھا کام کیا تو یہ شخص متکبر ہے کہ اسکے دل میں اپنی قدر و منزلت ہے بلکہ متواضع وہ ہے
کہ تواضع کا کام کرکے اُس کام سے اپنے آپ کو پست اور ذلیل جانے مثلاً فرش پر بیٹھا اور یہ جانے
کہ میں تو ایسا خوار ہوں کہ اس فرش پر بھی بیٹھنے کی لیاقت نہیں رکھتا خالی زمین پر بیٹھنے کے لائق ہوں

مقام پر ٹھیرا دیا اور خبردار نہیں ہوتا اور کبھی صرف تجھکو تیرے ارادہ کے ساتھ ہی چھوڑ دیتا ہے **ف**
جاننا چاہیئے کہ بارگاہِ خداوندی سے جسقدر قرب زیادہ بڑہے گا اُسیقدر احکام بھی اُسپر زیادہ اور سوا خذات
بھی اوروں سے بڑھکر ہوتے ہیں بہت سی باتوں پر عوام سے مواخذہ وگرفت نہیں ہوتی اور خواص سے
ہوتی ہے اور فوراً ہوتی ہے اور ایسے طور سے ہوتی ہے کہ وہ بھی سمجھ لیتے ہیں کہ یہ ہماری فلاں بے ادبی کی
سزا ہے اسیواسطے کسی نے کہا ہے ع مقربان را بیش بود حیرانی ۔ بعض مرتبہ سالک ذاکر شاغل
سے حضرت حق میں کوئی بے ادبی کا کلمہ نکل جاتا ہے مثلاً کسی واقعہ نازلہ پر اعتراض کا کلمہ کہدیا یا کسی
مخلوق سے اپنی تکلیف کی شکایت کردی یا مشائخ میں سے کسی پر اعتراض کردیا یا اور کوئی ایسی بات ہوتی
کہ اس شخص نے اُس کو ہلکا جانا اور جب اُسپر فوراً سزا نملی تو یہ خیال کیا کہ اگر یہ بات بے ادبی اور گستاخی
کی ہوتی تو جو ظاہری اور باطنی نعمتیں مجھ پر ہورہی ہیں یہ بند ہوجاتیں ظاہری نعمتیں تو مال دولت
املاک کھانا پینا آنکھ کان ناک کا سلامت رہنا ہیں اور باطنی نعمتیں فیوض باطنیہ ہیں جو ہروقت سالک
کے قلب پر عالم غیب سے آتے ہیں پس یہ خیال کرنا کہ یہ امداد منقطع ہوجاتی سخت جہل ہے اسلئے کہ امداد
منقطع ہونے کےلئے یہ ضروری نہیں کہ تم کو خبر بھی ہو کیونکہ فیوض باطنیہ کی امداد کبھی ایسے طور سے
بند ہوجاتی ہے کہ اس شخص کو خبر بھی نہیں ہوتی اور اسکی کئی صورتیں ہیں کبھی تو یہ ہوتا ہے کہ زیادتی
اور ترقی بند ہوجاتی ہے کہ وہ جو دمبدم اسکے حالات میں ترقی ہوتی تھی وہ رُک جاتی ہے اور جہاں تھا وہاں
ہی رہتا ہے اور پھر بتدریج اسکے اور خدا تعالیٰ کے درمیان حجاب حائل ہوجاتا ہے اور یہ شخص جانتا ہے
کہ میری وہی پہلی حالت ہے حالانکہ بہت فرق ہوگیا ہے نعوذ باللہ منہ اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ سالک
اللہ تعالیٰ کے قرب سے دُور جا پڑتا ہے اور دوری کے مقام پہ ٹھہرا دیا جاتا ہے لیکن اسکو مطلق خبر نہیں ہوتی
اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ سالک کو اسکے ارادہ کے ساتھ چھوڑ دیا جاتا ہے یعنے پہلے تو اسکے اختیار اور
ارادہ کو اپنے ارادہ اور اختیار میں لے رکھا تھا اور اسکے ارادہ پر اسکو نہ چھوڑا تھا اور اس گستاخی کے بعد
پھر اس کے نفس کو اسپر مسلط کردیا اور مدد کو روک لیا پس مرید کو چاہیئے کہ نہایت ادب سے رہے اور زبان
و قدم کو سنبھالکر رکھے اور اس مقام پر یہ سمجھ لینا لازم ہے کہ ایسی بے ادبی اور گستاخی آسی ہوجاتی

بیسواں باب استدراج کے بیان میں

مولیٰ تعالیٰ شانہ کے احسان اور اپنے روزانہ عصیان سے ڈر کہ مبادا یہ تیرے لئے استدراج ہو چنانچہ

فرماتا ہے ہم بدرجہ بدرجہ ان کو اتار رہینگے ایسی طرح کہ وہ نہ جانیں گے **ف** بعض نافرمانوں اور سرکشوں کے ساتھ حق تعالیٰ شانہ کا معاملہ یہ ہوتا ہے کہ ان کی نافرمانی اور سرکشی پر مواخذہ و گرفت نہیں فرماتے اور باوجود معاصی اور نافرمانیوں کے ان کو مہلت دیتے ہیں اور نعمتیں عطا فرماتے ہیں جب وہ خوب غافل اور مست ہو جاتے ہیں اور کوئی دقیقہ نافرمانی میں نہیں چھوڑتے تو دفعتًا ان کو پکڑ لیتے ہیں اس معاملہ کو استدراج کہتے ہیں اور یہ نہایت خوف کی بات ہے۔ اور بعضوں کے ساتھ یہ برتاؤ ہوتا ہے کہ وہ ذرا بھی حدود سے نکلتے ہیں تو فورًا ان کو تنبیہ ہوتی ہے کوئی مصیبت آجاتی ہے مال جاتا رہتا ہے اولاد مر جاتی ہے اور ان حوادث سے ان کو فورًا تنبیہ ہو جاتی ہے اور اپنے مولیٰ کی یاد میں لگ جاتے ہیں غفلت سے باز آجاتے ہیں۔ یہاں شیخ استدراج کو بیان فرماتے ہیں۔ ارشاد ہے اے بندہ مولیٰ تعالیٰ شانہ کا احسان جو ہم پر دم بدم تجھ پر ہو رہا ہے اور تو ہمیشہ دلیری سے گناہ کرتا چلا جاتا ہے اور باز نہیں آتا اور تجھ کو اس پر کوئی تنبیہ بھی نہیں ہوتی بلکہ تجھ کو منہ مانگی مرادیں مل رہی ہیں تو اپنی اس حالت سے بہت ڈر ایسا نہ ہو کہ تیرے ساتھ حق تعالیٰ کا یہ معاملہ استدراج ہو کہ تجھ کو مہلت مل رہی ہو اور پھر دفعتًا تجھ سے مواخذہ ہو اور اس کی دلیل خود قرآن میں موجود ہے چنانچہ ارشاد ہے سنستدرجهم من حيث لا يعلمون یعنی ہم ان کو درجہ بدرجہ آہستہ آہستہ درجوں سے گرا دینگے ایسی طرح کہ ان کو خبر بھی نہ ہوگی درجوں سے آہستہ آہستہ اتارنے کا مطلب یہی ہے کہ غفلت بعد غفلت بڑھاتے چلے جائیں گے اور منہ مانگی مرادیں دیں گے جب اچھی طرح غافل ہو جائیں گے پھر دفعتًا عذاب آجائے گا۔

مرید کی بڑی نادانی ہے کہ بے ادبی سے پیش آوے اور جب سزا میں تاخیر ہو تو خیال کرے کہ اگر یہ بے ادبی ہوتی تو بارگاہ عالی سے ظاہری یا باطنی نعمتوں کی امداد منقطع ہو جاتی کیونکہ کبھی اس طرح مدد منقطع ہوتی ہے کہ خبر بھی نہیں ہوتی صرف زیادتی کو ہی روک دیتا ہے اور کبھی بارگاہ سے دوری کے

تو زیادہ اہتمام کے قابل عبادت ظاہرہ ہوئی جسکو ورد کہتے ہیں اور دوسری وجہ یہ ہے کہ ورد کا طلبگار تو مولیٰ تعالیٰ شانہ ہے اور واردات کا تو خواہاں ہے تو پھر سے مطلوب اور اُسکے مطلوب میں کیا نسبت ہے؟ اُسکے مطلوب کا تجھکو بہت زیادہ اہتمام لازم ہے خلاصہ یہ ہے کہ سالک کو چاہیئے کہ جو شغل و ورد اُس نے مقرر کرلیا ہے اُسپر مداومت کرے اور اُسکو وارد کے مقابلہ میں حقیر نہ سمجھے اسلئے کہ واردات کے نزول کا سبب عادی بھی ورد ہی ہے۔

جب تو کسی بندہ کو دیکھے کہ امداد غیبی کے ساتھ اوراد کا پابند اور اُن پر مداوم ہے تو اس عطا ہونے کو اس وجہ سے کہ تو نے اُسپر عارفین کی ہیئت اور اہل معرفت کی رونق و تازگی نہیں دیکھی حقیر نہ سمجھ کیونکہ اگر تجلیات آلہیہ کا ورود نہ ہوتا تو ورد کی مداومت بھی نہ ہوتی **ف** اللہ تعالیٰ کے خاص بندے دو قسم پر ہیں مقربین اور ابرار مقربین وہ ہیں جنکے ارادے اور اختیار اور نفسانی خواہشیں سب فنا ہوگئیں اور اللہ تعالیٰ کے ارادہ و اختیار کے ساتھ اُن کی بقا ہے اور اپنے رب کے حقوق محض بندگی اور غلامی کی راہ سے ادا کرتے ہیں اُن کو جنت اور دوزخ سے کچھ سروکار نہیں اور ابرار وہ ہیں جنکی نفسانی خواہشیں اور ارادے باقی ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت جنت حاصل ہونے اور دوزخ سے نجات ہونے کے واسطے کرتے ہیں جنت میں بڑے بڑے درجے اُنکا منظور نظر ہے اور دونوں قسموں کا ذکر قرآن مجید کے اندر اشارتاً یا تصریحاً موجود ہے شیخ علیہ الرحمۃ اس کلام میں ابرار کا ذکر فرما رہے ہیں خلاصہ ارشاد کا یہ ہے کہ جب تم یہ دیکھو کہ کوئی بندہ اپنے عبادات و اوراد کا پابند ہے اور کبھی اُسکا ورد ناغہ نہیں ہوتا اور امداد غیبی بھی اُسکے ساتھ ہے یعنی عبادات و اوراد معمولہ کے ادا میں اُسکو کوئی مانع پیش نہیں آتا اللہ تعالیٰ نے تمام موانع اور مشاغل کو اُس سے برطرف کرکے عبادت میں اُسکو مشغول کر رکھا ہے لیکن باوجود ان سب باتوں کے عارفین کے اندر جو بات ہوتی ہے وہ اُسکے اندر نہیں یعنی نفسانی غرضوں اور طبعی خواہشوں کا وہ پابند ہے مثلاً عمدہ کپڑے پہننے کا شوق ہے یا لذیذ کھانوں کا پابند ہے اور دوام ذکر و حضوری اُسکو میسر نہیں ہے اور نہ اُسکے چہرہ پر اہل معرفت و محبت کی سی تازگی و رونق و انوار و برکات معلوم ہوتے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے اُسکو جو یہ دولت عطا فرمائی ہے کہ اپنے معمولات کا پابند ہے اُسکو تم ان علامات

جسکے نفس کا فنا تام نہ ہوا ہو اور بعد فنائے کامل کے نہ بے ادبی کی مجال ہے اور نہ حجاب وبُعد پیش آویگا
یعنی جو صفت مذمومہ نفس سے فنا ہو گئی ہے وہ عود نہ کرے گی ۔

اکیسواں باب ورد و وظیفہ کے اور قلب پر وارد ہونے والے انوار و برکات کے بیان میں

اعمال واذکار کی مداومت کو بجز نہایت جاہل کے اور کوئی حقیر نہیں سمجھ سکتا واردات الٰہیہ تو دار آخرت میں بھی موجود ہونگے اور اوراد و وظائف اس دار دنیا کے اختتام پر ختم ہو جائیں گے تو زیادہ اہتمام کے قابل وہ ہے جسکا کوئی قائم مقام نہ ہو ورد کا تو تیرا مولیٰ تعالیٰ تجھ سے طلبگار ہے اور وارد کا تو اس سے خواہاں ہے تو بھلا تیرے مطلوب کو اُسکے مطلوب سے کیا نسبت ہو

ف بندہ جو عبادت ظاہری جیسے نوافل واذکار وغیرہا یا باطنی جیسے مراقبہ و شغل قلب اپنے اختیار سے کرتا ہو اسکو ورد کہتے ہیں اور جو حق تعالیٰ کی طرف سے انوار و لطائف بندہ کے دل پر بلا اختیار وارد ہوں اُنکا نام وارد ہے . سالک کو بسا اوقات یہ غلطی ہوتی ہے کہ جو عبادت یا ذکر وغیرہ اپنے اختیار سے کرتا ہو اُسکی اتنی وقعت قلب میں نہیں ہوتی جس قدر واردات کی ہوتی ہے اور وجہ اسکی یہ ہے کہ چونکہ عبادت اختیاریہ سب ہی کرتے ہیں اور نیز اپنے اختیار کو بھی اسمیں دخل ہے اسلئے مثل دیگر افعال اختیاریہ کے کچھ وقعت نہیں ہوتی اور وارد بلا اختیار قلب پر آتا ہے اور ہر ایک کے قلب پر آتا نہیں اسلئے نفس کو اسکی وقعت زیادہ ہوتی ہے حالانکہ یہ غلطی ہے شیخ رحمہ اللہ اسی غلطی کا ازالہ فرماتے ہیں کہ اعمال واذکار کی مداومت کو واردات قلبیہ سے وہ شخص حقیر جانے گا جو بہت ہی جاہل ہوگا اور اسکی دو وجہ ہیں ایک وجہ تو یہ ہے کہ واردات تو آخرت میں بھی ہونگے بلکہ دنیا سے بہت زیادہ ہونگے اسلئے کہ یہاں تو کدورات بشریہ اور اس جسم کا تعلق اُنکا مانع موجود ہے اور وہاں یہ سب موانع مرتفع ہو جائیں گے اور ورد و وظائف و عبادت جو اس جسم و قلب سے انسان کرتا ہے وہ دنیا ہی میں ہو سکتی ہے تو عبادت اور اوراد کا قائم مقام مرنے کے بعد کوئی چیز نہیں اور واردات یہاں بھی ہیں اور وہاں یہاں سے زیادہ

صدقات زیادہ دیتے ہیں اور بعض کو حج کا شوق ہی اور بعض کو خلوت نشینی زیادہ پسند ہے تو اس اختلاف کا سبب واردات کا اختلاف ہی جسکے قلب پر جس قسم کا حال من جانب اللہ وارد ہوتا ہی ظاہر میں اُسی قسم کے اعمال صادر ہوتے ہیں پس اعتراض کسی پر کوئی نہ کرے اسلئے کہ ہر شخص اپنے وارد کے موافق چلنے پر مجبور ہے باقی اسمیں شک نہیں ہی کہ جسکے تمام احوال قلبیہ و اعمال ظاہرہ میں توسط ہی ایسا شخص اکمل و افضل ہے کہ اسمیں اتباع ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا۔ گو توسط کامل تو حضور ہی کا حصہ تھا لیکن جو درجہ اسکا کسی کو نصیب ہو وہ شخص افضل دیکھا تے زمانہ ہی مگر ایسے شخص کا وجود بہت نادر و کم یاب ہے لاکھوں کروروں میں ایک ہی ہوتا ہی جو نیابت نبویہ سے مشرف ہو ایسے شخص کے احوال و اعمال اور سب امور میں توسط ہوتا ہی اور افراط و تفریط سے دور ہوتا ہے ٭

اعمال کی خوبیاں احوال کی عمدگیوں کے نتیجے ہیں اور احوال کی خوبیاں مقامات معرفت میں ثابت قدمی سے پیدا ہوتی ہیں۔ **ف** اعمال سے مراد اعمال ظاہرہ ہیں احوال سے مراد وہ احوال و خصائل قلبیہ ہیں جو قلب میں قائم ہیں جیسے زہد قناعت تواضع اخلاص وغیرہا مقامات معرفت سے مراد جو عارفین کے قلوب پر حق تعالیٰ کی تمام صفات جلال و جمال یا کسی صفت کا عکس پڑتا ہی یا یوں کہو کہ تجلی ہوتی ہے۔ فرماتے ہیں کہ اگر احوال عمدہ ہوں گے مثلاً قلب خصائل حمیدہ تواضع اخلاص قناعت زہد وغیرہ سے آراستہ ہے اور صفات مذمومہ سے پاک ہوگیا تو اعمال ظاہرہ بھی عمدہ ہوں گے یعنی جو آفات قبولیت کو روکنے والی ہیں وہ ان میں نہ ہونگی مثلاً ریا عجب خود پسندی سے خالی ہونگے اور نیز ان اعمال میں حضور و خشوع ہوگا اور وساوس سے پاک ہونگے اور مقامات معرفت میں اگر ثابت قدمی ہی یعنی تجلیات الٰہیہ کے مقامات میں یہ شخص متمکن ہے تو احوال میں بھی کمال ہوگا یعنی تجلی جس درجہ کی ہوگی اُسی درجہ کے احوال بھی ہونگے مثلاً ہیبت و عظمت اگر غالب ہوگی تو نفس کی سرکشی و تکبر مغلوب ہو جائیگا اور تواضع و زہد پیدا ہوگا انس باللہ کا اگر غلبہ ہوگا تو مخلوق سے علیحدگی کو پسند کریگا اور اگر تجلی قوی نہیں تو احوال میں اُسیقدر کمی اور نقص ہوگا اور اسی نقص کے موافق ظاہری اعمال میں بھی فتور و نقص ہوگا اور ریا و دیگر آفات کا شائبہ شامل ہوگا۔

تجھپر معرفت ربانی کا وارد اسلیے بھیجا کہ تو اُسکے سبب بارگاہ عالی میں وارد ہونے کے لائق ہو جاوے

کے نہ ہونے سے حقیر نہ سمجھو اور یہ خیال نہ کرو کہ بغیر ان علامات کے یہ ورد وظائف کوئی چیز نہیں ہیں کہ یہ سخت بے ادبی ہے اسلئے کہ بدون تجلیات الٰہیہ کے اس درجہ کی استقامت اور پابندی ہو نہیں سکتی اُسکے قلب پر تجلی الٰہی ضرور ہو کہ جسنے اُسکو برابر پابند بنا رکھا ہو اُسکے قلب نے کوئی تو ذائقہ پایا ہے کہ جسکی وجہ سے یہ دولت پابندی کی اُسکو میسر ہے اگر خالی اور خشک محض ہوتا تو پابندی اور استقامت نصیب نہ ہوتی ہاں یہ ضرور ہے کہ جس درجہ کی عارفین پر تجلیات ہوتی ہیں کہ اُن کو اور اُن کی خواہشوں اور ارادوں واختیار کو بالکل فنا کر دیتی ہیں اُس درجہ کی تجلی اسپر نہیں تو اگر تم نے اسکو حقیر سمجھا تو یہ جہل اور کمی عقل اور بے ادبی کی بات ہے

امداد الٰہیہ کا ورود بقدر قابلیت اور استعداد کے ہوتا ہے اور انوار کی روشنی بقدر صفائی اسرار باطنی کے ہوتی ہے ف قلب پر انوار و برکات الٰہیہ کا نزول بندہ کی قابلیت اور استعداد کی موافق ہوتا ہے اگر اس بندہ کی قابلیت کامل ہے اور اپنے اوراد میں اُسکو پوری مستعدی ہے کہ دل کو خطرات و اغیار و کدورات سے پاک رکھتا ہے اور طہارت ظاہری پر بھی مداومت کی سعی کرتا ہے اور اپنے اوراد معمولہ کا پورا پابند ہے تو واردات اور انوار و برکات بھی اسی درجہ کے نازل ہونگے اور جسقدر اسمیں کمی ہوگی اُسیقدر واردات میں بھی کمی اور نقص واقع ہوگا اور واردات و انوار و برکات ان سب سے مقصود یقین و معرفت الٰہی ہے اور یقین و معرفت کے انوار کی روشنی باطن اور لطائف کے صفائی کے موافق ہے اور باطن کی صفائی ظاہری اوراد کی مداومت پر موقوف ہے پس بندہ کو اپنے معمولات ظاہرہ اور طہارت کی مداومت میں سعی بلیغ کرنا چاہئیے اور اسی کو اہم و ضروری جانے۔

وارد ہونے والے احوال ہی کے اختلاف کے سبب اعمال کی جنسیں مختلف ہوتی ہیں ف جاننا چاہئیے کہ اعمال ظاہرہ قلبی حالات کے تابع ہیں قلب پر جس قسم کا حال وارد ہوتا ہے اعمال ظاہری بھی اسی قسم کے صادر ہونگے اسلئے فرماتے ہیں کہ اعمال ظاہرہ جو مختلف ہوتے ہیں اُنکا سبب یہ ہے کہ احوال و واردات مختلف ہیں مطلب یہ ہے کہ بعض سالکین کو تو ہم دیکھتے ہیں کہ نوافل سے اُن کو زیادہ دلچسپی ہے اور بعض کو روزوں سے زیادہ اور وہ اسی میں مشغول ہیں اور بعض دعا میں اپنا وقت زیادہ صرف کرتے ہیں اور بعض

گر یہ سب علوم و معارف ذاتی ہیں من لم یذق لم یدر جس پر گذرے وہ جانے اللہ تعالیٰ نصیب فرماوے

وما ذلك على الله بعزيز

واردات الٰہیہ اکثر اوقات اچانک اس لئے پیش آجاتے ہیں تاکہ عباد اپنی قابلیت اور استعداد کے سبب ان کے مدعی نہ ہوجائیں **ف** حق تعالیٰ شانہ کی طرف سے بندہ کے دل پر جو اسرار و معارف وارد ہوتے ہیں پہلے ہی کئی بار گذر چکا ہے کہ ان میں بندہ کے اختیار کو دخل نہیں ہوتا بعض مرتبہ یہ بندہ منتظر اور مستعد ہو کر بیٹھتا ہے لیکن ورود نہیں ہوتا اور اکثر اوقات ایسے وقت ہوتا ہے کہ خیال ہی نہیں ہوتا کہ اسوقت کوئی دولت آنیکا وقت ہے اچانک پیش آجاتا ہے اور وجہ اس اچانک آنے کی یہ ہے کہ اگر بندہ کے اختیار سے نزول ہوا کرتا تو بندہ اپنی استعداد و قابلیت کو اسکا سبب سمجھ کر ان کا مدعی نہ بن جاوے اور یہ خیال کرے کہ میں بسبب اپنی استعداد کے اسکا اہل ہوں اور یہ دعویٰ دپندار اسکی ہلاکت کا باعث نہ ہوجاوے اور مولیٰ تعالیٰ شانہ سے غافل ہو کر عجب میں مبتلا نہ ہوجاوے ان واردات کی مثال تو ہدیہ و تحفہ کی سی ہے حق تعالیٰ جب چاہے اپنے فضل سے متوجہ ہوجاوے اور بندہ کے دل پر یہ ہدایا بھیجے۔

سالک کو اپنی واردات کا بیان کرنا بجز اپنے شیخ مرشد کے نہیں چاہیئے کیونکہ یہ دل میں اسکی تاثیر کم کردے گا اور اپنے پروردگار کے ساتھ سچائی سے روکدے گا۔ **ف** سالک کو یہ مناسب نہیں ہے کہ اپنے واردات اور احوال قلبیہ بجز اپنے شیخ کے کسی سے بیان کرے اسلئے کہ بیان کرنے سے نفس خوش ہوتا ہے اسلئے کہ اسمیں اسکی بزرگی اور بڑائی ظاہر ہوتی ہے اور نفس جب خوش ہوا تو نفس کی صفات مذمومہ کو قوت ہوتی ہے اور اس سے اس وارد کی تاثیر کم ہوجاویگی اسلئے کہ اسکی تاثیر کا خلاصہ تو یہی تھا کہ وہ وارد قلب پر غالب ہو کر نفس کی سرکشی اور انانیت کو پارہ پارہ کردے اور جب اسکو قوت پہونچے تو وارد کی تاثیر خود کم ہوجاویگی اور جب نفس کی صفات مذمومہ کو قوت ہوگی تو یہ امر اپنے رب کے ساتھ سچائی کے معاملہ کو روکدے گا اسلئے کہ رب کے ساتھ سچائی کا معاملہ یہ ہے کہ نفس ہر وقت اپنے رب کے سامنے ولیل رہے اور خشوع و عبدیت کی کیفیت کو کسی وقت ہاتھ سے نہ دے اور جب وارد کو

وارد اسلئے تجھ پر بھیجا کہ تجھکو اغیار کے پنجہ سے چھڑاوے اور شہوات نفسانیہ کی غلامی سے آزاد کرے۔ وارد اس

لئے تجھ پر بھیجا کہ تجھکو تیرے وجود کے قید خانہ سے نکالے اور مشاہدہ مولیٰ کے وسیع میدان میں پہونچاوے۔

ف وارد سے مراد معارف و اسرار و علوم وہبیہ ہیں جو بندہ کے قلب پر بے اختیار وارد ہوں جیسا کہ پہلے بھی آچکا ہے یہاں شیخ نے واردات کے نزول کے تین سبب بیان فرمائے ہیں خلاصہ یہ ہے کہ طالب جب اول ذکر و شغل میں مشغول ہوتا ہے تو اول اول اسکا دل پریشان ہوتا ہے اور اپنے آپ کو کھینچ کر اور تکلف کر کے اُس میں لگاتا ہے چند روز یہی کیفیت رہی اسکے بعد ذرا دل لگی ہوتی ہے اور ذکر میں جی لگنے لگتا ہے اسیطرح ترقی ہوتی ہے اور جی چاہتا ہے کہ راتدن ذکر کیا کرے جب ذکر قلب میں سرایت کرتا ہے تو واردات کا نزول ہوتا ہے مثلاً وہ دل کی آنکھ سے مشاہدہ کرتا ہے کہ تمام افعال کا خالق ایک ہے اُسوقت زید عمر بکر حتی کہ اپنی طرف کسی فعل کو نسبت نہیں کرتا ہے یہ وارد ہے جو اسکے بلا اختیار قلب پر آیا مگر اول اول یہ کیفیت ہوگی کہ کبھی مستتر ہوگا اور کبھی ظاہر تو یہ وارد اسلئے آیا ہے کہ سالک کو طاعات اور ذکر کا شوق بڑہے اور بارگاہ عالی میں وارد ہونے اور متوجہ ہونے کے لائق ہو مگر اس حالت میں نفس اور اسکے شہوات برابر باقی رہتی ہیں اور عبادت میں پورا اخلاص میسر نہیں ہوتا پھر اسکے بعد دوسرا وارد آتا ہے خواہ پہلے ہی وارد میں ترقی ہو یا دوسری نوع کا وارد ہو اُسکا اثر یہ ہوگا کہ سالک کو اغیار کے پنجہ اور شہوات کی غلامی سے چھڑادیگا اور اپنی طرف اُسکے قلب کو منجذب کرلیگا لیکن اس وارد کے بعد بھی نفس کا اپنی طرف نظر رہتی ہے اور اپنی حالت پر ایک قسم کا اعتماد ہوتا ہے اور اپنی حالت کو مستحسن سمجھتا ہے اور وجود کے تنگ و تاریک قید خانہ میں مقید رہتا ہے اسکے بعد تیسرا وارد آتا ہے جو نفس کو اپنے وجود سے نکالدیتا ہے یعنی اپنے وجود کا لاشئ ہونا پیش نظر ہوتا ہے اور نفس کی تمام زنجیروں اور بیڑیوں سے رہائی نصیب ہو جاتی ہے اور اپنے مولیٰ کے مشاہدہ کے وسیع میدان میں پہونچ جاتا ہے اور وسیع میدان اسلئے فرمایا کہ نفس کا جب تک ادنیٰ شائبہ بھی رہتا ہے وہ قلب کے لئے مثل قید خانہ کے معلوم ہوتا ہے اور جب سب شوائب سے خلاصی ہوگئی تو گویا قید خانہ سے نکلکر وسیع میدان میں آگیا اور ہر وقت اور ہر حال میں اور ہر جہت اور ہر مکان میں اپنے مولیٰ کے مشاہدہ میں مشغول ہوگیا اُسکے لئے کوئی تنگی کوئی انقباض نہیں رہتا۔ وقت یکسان ہے خواہ مرض ہو یا صحت فراخی ہو یا تنگدستی

وارد سے خوش نہ ہونا چاہیئے اسلئے کہ بادل سے مقصود بارش نہیں بلکہ مقصود پھل کی پیداواری ہے تو اگر بادل آئے اور بارش بھی ہوئی لیکن پیداواری کچھ نہ ہوئی تو ایسے بادل کی کیا خوشی ہے اسیطرح ایسے وارد سے کیا نتیجہ کہ جس سے نفس اپنی حالت سابقہ پر رہے اور اُسکے خضوع و خشوع و عبودیت میں ترقی نہ ہو بہت سالک واردات واحوال کے پیچھے پڑے ہوئے ہوتے ہیں اور اعمال ظاہرہ میں کمی کردیتے ہیں یہ سخت دھوکہ میں ہیں +

جب تجھ پر واردات کے انوار پھیل گئے اور اُن کے اسرار تیرے قلب میں ودیعت رکھے گئے تو اُن کی بقا کا طالب نہ ہو کیونکہ تو اللہ تعالیٰ کے مشاہدہ میں مستغرق ہو کر ہر ایک چیز سے بے نیاز ہے اور اُس سے کوئی چیز تجھکو بے نیاز نہیں کر سکتی۔ **ف** سالک کو بسا اوقات یہ پیش آتا ہے کہ جب کوئی وارد اُسکے قلب پر آتا ہے تو چونکہ ایک نئی شے ہوتی ہے اسلئے اُسکے اور اُسکی لذت کی طرف اُسکا خیال ملتفت ہوتا ہے اور اُسکو بعض مرتبہ یہ خیال کرتا ہے کہ اب یہ میرا حال لازم ہوگیا ہے اور اسکی لذت سے نہایت خوش ہوتا ہے اور جب اُسکا غلبہ جاتا رہتا ہے تو محزون ہوتا ہے اور اسکا طالب ہوتا ہے حالانکہ اُس وارد کا جو مقصود تھا وہ اسکو حاصل ہے اور وہ اب بھی موجود ہے مگر اسکو ادراک اسوجہ سے نہیں ہوتا کہ جسوقت اُسکے نزول کا وقت تھا تو اُسکی جدت کی وجہ سے ادراک ہوا اور جب اُسکے انوار تمام بدن پر پھیل گئے یعنی ظاہر اور باطن عبودیت کی کیفیت سے رنگین ہوگیا تو وہ رنگ اس درجہ کا تو ہوتا نہیں کہ اُس میں کچھ جدت ہو اور نیز سریان اُسکا تمام ظاہر و باطن پر ہوگیا اور کوئی جگہ اُس سے خالی نہ رہی اسلئے ادراک کیسے ہو خود قوت مدرکہ بھی اُسی لون میں متلون ہوگئی اب ادراک کون کرے اسلئے اس غلطی کو شیخ رحمہ اللہ رفع فرماتے ہیں کہ جسوقت تجھ پر واردات کے انوار پھیل جاویں اور ظاہر و باطن میں عبودیت کی کیفیت کے اندر اس وارد کی وجہ سے ترقی ہوگئی اور اُن واردات کے اسرار یعنی حق تعالیٰ کی عظمت و صفات جلال یا جمال قلب میں اور زیادہ ترقی پذیر ہوگئی تو اسیوقت اُن واردات کے باقی رہنے کا طالب نہ بن اور اسکی خواہش نہ کر کہ جو غلبہ حال کا اُسوقت ہوا تھا وہ بعد میں بھی باقی رہے اور صحو کی حالت سے پریشان مت ہو اور تیری جو حالت اسوقت حق تعالیٰ کے ساتھ حضوری کی ہے اسیمیں مستغرق رہ اسلئے کہ اُس غلبہ حال اور اُس کی

بیان کر دیا اور اُس سے نفس میں اپنی بڑائی دوسرے کے قلب میں معلوم ہو کر انشراح اور خوشی پیدا ہوئی تو وہ عبودیت اور خشوع کی شان جاتی رہی اور جب یہ شان مفقود ہوئی تو رب کے ساتھ سچائی کہاں رہی۔

علوم و حقائق تجلی کے وقت مجمل وارد ہوتے ہیں پھر حفظ و نگہداشت کے بعد تفصیل ہوتی ہے چنانچہ

ارشاد ہے جب ہم قرآن پڑھیں تو چپکا سنتا رہ اُسکے پڑھنے کو پھر تجھ سے پڑھوانا ہمارا ذمہ ہے **ف** عارفین کے نفوس جب اغیار سے خلاصی پا لیتے ہیں اور دعوے اور اپنے ارادہ و اختیار سے نکل کر ہمہ تن متوجہ الی الحق ہو جاتے ہیں تو اُن کے قلوب پر حقائق و علوم وہبیہ وارد ہوتے ہیں لیکن تجلی کے وقت چونکہ وارد الٰہی کا قلب اور حواس پر غلبہ ہوتا ہے اسلیے وہ علوم و حقائق درجۂ اجمال میں ہوتے ہیں کہ اُن کے معانی کی تفصیل کا ادراک اُن کو اُسوقت نہیں ہوتا اسلئے کہ تفاصیل علوم کا ادراک ہوتا ہے حواس سے اور تجلی کے وقت تمام حواس معطل ہو کر مثل مردہ کے ہو جاتے ہیں باقی وہ اجمالی معنی انکے باطن میں محفوظ رہتے ہیں اسکے بعد جب ان کو اُس حالت سے افاقہ ہوتا ہے اور اُس اجمالی معنے میں بذریعہ اپنے حواس و ذہن و علوم عقلیہ و نقلیہ کے غور فرماتے ہیں تو اسکی تفصیل ہوتی ہے اور یہ وحی کے مشابہ ہے کہ جب قرآن مجید کا نزول ہوتا تھا تو حضور ساتھ ساتھ جبرئیل علیہ السلام کے یاد رکھنے کیلئے پڑھتے تھے اُسپر ارشاد ہوا فاذا قرأناہ فاتبع قرآنه ثم ان علینا بیانه یعنی جب ہم جبرئیل علیہ السلام کی زبانی تیر قرآن پڑھیں تو اُسکے پڑھنے کا اتباع کرو اور سنتے رہو پھر اُسکے معانی کا بیان کرنا اور تم سے پڑھوانا ہمارے ذمہ ہے۔ اسی کے مشابہ عارفین کے یہ علوم ہیں کہ عین تجلی کے وقت اجمالی معنے باطن میں محفوظ ہو جاتے ہیں اُسکے بعد تفصیل ہوتی ہے۔

جس وارد کا ثمرہ تجھکو معلوم نہ ہوا اُسپر خوش نہ ہو کیونکہ بادلوں سے مقصود اصلی بارش ہی نہیں ہوتی بلکہ پھل کا وجود مقصود ہوتا ہے **ف** سالک کے قلب پر جو واردات کا نزول ہوتا ہے اُس سے مقصود اصلی یہ ہے کہ نفس کی سرکشی اور صفات مذمومہ باقی نہ رہیں اور طاعات و توجہ الی اللہ میں ترقی ہو اور اگر کوئی وارد ایسا ہو کہ اُس سے قلب متاثر نہ ہوا اور نہ اُسکا کچھ ثمرہ معلوم ہوا نفس اپنی پہلی حالت پر رہا تو ایسے

کو اپنی محبت کے لئے مخصوص کیا اُن کو اور اُن کو سب کو ہم تیرے پروردگار کی عطا سے امداد کرتے ہیں اور تیرے پروردگار کی بخشش روکی ہوئی نہیں **ف** پہلے بھی یہ مضمون آچکا ہے کہ حق تعالیٰ کے خاص بندے دو قسم کے ہیں عباد و زہاد جنکو ابرار کہتے ہیں دوسرے مقربین اس کلام میں ان ہی دو قسموں کا ذکر ہے فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں میں سے ایک گروہ کو تو اپنی ظاہری عبادت کے لئے مقرر فرما دیا ہے کہ ان کو شب و روز یہی کام ہے کہ عبادات ظاہرہ نوافل وظائف صدقہ خیرات حج نفل اور خدمت خلق اللہ کرتے ہیں اور جنت میں داخل ہونا اور دوزخ سے نجات ہونا اُنکا انتہائی مقصود ہے اور ایک گروہ کو اپنی محبت و قرب کے لئے مخصوص فرما دیا ہے کہ ان کے ظاہری عبادات و اعمال اس درجہ کے نہیں ہوتے بلکہ ان کے اعمال قلبیہ ہوتے ہیں کہ ان کا مطمح نظر ہر وقت یہ ہے کہ قلب میں سوائے ذات واحد تعالیٰ شانہ کے کچھ نہ رہے جنت و دوزخ کی طرف اُنکا التفات نہیں ہوتا آگے بطور دلیل یا اقتباس کے ایک آیت ذکر فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہی كُلًّا نُّمِدُّ هٰٓؤُلَاۗءِ وَهٰٓؤُلَاۗءِ مِنْ عَطَاۗءِ رَبِّكَ ۭ وَمَا كَانَ عَطَاۗءُ رَبِّكَ مَحْظُوْرًا اس آیت سے پہلے اللہ تعالیٰ نے دو گروہوں کا ذکر فرمایا ہی ایک تو جنکی سعی آخرت کے لئے ہے اور ان کو وہ ملیگی اور ایک وہ جو دنیا کو چاہتے ہیں اُن کو جسقدر دنیا اللہ تعالیٰ چاہیں گے دیں گے پھر اُنکا ٹھکانہ جہنم ہے اسکے بعد یہ آیت ارشاد فرمائی ہی جسکا مطلب یہ ہی کہ اس فرقہ کو بھی اور اس فرقہ کو بھی ہم اپنی عطا سے امداد کرتے ہیں یعنی جو آخرت کے طالب ہیں ان کی امداد یہ ہی کہ اعمال صالحہ کی اُن کو توفیق عطا فرماتے ہیں اور موانع کو ان سے دور فرماتے ہیں اور جو دنیا کے طالب ہیں ان کی امداد یہ ہی کہ دنیا میں اُن کو نعمتیں ملتی ہیں اور اُن نعمتوں میں وہ مشغول ہو کر خالق کو بھول جاتے ہیں اور اسکی نافرمانیاں کرتے ہیں اور آگے ارشاد ہے کہ آپکے رب کی عطا روکی ہوئی نہیں جسکا جو جی چاہے وہ لے لیے ہی یہ دو گروہ ہیں کہ عابدین زاہدین کی امداد ان کے مطلوب و مقصود کے مناسب ہوتی ہے کہ رات دن ان کو عبادات ظاہرہ میں مشغول فرمایا جاتا ہی یہاں تک کہ وہ اپنے مراد کو پہونچیں گے اور مقربین کی امداد ان کے درجہ عالیہ کے موافق ہے کہ چونکہ ان کو محض ذات حق مطلوب ہی اسلئے غیر اللہ کا نام و نشان اُن کے قلوب سے مٹایا جاتا ہے پس دونوں گروہ حق تعالیٰ کے مخصوص بندے ہیں کسی پر اعتراض اور کسی کی تحقیر مناسب

لذتوں کا طالب نبنا یہ تو غیر اللہ کی طلب ہوئی اور تجھکو حق تعالیٰ کے مشاہدہ میں مستغرق ہوکر ہر شے سے بے نیازی اور بے پرواہی ہونی چاہیے اور دوسری شئ حق تعالیٰ سے تجھکو بے نیاز و مستغنی نہ کرے گی تو اس وارد کے غلبہ کو لیکر کیا کرے گا جو اسکا مقصود اصلی ہے وہ حاصل ہوگیا اب کیوں اسکے پیچھے پڑا ہے۔ اب جو کام اصلی ہے یعنی شغل مع اللہ اسمیں مشغول ہو۔

واردات الٰہیہ جب تجھ پر وارد ہونگے تمام عادات کی بنیادیں منہدم کردیں گے کیونکہ جب بادشاہ کسی بستی میں داخل ہوں اجاڑیں چنانکہ وارد بارگاہ قہاری سے آتا ہے اسلئے جو جبلت اور بشریت اسکے مقابل آتی ہے اسکو توڑ پھوڑ دیتا ہے ہم پھینک مارتے ہیں سچ کو جھوٹ پر پھر وہ اسکا سر پاش پاش کرڈالتا ہے۔ **ف** اس مقام پر شیخ علیہ الرحمۃ سچے واردات کی علامتیں بیان فرماتے ہیں تاکہ ہر شخص اپنے خیالات اور اوہام ہی کو واردات نہ جاننے لگے فرماتے ہیں کہ واردات الٰہیہ حقہ کی یہ شان ہوتی ہے کہ جب وہ سالک کے قلب پر وارد ہوتے ہیں تو نفس جن بری خصلتوں اور سرکشیوں کا خوگر اور عادی بن رہا ہے۔ ان کو جڑ سے منہدم کردیتے ہیں اور بجائے ان اخلاق رذیلہ کے احوال عالیہ اور خصائل حمیدہ پیدا کردیتے ہیں اسلئے کہ واردات کی مثال اللہ تعالیٰ کے لشکر کی سی ہے اور بادشاہ کا لشکر کسی بستی میں جب داخل ہوا کرتا ہے تو اسکو اجاڑ کرتا ہے اسیطرح واردات بھی نفس کی پہلی آبادی کو اجاڑ کر اپنا تسلط جماتے ہیں اور سچا وارد بارگاہ قہاری سے آتا ہے تو بیشک ان واردات کے اندر قہر اور غلبہ کی صفت ہوتی ہے اسلئے بشری اوصاف مذمومہ اور بری عادت جب ان کے سامنے پڑیگی تو اسکو توڑ پھوڑ دینگے جیسا کہ حق و باطل کے بارہ میں حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم سچ کو یعنی حق بات کو باطل پر پھینک مارتے ہیں پھر وہ اسکا سر پاش پاش کردیتا ہے یعنی جب حق آتا ہے تو باطل جاتا رہتا ہے اسیطرح نفس کی عادات باطلہ پر جب وارد حق کا غلبہ ہوگا تو وہ عادات پاش پاش ہوجائیں گی۔

بائیسواں باب حالت ابتدائی اور انتہائی کے اعتبار سے سالکین کے مراتب کے تفاوت کے بیان میں

مولیٰ حقیقی تعالیٰ نے اپنے بندوں میں سے ایک گروہ کو تو اپنی طاعت کیلئے مقرر فرمایا اور ایک گروہ

جائیں اور ہماری وقعت لوگوں کے دلوں میں نہ رہے اور جو منافع ہم کو پہونچ رہے ہیں وہ نہ پہونچیں اور خواص
اہل اللہ یہ چاہتے ہیں کہ ہم سے گناہ ہی نہ ہو اور ہمارے نفس کی پردہ پوشی ہو کہ کبھی ایسا نہ ہو کہ گناہ سے ہم
حق تعالیٰ کی نظرِ رحمت سے گر جائیں اسلئے کہ ان کی نظر مخلوق سے اُٹھ جاتی ہے اور اپنے مالک حقیقی پر ہوتی
ہے اسلئے مخلوق کے برا بھلا کہنے کی اُن کو مطلق پروا نہیں ہوتی اور نہ مخلوق سے اُن کو نفع کی اُمید اور ضرر کا خوف
ہوتا ہے اور نہ مخلوق پر اُن کا اعتماد ہوتا ہے اور نہ اُن کے ساتھ دل کو سکون ہوتا ہے اُن کا مقصود تو اپنے مولیٰ
کو راضی کرنا ہوتا ہے اسلئے اُن کا مطلوب یہ ہوتا ہے کہ گناہ ہم سے صادر نہ ہو ✦

مقامات الیقین میں سے کسی مقام کو کبھی تو وہ بیان کرتا ہے جو اُس پر فی الجملہ مطلع ہوا اور کبھی وہ بیان
کرتا ہے جو اُس مقام تک پہونچ گیا ہے اور اس میں فرق بجز اہل البصیرت کے دوسروں پر مشتبہ ہو جاتا ہے

ف مقامات یقین سے مراد شعب ایمانیہ ہیں جیسے زہد ورع توکل قناعت وغیرہ سالک کے اندر ان
صفات میں سے جب کوئی صفت آتی ہے تو اُسکی صورت یہ ہوتی ہے کہ کسی وقت ان میں سے کسی صفت کی
کیفیت سے قلب رنگین ہو جاتا ہے مثلاً زہد کی کیفیت ایک وقت قلب پر غالب ہوئی اور دوسرے وقت
نہ رہی یا مثلاً توکل یعنی اعتماد علی اللہ اور اسباب ظاہرہ سے انقطاع کی کیفیت قلب پر آئی اور پھر جاتی رہی
اُسکے بعد پھر آگئی تو جب تک یہ حالت تغیر تبدل کی ہے اُسوقت تک اُسکو حال کہتے ہیں اور جب یہ کیفیات
راسخ ہو جائیں اور قلب کے اندر ایسی پیوست ہو جائیں کہ کسی وقت جدا نہ ہوں اور صفت لازمہ بن جاویں تو اُسوقت
اُسکو مقام کہتے ہیں مثلاً زہد راسخ ہو گیا تو اسکو مقام زہد کہا جائے گا یہاں شیخ اسی مضمون کو بیان فرماتے
ہیں مطلب یہ ہے کہ مقامات یقین میں سے کسی مقام کی کیفیت کو کبھی تو ایسا شخص بیان کرتا ہے جو اُس مقام
تک نہیں پہونچا لیکن قریب پہونچنے کے ہے ابھی حال کے درجہ میں ہے اُس مقام میں اُسکو رسوخ کامل نصیب
نہیں ہوا مثلاً توکل کے متعلق یہ شخص تقریر کرے کہ اُسکی حقیقت بیان کرے اور اُسکے ثمرات بیان کرے لیکن
خود ابھی توکل میں کامل نہیں ہے اور کبھی وہ شخص تقریر کرتا ہے جو اُس مقام تک پہونچ گیا ہے اور اُس میں اُسکو
کامل رسوخ ہو گیا ان دونوں کے بیان اور طرز بیان میں فرق عظیم ہے لیکن یہ فرق اہل البصیرت کی سمجھ میں آتا ہے
اور عوام کی سمجھ میں نہیں آسکتا اسلئے کہ اہل بصیرت کو اللہ تعالیٰ نے فراست صادقہ عنایت فرمائی ہے اُسکے

نہیں کہ حق تعالیٰ نے اول ہی سے تقسیم فرمائی ہے جسکو جس امر کا اہل دیکھا وہی اُسکو عطا فرمایا۔

کچھ ضرور نہیں جسکی خصوصیت کرامات وخوارق کے ساتھ ثابت ہو اُسکی آفات نفوس سے پوری خلاصی بھی ہو۔ گاہے ظاہری کرامت اُسکو بھی ملجاتی ہے جسکی ایمان اور اتباع شریعت پر استقامت کامل نہیں ہوتی **ف** عوام کرامت اور خوارق یعنی عجیب باتوں کے بہت معتقد ہوتے ہیں جسکے ہاتھ سے کوئی نئی بات ہوتی ہے اسکو ولی جانتے ہیں بلکہ ولایت کا معیار ہی عوام کی نظروں میں اسی پر ہے حالانکہ اصل کرامت شریعت پر استقامت اور نفس کی بُری خصلتوں سے صفائی ہے اس غلطی کو شیخ زائل فرماتے ہیں کہ یہ بات کچھ ضروری نہیں ہے کہ جس شخص کے اندر خوارق وکرامات ہوں اُسکے نفس کو آفات یعنی امراض باطنیہ وخصائل رذیلہ سے پوری خلاصی ہوگئی ہو اسلئے کہ بعض مرتبہ کرامت اُس شخص کو بھی ملجاتی ہے جو ایمان اور اتباع شریعت میں پوری طرح پختہ نہیں ہوتا اور اُسکا نفس پاک نہیں ہوتا بلکہ غیر مسلم کے ہاتھ سے بھی استدراج کے طور پر خوارق ظاہر ہوتے ہیں تو یہ خوارق وکرامات قابل اعتماد شئے نہیں ہیں اصل چیز استقامت دین ہے اور نفس کا تزکیہ وتصفیہ ہے۔

پردہ پوشی کی دو قسمیں ہیں ایک تو گناہ کے صدور سے پردہ پوشی دوسری گناہ واقع ہونے کے بعد خلق سے پردہ پوشی عوام تو اس وجہ سے کہ خلق کی نظر میں ان کا مرتبہ نہ گرجائے گناہ کے واقع ہونے کے بعد خلق سے پردہ پوشی کے طلبگار ہیں اور خواص اسلئے کہ اپنے حقیقی بادشاہ جل وعلا کی نظر لطف سے گرنہ جائیں گناہ کے واقع ہونے سے پردہ پوشی اللہ تعالیٰ سے مانگتے ہیں **ف** حق تعالیٰ جو اپنے بندوں کی گناہوں اور نافرمانیوں سے پردہ پوشی فرماتے ہیں اسکی دو قسمیں ہیں ایک تو یہ کہ گناہ کے صادر ہونے سے پردہ پوشی ہو کہ باوجود اسکے کہ نفس کا مقتضی نافرمانی وسرکشی ہے مگر حق تعالیٰ نے ستاری فرمائی اور گناہ نہیں ہونے دیا دوسرے یہ کہ گناہ ہونے کے بعد مخلوق سے اُسکی پردہ پوشی ہوتی ہے کہ اُسکا گناہ مخلوق پر ظاہر نہیں فرماتے اور بدنام نہیں کرتے عام لوگ چونکہ ایمان کامل اور اسکی حقیقت سے محروم ہیں اور نیز ان کے قلب پر مخلوق کا مشاہدہ غالب ہے اور مخلوق سے نفع کی اُمید اور ضرر رسانی کا خوف ان کے دلوں میں ہوتا ہے اس لئے وہ حق تعالیٰ سے اسکے طلبگار رہتے ہیں کہ اُن کے گناہ مخلوق پر ظاہر نہ ہوں کہ ایسا نہ ہو ہم بدنام ہو

ہے اور اللہ تعالیٰ ان کو اپنی طرف رہنمائی فرماتا ہے اور اسکے بعد وہ ذاکر ہوتے ہیں اور ذکر میں ان کو کچھ تکلف نہیں
ہوتا سانس کی طرح بلا مشقت جاری ہوتا ہے اور سالکین کے وصول کی صورت یہ ہے کہ اول وہ بتکلف
ذکر و شغل کرتے ہیں اور محنت و مشقت و مجاہدہ و ریاضت کرتے ہیں اسکے بعد ان کے قلب میں نور یقین
آتا ہے اور وصول الی اللہ ہوتا ہے اسلئے سالک وہ لوگ ہوئے کہ ان کے اذکار ان کے انوار سے مقدم ہیں
اور ایک گروہ ایسے ہیں کہ ان کے اذکار و انوار ساتھ ساتھ چلتے ہیں یعنی ذکر کے شروع کرتے ہی قلب کے اندر انوار
آنا شروع ہو جاتے ہیں اور ان کو حق تعالیٰ کی ذات تک جذب کرتے ہیں ان حضرات کا سلوک و جذب ساتھ
ساتھ ہے اور ایک گروہ مخلوق میں ایسے بھی ہیں کہ ان کے لئے نہ اذکار ہیں نہ انوار ہیں یعنی مولیٰ تعالیٰ شانہ
کی طاعت نہیں کرتے اور نہ دل کو اس طرف کشش ہے نعوذ باللہ من ذلک آگے سالک و مجذوب کو دوسرے
عنوان سے بیان فرماتے ہیں کہ سالک تو ذکر اسلئے کرتا ہے کہ اسکا قلب منور ہو جائے تو ذکر کا وجود پہلے ہے اور
نورانیت قلب بعد میں حاصل ہوگی اور مجذوب وہ ہے جسکا دل اول ہی منور ہو گیا اور کھینچ لیا گیا اور اس
نور کے سبب سے وہ ذاکر ہو گیا یعنی ذکر بقصد اور مشقت و تکلف سے نہیں کیا بلکہ اس نور قلب کی وجہ سے
خود ذاکر ہو گیا بخلاف سالک کے کہ وہ اولاً بتکلف ذکر کرتا ہے اور جن حضرات کے انوار و اذکار برابر ہوں
یعنی سلوک و جذب ان کا ساتھ ساتھ ہو تو ان کے اندر ذکر بھی ہے اور نور بھی ہے تو وہ اپنے ذکر سے اللہ تعالیٰ
کا رستہ پاتا چلا جاتا ہے اسلئے کہ قلب کے اندر نور بصیرت موجود ہے اسکے ذریعہ سے رستہ اسکو نظر آتا ہے
اور اپنے نور قلب کی پیروی کرتا ہے کہ وہ نور اسکو رستہ کی ہدایت کرتا ہے اور وہ اسکی ہدایت کی موافق اسی
طرف چلتا ہے اسکا حال پہلے دونوں گروہ کے خلاف ہے کہ سالک کو اول نور قلب حاصل نہیں ہوتا محض
ذکر لسانی یا قلبی ہوتا ہے تو رستہ تو وہ بھی طے کر رہا ہے مگر اسکی مثال ایسی ہے جیسے اندھیری رات میں
کوئی مسافر راستہ چلتا ہو اور شمع ہمراہ نہ ہو جب سلوک طے ہو کر جذب آتا ہے اور نور بصیرت عطا ہوتا ہے
اسوقت گویا شمع ملی اسکے بعد وہ اپنے نور قلب کی پیروی کرے گا اور جس کا جذب مقدم ہے اسکی ایسی
مثال ہے کہ جیسے چلنے والے کو دور سے شمع نظر آتی ہو اور رستہ نظر نہیں آتا اس شمع کی سیدھ باندھکر
دوانہ وار سیدھا جا رہا ہے اور جس کا جذب و سلوک ساتھ ساتھ ہے اسکی مثال ایسی ہے جیسے چلنے والے

ذریعہ سے وہ کلام سے متکلم کے صدق اور عدم صدق کو پرکھ لیتا ہے۔ باقی اسکی علامت یہ ہی کہ ناقص اور اُس مقام تک نہ پہونچنے والا تقریر کے وقت خوش ہوتا ہی اور اپنی تحقیقات کو بہت بڑی شئے جانتا ہی اور اُسکے کلام میں ایک زور اور شوکت ہوتی ہی اسلئے کہ اُس مقام میں پہونچا نہیں دور سے دیکھ رہا ہے اسلئے اُسکو وہ عجیب غریب معلوم ہوتا ہی اور اُسکے صرف جاننے ہی کو بڑا سمجھ رہا ہے۔ اور جو اُس مقام میں پہونچکر راسخ ہو گیا۔ اُسکی تقریر معمولی باتوں کی طرح ہوگی اسکی ایسی مثال ہی جیسے کوئی کسی شہر کو اول اول دیکھے تو اُسکو وہ عجیب معلوم ہوگا اور جو وہاں رات دن کا رہنے والا ہے اُسکو مساوی ہے اور ان دونوں کے کلام موثر ہونے میں بھی مختلف ہونگے ناقص کا کلام اول وہلہ میں موثر ہوگا اور ایسا اثر ہوگا کہ سامعین کو اوسکا خوب ادراک ہوگا لیکن پائدار نہ ہوگا اور کامل کے کلام اور علی ہذا کامل کی صحبت کا اثر تو ہوگا لیکن ادراک اس درجہ کا نہ ہوگا باقی جو کچھ اثر ہوگا پائدار ہوگا اور بعض مرتبہ ایسا شخص بھی مقامات کے اندر گفتگو کرتا ہے جسکو نہ حال میسر ہے نہ مقام کتابوں میں دیکھ بھال کر اپنی بزرگی جتلانے اور لوگوں کے معتقد بنانے کے لئے تقریر یاد کرلی ہی اسکو بیان کرتا ہے اُسکی علامت یہ ہی کہ فن کے متعلق اگر اس سے کوئی اور سوال کیا جائے گا وہ جواب سے عاجز ہو جائے گا بخلاف کامل اور صاحب مقام کے کہ اُس سے جو سوال کیا جائے گا اُسکا شافی جواب دے گا۔

مجذوب ایسے گروہ ہیں کہ ان کے انوار ان کے اذکار سے سابق ہیں اور سالک ایسے گروہ ہیں کہ ان کے اذکار ان کے انوار سے مقدم ہوتے ہیں اور ایک گروہ ہی کہ اُن کے اذکار اور انوار برابر ہوتے ہیں اور ایک جماعت ہے کہ اُن کے نہ اذکار ہیں نہ انوار نعوذ باللہ من ذلک ایک نے تو اسلئے ذکر کیا کہ اسکا قلب منور ہو جائے تو وہ ذاکر ہوا (اور یہ سالک ہی) اور ایک وہ ہی جسکا قلب منور ہو گیا اور وہ ذاکر ہوا (یہ مجذوب ہی) اور جسکے انوار و اذکار برابر ہوں تو وہ اپنے ذکر سے راہ پاتا ہی اور اپنے نور قلب کی پیروی کرتا ہی **ف** مجذوب اور سالک دونوں کی تعریف پہلے گذر چکی ہے یہاں بھی ان دونوں قسموں اور نیز دو قسمیں اور بیان فرماتے ہیں مجذوبین کے وصول کی صورت یہ ہوتی ہی کہ اول ہی ان کے دل میں نور القا ہوتا ہی جس سے ان کو وصول الی اللہ اور مقام مشاہدہ حاصل ہو جاتا ہی اور اُسکے بعد ان کی سیر اسما اور صفات اور مصنوعات کی طرف ہوتی ہے اسلئے مجذوب ایسے گروہ ہیں کہ ان کے دلوں کے انوار ان کے اذکار سے پہلے ہیں یعنی وہ اول ذکر و شغل نہیں کرتے بلکہ اول ہی ان کا قلب منور کر دیا جاتا

حضرات اہل جذب ہیں ان کو اول ہی ذات کاملہ مکشوف ہوتی ہے اور ذوقی طور سے ذات پاک کا معائنہ کرتے
ہیں پھر صفات کے مشاہدہ کی طرف ان کو واپس کیا جاتا ہے یعنی صفات کا تعلق ذات کی ساتھ وہ دل کی آنکھ
سے مشاہدہ کرتے ہیں پھر اسماء پاک کے تعلق کی طرف آتے ہیں یعنی مخلوقات و مصنوعات سے اسماء کا تعلق ان کو
دکھایا جاتا ہے پھر آثار اور مصنوعات کا مشاہدہ ہوتا ہے یعنی یہ دکھایا جاتا ہے کہ ان کا صدور اسماء سے ہے اور
سالکین کا معاملہ برعکس ہے جیسا ہم نے اولاً بیان کیا ہے پس سالکین کی سیر کا جو منتہے ہے یعنی ذات مقدسہ
وہ اہل جذب کی ابتدا ہے اور جو سالکین کی سیر کی ابتدا ہے یعنی مخلوقات و مصنوعات کا مشاہدہ وہ مجذوبین
کی نہایت ہے لیکن دونوں میں بڑا فرق ہے یعنی یہ مطلب نہیں کہ جو مجذوبین کی ابتدا ہے وہ بعینہ بلا فرق کے
سالکین کی نہایت ہے اسلئے کہ سالکین کا منتہی گو ذات مقدسہ ہے لیکن ان کو وصول ذات تک جو ہوا تو اس کیفیت
سے ہوا کہ طریق کے تمام احوال اور نفس کی تمام گھاٹیاں اسکو دکھائی گئیں اور بعد مشقتوں اور محنتوں کے
وصول میسر ہوا ہے تو ذات پاک تک واصل ہونے کے بعد اگرچہ اسکے اندر جذبہ ہے لیکن وہ جذب ہوشیاری اور
اتباع کامل و استقامت کو لئے ہوئے ہے اور اہل جذب کی ابتدا گو ذات کاملہ ہے لیکن ان کو طریق ہی بالکل
غیبت اور بے خبری ہے اور نفس کے داؤ فریب کی مطلق اطلاع نہیں اسیواسطے ان کو شریعت پر استقامت
نہیں ہوتی اور بعض مرتبہ ایسے افعال بھی ان سے سرزد ہوتے ہیں جو شریعت میں منکر ہیں اور فرائض و
واجبات بھی ان سے بعض مرتبہ چھوٹ جاتے ہیں لیکن اسپر ان سے مواخذہ نہیں اسلئے کہ مدار احکام کے
وجوب کا عقل ہے اور ان کی عقل پر انوار کا غلبہ ہو جاتا ہے اور وہ مغلوب الحواس ہو جاتے ہیں اسوجہ سے امتیاز
نہیں رہتا اور ایسے ہی جو سالکین کی ابتدا ہے یعنی مصنوعات و آثار ظاہرہ وہ ہی بعینہ بلا فرق کے مجذوبین
کی نہایت نہیں ہے اسلئے کہ سالکین کی نظر ابتدا میں گو مصنوعات پر ہوتی ہے لیکن ذات و اسماء کا مشاہدہ
نہیں ہوتا اور مجذوبین کی نہایت گو مصنوعات ہے مگر اس کیفیت سے ہے کہ وہ مصنوعات اسماء ہی صادر
ہیں پس سالکین ذکر و شغل و عبادات و اعمال صالحہ کرتے ہوئے ترقی کرتے ہیں اور ان کا رستہ فنا ہے کہ بتدریج
نفس کی صفات اور خود نفس فنا ہو کر ذات و صفات حق کے ساتھ بقا ان کو نصیب ہوتی ہے اور مجذوبین کا نفس
اور صفات پہلے ہی سے فنا ہوتی ہیں اسلئے ان کو نیچے کو اُتارا جاتا ہے اور ان کا رستہ بقا ہے کہ جسقدر چلتے ہیں

کے پاس شمع ہو اور اُسکے ذریعہ سے رستہ اسکو نظر آتا ہے جوں جوں وہ شمع رہبری کرتی ہے اُسیقدر وہ چل رہا ہے

اپنے آثار اور مصنوعات کے وجود سے اپنے ناموں کے وجود پر اور اپنے ناموں کے وجود سے اپنے اوصاف کمالیہ کے وجود پر اور اپنے اوصاف سے اپنی ذات کاملہ پر رہنمائی فرمائی کیونکہ وصف کا خود بخود قیام ناممکن ہی تو اہل جذب کو اول ذات کاملہ مکشوف ہوتی ہے پھر اُنکو صفات کے مشاہدہ کی طرف پھیرتا ہے پھر اُن کو اسماء پاک کے تعلق کی طرف لوٹاتا ہے پھر آثار اور مصنوعات کے مشاہدہ کی طرف واپس کرتا ہے اور سالکین کا معاملہ اسکے برعکس ہی اسلئے سالکین کی انتہا سیر اہل جذب کی ابتدا ہے اور سالکین کی سیر کی ابتدا اہل جذب کی سیر کی انتہا ہے لیکن نہ ایک معنے کے اعتبار سے تو گا ہے باہم راہ میں ملتے ہیں سالک اپنے عروج میں اور مجذوب اپنے نزول میں **ف** آسمان زمین چاند سورج ستارے اور تمام حق تعالیٰ کی مخلوقات و مصنوعات عجیبہ جو ہماری نظروں کے سامنے ہیں یہ اسپر دلالت کرتے ہیں کہ ان چیزوں کا بنانے والا بڑا علم والا اور قادر و حکیم و ارادہ والا ہے تو یہ سب مخلوق اسلئے پیدا فرمائی ہے کہ ہم کو ان چیزوں کے دیکھنے اور غور کرنے سے اللہ تعالیٰ کے ناموں کی طرف رہنمائی ہو کہ جس ذات نے یہ سب کارخانہ بنایا ہی وہ قادر علیم اور حکیم و مرید وغیرہ ہے اور ناموں تک جب راہ یابی ہو گئی تو وہ نام اسپر دلالت کرتے ہیں کہ جس ذات مقدسہ کے یہ نام ہیں اسمیں اوصاف کمالیہ بھی ہیں اسلئے جب قادر علیم حکیم ہے تو اُسکے اندر قدرت علم حکمت ہی ورنہ قادر علیم حکیم بغیر قدرت و علم و حکمت کے کیسے ہو سکتا ہی تو ناموں سے اوصاف کمالیہ کی طرف ہم کو راہ بتائی اور اوصاف تک جب ہم پہونچے تو وہ اوصاف اسپر دال ہیں کہ اُسکی ذات کاملہ بھی موجود ہے اسلئے کہ اوصاف بغیر ذات کے خود بخود نہیں ہو سکتے جیسے قیام کی صفت مثلاً بدون زید کے نہیں ہو سکتی تو اوصاف سے ہم کو ذات تک راہ دکھائی اور یہ حال سالکین کا ہے کہ اول ان کی نظر مصنوعات و مخلوقات پر ہوتی ہی اور قلب میں استدلال کا بازار گرم ہوتا ہی اور استدلال کر کر کے جسقدر مدت میں اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں ان کے قلب کی نظر اسماء پر ہوتی ہے پھر اسماء کی سیر میں لگے رہتے ہیں اور اُن سے استدلال کر کے اوصاف تک قلب کی ذوقی نظر پہونچتی ہی پھر صفات سے استدلال کر کے ذات مقدسہ تک ان کو وصول میسر ہوتا ہی اور جو

اصل یعنی خالق تعالیٰ کے وجود سے مخلوقات ومحدثات کے وجود کو ثابت کیا اور جنے اشیا کے وجود سے
حق کے وجود پر استدلال کیا تو اسکی وجہ یہ ہی کہ یہ شخص حقیقی وجود جسکے لئے ثابت ہی اسکی بارگاہ عالی سے
دور اور محجوب ہی اور واصل نہیں اسکی نظر میں مخلوقات کا وجود ہی جو واقع میں معدوم اور مجازاً موجود ہے
تو معدوم شئے سے موجود پر استدلال کرتا ہی اور مخفی سے ظاہر پر دلیل لاتا ہی اسلئے کہ وہ موجود حقیقی
او ظاہر حقیقی سے دور ہی اور اگر ہم اسکو دور اور محجوب نہ کہیں اور اسکے استدلال کی وجہ موجود حقیقی
کے دور ہونے اور غائب ہونے کو ٹھہراویں تو وہ کب غائب ہی یعنی وہ غائب نہیں کہ جو اُسپر استدلال
اور دلائل کی ضرورت ہوا اور وہ دور کہاں ہی کہ آثار ظاہرہ وہاں تک ہم کو پہونچادیں اُسکی شان تو یہ ہے کہ
وہ ہماری جان سے بھی زیادہ قریب ہی اور ہر شئے کے ظہور سے زیادہ اُسی کا ظہور ہے پس یہ استدلال
خود اس دلیل لانے والے کے دور ہونے اور محجوب ہونیکو بتا رہا ہی **تنبیہ** جاننا چاہیئے کہ استدلال سے مراد
یہاں وہ عقلی استدلال نہیں جو علماء اصطلاحیہ میں ہوتا ہی بلکہ ذوقی ووجدانی ہے۔

ق
آیت شریفہ لینفق ذو سعة من سعته (یعنی خرچ کریں اہل وسعت اپنی وسعت سے) کا مصداق
واصلان بارگاہ کا حال ہی اور آیت شریفہ ومن قدر علیہ رزقه الخ (یعنی جسپر رزق تنگ ہوا سو جو کچھ اللہ
تعالیٰ نے اسکو دیا ہی اسمیں سے خرچ کرے) کا مصداق اسکی طرف سیر کرنیوالوں کا حال ہی **ف** آیت کریمہ
لینفق ذو سعة من سعته ومن قدر علیہ رزقه فلینفق مما اتاه الله مطلقہ عورتوں کے بارہ میں ہی
جو بعد طلاق کے بچہ کو دودھ پلادیں اور اُن کو اُجرت دی جائے اسلئے کہ اُس بچہ کا خرچ باپ کے ذمہ ہی اگر وسعت
والا ہے تو اپنی وسعت سے ماں اور بچہ پر خرچ کرے اور جو تنگدست ہو تو جو کچھ اللہ تعالیٰ نے دیا ہی اسمیں
سے خرچ کرے مصنف رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کے مضمون کو عام کرکے اپنے مطلب پر اس سے دلیل لاتے
ہیں اسلیئے کہ گو نزول اس آیت شریفہ کا خاص مضمون میں ہی مگر الفاظ تو عام ہی ہیں یا یوں کہو کہ اسپر
قیاس اور اعتبار فرماکر اپنا مضمون اس سے اقتباس فرماتے ہیں خلاصہ یہ ہی کہ اس آیت کریمہ کا
اول حصہ (یعنی لینفق ذو سعة من سعته جسکا ترجمہ یہ ہی کہ گنجایش والے کو چاہیئے کہ اپنی گنجایش
سے خرچ کرے) تو حال اُن حضرات کا ہے جنکو وصول ومشاہدہ کی دولت میسر ہوگئی ہے کہ ان کے

ہوشیاری کی طرف آتے ہیں۔ اسواسطے بعض مرتبہ ایسا ہوتا ہو کہ سالک اپنی ترقی کی حالت میں ہوتا ہو کہ خلق سے حق کی طرف چلتا ہو اور مجذوب اپنے نزول کی حالت میں ہوتا ہو یعنی حق سے خلق کی طرف چلتا ہے اور دونوں راہ میں ملجاتے ہیں بعض مرتبہ تو اسمار کی تجلی میں سلتے ہیں کہ دونوں پر اسمار کی تجلی ہوتی ہے لیکن سالک اُس سے آگے بڑھکر صفات کی سیر میں لگتا ہو اور مجذوب اُس سے اُتر کر مصنوعات و مخلوقات کے مشاہدہ میں آتا ہو اور بعض مرتبہ تجلی صفات میں ملاقی ہوتے ہیں اور سالک مجذوب سے افضل ہے اسلئے کہ اُس سے مخلوق کو نفع پہونچتا ہے بخلاف مجذوب کے کہ اگر وہ جذب ہی میں رہے تو اسکی ذات سے کسی کو نفع نہیں ہے اور قابل شیخ ہونے کے نہیں ہے ہاں اگر نزول مع کمال ہوجائے تو اُسوقت مشیخت کا اہل ہوتا ہو بشرطیکہ جذب کا غلبہ نہ ہو اسی طرح سالک جب تک مشاہدہ اور تجلی کے درجہ کو نہ پہونچے مشیخت کے لائق نہیں ہے۔

اُن میں جو حق کے وجود سے اشیاء کے وجود پر دلیل لاتے ہیں اور ان میں جو اشیاء کے وجود سے حق تعالےٰ کے وجود پر دلیل لاتے ہیں بڑا فرق ہو جسنے وجود حق جل وعلا سے اشیاء کے وجود پر استدلال کیا اُسنے وجود واجب کو اُسکے مستحق کے لئے سمجھکر محدثات کے وجود کو اسکے اصل کے وجود سے ثابت کیا اور محدثات کے وجود سے وجود حق جل وعلا پر استدلال کرنا محجوب ہونے اور واصل بارگاہ نہ ہونے کے سبب سے ہے ورنہ وہ کب غائب ہے جو اُسپر استدلال کی ضرورت ہو اور کب دور ہے جو آثار اُس تک پہونچا دیں **ف** یہ ارشاد بھی مجذوبین اور سالکین کے حال میں ہو مجذوبین کو چونکہ اول ذات پاک مکشوف ہوتی ہو اور باقی مخلوقات و مصنوعات و اسمار و صفات سب انکی نظر بصیرت سے غائب ہوتی ہیں تو جب انکا نزول ہوتا ہو اور صفات و اسمار سے اُترکر مخلوقات و مصنوعات کے مشاہدہ میں آتے ہیں اور افاقہ اُن کو ہوتا ہو تو حق کے وجود سے اشیاء کے موجود ہونے پر دلیل لاتے ہیں یعنی اول نظر حق پر ہوتی ہو اور اُس سے استدلال کرکے اشیاء کا وجود ثابت کرتے ہیں اور سالکین ان کے برعکس ہیں کہ ان کی نظر میں ابتداً اغیار یعنی مصنوعات کا وجود ہوتا ہے ان سے استدلال کرکے صانع تک پہونچتے ہیں تو ان دونوں میں بڑا فرق ہو جسنے حق جل وعلا شانہ کے وجود سے اشیاء کے وجود پر استدلال کیا اُس نے وجود کو اُسکے مستحق کے لئے ثابت کیا اسلئے کہ وجود حقیقی اُسی کے لئے ثابت ہو اور باقی اشیاء حقیقتاً معدوم محض ہیں اور مجازاً موجود ہیں تو اس شخص نے

انوار مطلوب نہیں ہیں ان کو ذات حق نے انوار سے بے نیاز کر دیا ہے ان کی شان وہ ہے جیسا کہ ارشاد ہے
قل اللہ ثم ذرھم فی خوضھم یلعبون یعنی کہہ اللہ یعنی میرا مقصود و محبوب اللہ ہے اور پھر لوگوں کو ان کے
شغل باطل میں کھیلتا چھوڑ یعنی سوائے اللہ تعالیٰ کے سب لہو و لعب اور جی بہلاؤ ہے۔

سالکین کو بھی اور واصلین کو بھی اپنے اعمال کے ملاحظہ اور احوال کے مشاہدہ سے روک دیا سالکین
تو اسلئے روکے گئے کہ انھوں نے اپنے اعمال اور احوال میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ سچائی کو ثابت نہ پایا
اور واصلین اپنے مولیٰ کے مشاہدہ میں محو ہو کر اعمال اور احوال سے غائب ہو گئے ف اس ارشاد میں
سالکین اور واصلین کے فرق کو دوسری طرز سے بیان فرماتے ہیں۔ سالکین کو یعنی جو ابھی سلوک میں
ہیں وصول ان کو نہیں ہوا اور واصلین دونوں گروہ کو اللہ تعالیٰ نے اس بات سے روک دیا کہ اپنے اعمال
ظاہرہ اور اپنے احوال باطنہ کا مشاہدہ کریں یعنی اپنے عمل و حال پر دونوں کی نظر نہیں ہے لیکن اسکی وجہ دونوں
گروہ کے اندر مختلف ہے سالکین کی نظر اسلئے نہیں کہ جب کبھی اپنے کسی عمل یا حال پر ان کی نظر گئی تو ان
عمل و حال کے اندر انہوں نے سچائی نہ دیکھی کوئی نہ کوئی آفت ایسی نظر آئی کہ جس سے اللہ تعالیٰ کے
ساتھ سچائی کا معاملہ اس عمل میں ان کو نظر نہ آیا مثلاً کبھی ریا ہو گئی کبھی عجب آ گیا جس سے حضور مع
اللہ میں فرق ہو گیا جب کوشش کر کے عاجز ہو گئے تو اپنے عمل و حال کی طرف دیکھنا ہی چھوڑ دیا اور
سمجھ گئے کہ ہمارے اعمال و احوال کسی کام کے نہیں اسلئے ان پر نظر کرنا اپنی مشقت اور رنج کو بڑھانا ہے
ان کو تو اس طور سے اعمال و احوال کے ملاحظہ و مشاہدہ سے روکا اور جو حضرات واصل ہیں وہ اپنے مولیٰ کے
مشاہدہ میں ایسے محو ہوئے کہ اپنے اعمال و احوال سے غائب ہو گئے یعنی اپنے اعمال و احوال کو اسی کی طرف
نسبت کرتے ہیں اور ان کو اپنی طرف سے نہیں دیکھتے اور اپنی قوت و ارادہ سے بالکل نکل گئے خلاصہ
فرق کا یہ ہوا کہ سالکین کی نظر تو اپنے عمل و حال پر اسلئے نہیں کہ اس عمل و حال کو وہ ناکارہ اور ناقص
جانتے ہیں گو اپنی طرف نسبت کرتے ہیں اور واصلین کو اسلئے اپنے عمل و حال کا مشاہدہ نہیں ہے کہ وہ کسی
عمل و حال کو اپنا ہی نہیں دیکھتے بلکہ ہر حرکت و سکون میں اپنے مولیٰ اور مولیٰ کے تصرفات کے مشاہدہ میں لگے
رہتے ہیں۔

قلب کو غیر اللہ کی رویت سے خلاصی ہوگئی اور توحید کے وسیع میدان میں پہونچ گئے اور ان کی نظر کی مسافت بے انتہا وسیع ہوگئی اور علوم و اسرار الٰہیہ ان پر کھلگئے گویا وہ بڑی گنجائش اور وسعت والے ہوگئے اب ان کو چاہئے کہ اپنے علوم واسعہ سے خرچ کریں اور دوسروں کو پہونچاویں اور جسقدر چاہیں پہونچاویں کمی نہ ہوگی اسلئے کہ ان پر علوم غیر متناہیہ کا باب مفتوح ہوگیا ہے اور اس آیت کا دوسرا حصہ (ومن قدر علیہ رزقہ فلینفق مما آتاہ اللہ) یعنی جسپر رزق تنگ ہوا اسکو چاہئے کہ جو کچھ اللہ نے اسکو دیا ہے اس میں سے خرچ کرے) ان حضرات کے حال میں ہے جو ابھی سیر و سلوک میں ہیں اور مقام مشاہدہ تک نہیں پہونچے اور ان کے دل کی نظر نے اغیار کے دیکھنے سے ابھی خلاصی نہیں پائی اور ابھی تک وہ رسوم اور خیالات و اوہام باطلہ کے تنگ کوچہ میں مقید ہیں تو ان کو یہ چاہئیے کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے علم ان کو عطا فرمایا ہے اسمیں سے اپنی بساط کے موافق خرچ کریں اور دوسروں کی امداد کریں لیکن یہ حضرات جسقدر چاہیں اور جس بہت چاہیں خرچ نہیں کرسکتے اسلئے کہ ان کا سرمایہ بہت کم ہے اور ابھی تک محدود دائرہ میں ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی طرف چلنے والے اپنے مجاہدہ اور توجہ کے انوار سے راہ یاب ہوتے اور واصلان بارگاہ کے لئے ان کے مولیٰ کے مواجہ اور روبرو ہونے کے انوار ہیں تو پہلوں کی سعی انوار کے لئے اور دوسروں کے لئے بدون سعی کے انوار ہیں کیونکہ یہ صرف اللہ کے ہیں نہ کسی دوسرے کے لئے تو صرف اللہ کہہ پھر لوگوں کو ان کے باطل میں کھیلتا چھوڑ دے

ف یہ ارشاد شیخ رح کا سالکین اور واصلین کے احوال کے فرق میں ہے فرماتے ہیں کہ جو اللہ کے بندے سالک ہیں اور ابھی تک مقام مشاہدہ و تجلی تک نہیں پہونچے وہ مجاہدہ، ریاضت، عبادات و اذکار کے انوار سے اللہ تعالیٰ کی ذات پاک کی طرف راہ یاب ہوتے ہیں پس ان حضرات کی توجہ انوار کی جانب ہے اسلئے کہ ان انوار ہی کے ذریعہ سے ان کا مقصود حاصل ہوتا ہے اور جو بارگاہ عالی تک واصل ہوگئے ہیں ان کے لئے حق تعالیٰ کی حضوری اور روبرو ہونے کے انوار ہیں تو ان کے انوار وہ ہیں جو حق تعالیٰ کی طرف سے ان کے ساتھ قرب اور محبت کا معاملہ ہوتا ہے پس اول گروہ کی سعی تو انوار کے لئے ہے اور دوسرے گروہ پر بلا سعی کے انوار نازل ہوتے ہیں اسلئے کہ ان کو

اور کیفیت میں ایسے دقیق اور صفائی والے ہوتے ہیں کہ ان کی طرف اشارہ نہیں ہوسکتا۔ جیسے لیلۃ القدر
ہے کہ ایک ہی رات ہی مگر اسمیں عمل و عبادت ہزار ماہ سے بڑھکر ہے۔ خلاصہ یہ ہی کہ فضل کا مدار کسی کے قیاس
اور عقل پر نہیں اور نہ کسی کے ساتھہ مخصوص ہی اور نہ کسی مدت کے ساتھہ خاص ہی۔

یہ ایک خط ہی جو سیر و سلوک کی ابتدا سے انتہا تک کے حالات کو شامل ہی اور اپنے بعضے دینی بھائیوں کے نام لکھا

حمد و صلوٰۃ کے بعد واضح ہو کہ ابتدا سالک اسکی انتہا کا آئینہ اور تجلی گاہ ہے اور جسکی بدایت اللہ تعالیٰ کے
ساتھہ ہوگی اسکی نہایت بھی اسی تک ہوگی۔ **ف** سالک کی ابتدائی حالت اسکی انتہائی حالت کے لئے
بمنزلہ آئینہ اور تجلی گاہ کے ہے مطلب یہ ہی کہ سالک کی ابتدا میں جو حالت ہوتی ہی اسی کی مناسب انتہائی
حالت ہوتی ہی اور اس ابتدائی حالت سے انتہا کا حال معلوم ہوتا ہی اگر ابتدا میں عبادت اور ریاضت کیطرف
اسکی توجہ تام اور سعی بلیغ ہے تو یہ اسکی دلیل ہی کہ انتہا میں اسپر حق تعالیٰ کی طرف سے فیض کا کوئی بڑا باب
مفتوح ہونے والا ہے اور نیز بہت جلدی یہ شخص اپنے مقصود کو پہونچے گا اور اگر ابتدا میں عبادت اور
ریاضت کے اندر ضعف ہی تو انتہا میں اسکا کشود کار اور وصول بھی ضعیف ہوگا اور جسکی ابتدا اللہ تعالےٰ
کے ساتھہ ہوگی کہ اپنے ہر کام دنیوی و دینی میں اور ریاضت و مجاہدہ میں اسکا شیوہ یہ ہی کہ اللہ ہی سے مدد
چاہتا ہی تو نہایت بھی اللہ تعالیٰ تک ہوگی یعنی اوسکو وصول الی اللہ میسر ہوگا اور سب مخلوق و اسباب سے
انقطاع تام میسر ہوگا اور اگر ابتدا میں اس صفت کے اندر ضعف ہی اور اعتماد اسباب ظاہرہ پر ہے اور
اپنی تدابیر و عقل پر ناز ہے تو انتہائی حالت میں بھی اسکا اثر رہے گا اور توکل و اعتماد علی اللہ میں ضعف ہوگا

اور مشغولی کے لائق وہی اعمال صالحہ ہیں جنکو تو نے محبوب جانا اور اُن کی طرف مسارعت کی اور اعراض
کے قابل وہ خواہشات باطلہ ہیں جنکو چھوڑ کر تو نے اپنے مولیٰ کریم کی طرف توجہ کو اختیار کیا **ف** سالک
طالب جب دنیا کے مشاغل ترک کرکے حق تعالیٰ کی یاد میں مشغول ہوتا ہی تو بعض مرتبہ نفس بسبب جہل اور
حب دنیا کے ان مشاغل متروکہ کو یاد کرتا ہی اور اس وجہ اسکو ایک قسم کا حزن ہوتا ہی اسلئے ہمت بڑھانے کے
لئے فرماتے ہیں کہ مشغولی کے لائق وہی اعمال صالحہ ہیں جنکو تو نے محبوب جانکر اختیار کیا ہے اور ان کی
طرف دوڑا ہی اور جن خواہشات باطلہ میں تو پہلے مشغول تھا اور ان کو چھوڑ کر مولیٰ کریم کی طرف توجہ اختیار کی

بعض عمروں کی مدت دراز ہوتی ہی اور اُسکے منافع یا امداد الٰہی کم ہوتی ہی اور بعض عمروں کی مدت کوتاہ ہوتی ہے اور اُسکے فوائد یا امداد الٰہی زیادہ ہوتی ہیں **ف** بعض لوگوں کی عمر دراز ہوتی ہی جسکا ظاہر میں مقتضیٰ یہ ہے کہ ایسے لوگوں سے مخلوق کو منافع زیادہ پہونچیں اور خود بھی وہ بہت سے فوائد اخروی جمع کرلیں لیکن معاملہ برعکس ہوتا ہی کہ کثرت عمر کا اُن کو نفع کم ہوتا ہی اور امداد الٰہی ان کو کم ہوتی ہے کہ تمام عمر غفلت میں گذر جاتی ہے اور اپنی ہوا و ہوس میں مشغول رہتے ہیں اور اتنے بڑے سرمایہ میں سے ان کو یا تو بالکل کچھ بھی وصول نہیں ہوتا اور یا بہت کم ہوتا ہی اور بعض لوگوں کی عمر کی مدت بہت کم ہوتی ہی لیکن فوائد اور امداد الٰہی بہت ہوتی ہے کہ اُس تھوڑی سی عمر کو وہ اعمال صالحہ اور ذکر اللہ میں صرف فرماتے ہیں اور اس امت محمدیہ صلے اللہ علیہ وسلم کا امتیاز اور فضیلت دیگر امم پر اس بات میں بھی ہی کہ ان کی عمریں کم اور فضیلت زیادہ اور دیگر امم کی عمریں بڑی اور فضیلت میں اُن سے کم ہیں وذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء اور بعضوں کی عمر کا اکثر حصہ غفلت میں گذر جاتا ہی اور ان پر آخر میں فضل متوجہ ہو جاتا ہی اور تھوڑی مدت میں تمام عمر کا تدارک ہو جاتا ہی بلکہ ایسی تلافی ہوتی ہی کہ دوسرا باوجود طول عمر کے اور ظاہری اعمال کی کثرت کے اُسکی برابری نہیں کرسکتا اسلئے کہ فضیلت کا مدار اخلاص نیت پر ہی کثرت اعمال پر نہیں اسی واسطے عارف کی ایک رکعت دوسروں کی ایک لاکھ رکعت سے بڑھکر ہے۔

جس کی عمر میں برکت دی جاتی ہی وہ تھوڑے زمانہ میں اسقدر اللہ تعالیٰ کے الطاف و احسانات پالیتا ہی جو نہ عبارت اور بیان کے احاطہ میں آسکیں اور نہ اشارہ وہاں تک پہونچ سکے **ف** عمر کے اندر برکت ہونے کے معنے یہ ہیں کہ بندہ کو اللہ تعالیٰ ایسی بیداری اور ہوشیاری عطا فرمادیں کہ وہ اپنے اوقات کے ایک ایک منٹ کو غنیمت سمجھنے لگے اور ایک ایک سانس کو ہفت اقلیم کی سلطنت سے بڑھکر جانے اور اسکو فضول ضائع نہ کرے اور اعمال قلبیہ و بدنیہ میں اپنی پوری ہمت خرچ کرے تو ایسا شخص تھوڑے عرصہ میں اللہ تعالیٰ کے اسقدر نعمتیں اور مہربانیاں پالیتا ہی کہ کوئی بیان کرنے والا ان کو بسبب کثرت کے بیان نہیں کرسکتا اور نہایت معانی اور نزاکت کی وجہ سے ان کی طرف اشارہ بھی نہیں ہوسکتا یعنی ایسی ایسی نعمتیں اور فیوض الٰہیہ اسکو ملتے ہیں کہ محبت میں اسقدر زیادہ ہوجاتے ہیں کہ کوئی ان کو بیان نہیں کرسکتا

لی جاویگی خواہ ابھی یا بعد چندے تو تم ہی اسکو چھوڑ دو اور باقی رہنے والی دولت اختیار کر لو اسلئے کہ عاقل وہ ہے جو باقی رہنے والے گھر کے ساتھ بہ نسبت فنا ہونے والے گھر کے زیادہ خوش ہو اور اسی کو اختیار کرے اور زیادہ خوش ہونے کا مطلب یہ ہی کہ مقصود دار آخرت کو جانے اور اُسکے ساتھ اسکی مسرت زیادہ ہو اور دنیا کے ساتھ کم ہو یہ نہیں کہ دنیا کی خوشی سے بالکل خوش نہ ہو کہ یہ انسانی طاقت سے باہر ہے۔

اس دار فانی کی بے رغبتی کا نور اُسکے باطن میں چمکا اور اُسکی سفیدی اُسکے ظاہر میں عیاں ہوئی تو اُسنے آنکھیں بند کر کے اُس دار سے روگردانی کی اور پشت پھیر کر اُس سے اعراض کیا نہ اُسکو وطن بنایا اور نہ مسکن ٹھیرایا بلکہ اسمیں رہکر اپنی ہمت کو اللہ تعالیٰ کی طرف بڑہایا اور اللہ تعالیٰ کی طرف پیش قدمی کرنے میں اُسی سے استعانت کرتا ہوا اُسکی طرف چلا **ف** جب سالک عاقل نے ہمت کر کے دار فانی کو اور اسکی پسندیدہ چیزوں کو چھوڑ دیا تو اول اول اُسکو ایک مشقت اور کلفت اسکی معلوم ہوئی لیکن چند روز بعد نتیجہ اسکا یہ ہوا کہ اُسکے قلب میں اسکی بے رغبتی اور زہد کا نور چمکا اور اُس نور کی روشنی اور سفیدی اسکے چہرہ اور ظاہر بدن پر بھی ظاہر ہوئی اسلئے کہ جب قلب میں نور ہوتا ہے تو اُسکا اثر بدن پر بھی ظاہر ہوتا ہی اور یہ علامت ہی اسکی کہ اُسکی سعی قبول ہوئی پس اُس سالک عاقل نے اس دار سے آنکھیں بند کرلیں اور اس سے روگردانی کی اور اس سے پشت پھیر لی اور اس دار کو نہ اُسنے وطن بنایا یعنے جیسے وطن کو آدمی اپنا ٹھکانہ سمجھتا ہے اُس نے اس دنیا کو اپنا وطن نہ جانا اور نہ اسکو مسکن بنایا یعنے جیسے مسکن میں آدمی کو آرام ملتا ہے تو اُسکے دل نے اسمیں آرام نہیں پایا گو بظاہر مثل دوسروں کے وطن اور مسکن میں رہتا ہوا نظر آیا بلکہ اپنی ہمت کو اللہ تعالے کیطرف بڑہایا اور اللہ تعالیٰ کی طرف پیش قدمی کرنے میں اُسی سے مدد چاہتا ہوا اُسی کی طرف چلا مطلب یہ ہی کہ اُسکے رستہ چلنے میں اپنے عمل وحال پر مطلقا بھروسہ چھوڑ دیا بلکہ اُسی کی مدد پر بھروسہ کرکے اُسکی طرف چلا اسلئے کہ عمل کسی کا کسی کو نجات نہیں دیگا جسنے کچھ پایا ہے فضل ہی پایا ہی پس جس نے اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرلیا اور اپنے مجاہدہ و ریاضت و ذکر و شغل و مراقبہ کی طرف نظر نہیں کی اور اسمیں کمی بھی نہیں کی بلکہ ہمت کو بڑہائے رکھا اور نظر رحمت او فضل پر رکھی تو اُمید ہے کہ منزل مقصود کو پہونچے گا۔ اور یہ سالک کی ابتدائی حالت ہوئی۔

وہ چھوڑنے اور روگردانی ہی کی قابل ہیں۔

اور بے شک جو یقین کرے گا کہ اللہ تعالیٰ اُس سے عبودیت کا طالب ہے سچی طلب سے اسکی طرف متوجہ ہوگا

اور جسنے جانا کہ سب کام اللہ تعالیٰ کے قبضہ اختیار میں ہیں اُسپر توکل کرکے اپنے پریشان اُفکار کو مجتمع کریگا۔

ف جس شخص کو اس بات کا یقین کامل حاصل ہوجائے گا کہ اللہ تعالیٰ مجھ سے بندگی اور بندگی کے حقوق کا طالب ہے تو اسی یقین کا مقتضے یہ ہے کہ یہ شخص سچی طلب سے اسکی طرف متوجہ ہوگا اور اپنے نفسانی مزوں اور مرادوں کو پس پشت ڈالدے گا اسلئے کہ اس یقین کا مقتضی ہی یہ ہے اور جسقدر اس یقین میں کمی ہوگی اُسیقدر اس طلب میں کمی ہوگی اور بغیر طلب کے اندر سچائی ہی نہ ہوگی اور طلب کی سچائی یہ ہے کہ بجز رضائے مولیٰ کے کسی شئی کا طالب نہ ہو عبادات سے مقصود ہی یہ ہو اور جسنے یہ جان لیا اور یقین کرلیا کہ تمام کام اللہ تعالیٰ کے قبضۂ قدرت میں ہیں وہ اُسی پر توکل کرکے اپنے پریشان اُفکار کو جمع کرے گا اسلئے کہ جب قلب کو یقین کامل اسکا ہوگیا کہ تمام امور اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہیں اور وہ ہی کام بنانے والا ہے تو اس یقین کا مقتضی یہ ہے کہ اُسی پر بھروسہ ہو اور کوئی فکر لاحق نہ ہو اسلئے کہ فکر ہمیشہ اپنی عقل اور تدبیر پر بھروسہ کرنے سے ہوتا ہے مقصود ان ہر دو ارشاد سے یہ ہے کہ سالک کو چاہیئے کہ طلب میں سچا ہو اور اپنے مقصود کے حاصل ہونے میں اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرے اپنی تدبیر اور اپنے قیاس کو دخل نہ دے اور نہ ان افکار میں پڑے اطمینان سے اپنا کام کرے اور جو اپنی عقل و تدبیر سے کام لیتا ہے اللہ تعالیٰ اُسکو اُسی کے نفس پر حوالہ فرما دیتے ہیں بجز تفویض و تسلیم و توکل کے کوئی چارہ نہیں ہے۔

اور ضرور ہے کہ اُس کو شک وجود کے ستون منہدم ہوں اور اُسکی پسندیدہ چیزیں چھنیں تو عاقل وہ ہے جو دار فانی کی بہ نسبت دار باقی کے ساتھ زیادہ خوش ہو۔

ف بہت لوگ اللہ تعالیٰ کی یاد اور سلوک میں اسلیئے مشغول نہیں ہوتے کہ ہم اگر اس رستہ میں پڑے تو دنیا کے مزے سب جاتے رہیں گے اور بعض سالک بھی جو ضعیف ہیں ان کو بھی یہ خوف بعض مرتبہ ستاتا ہے ان کی تسلی کے لئے فرماتے ہیں کہ یہ ضروری بات ہے کہ کبھی نہ کبھی اس تمہارے وجود کے ستون منہدم ہونگے یعنی اس دنیا کو یا تو چھوڑنا پڑے گا اور یا دنیا ہی تم کو چھوڑ دیگی اور اُسوقت اسکی پسندیدہ چیزیں کھانا پہننا وغیرہ سب چھین

پھر جب حقوق کے آسمان یا خواہشات کی زمین کی طرف نزول فرماتے ہیں تو اذن اور تمکین اور پختہ یقین کے
ساتھ نہ حقوق کی طرف بے ادبی اور غفلت کے ساتھ نزول فرماتے ہیں اور نہ خواہشات کی طرف اپنی نفسانی
خواہش اور فائدہ اٹھانے کی غرض سے بلکہ اسمیں صرف اللہ تعالیٰ کی مدد سے اللہ کے واسطے اللہ کی طرف
سے اللہ تعالیٰ کی طرف توسل پکڑ کے داخل ہوتے ہیں چنانچہ ارشاد ہے اور کہہ لے پروردگار داخل کر مجھکو
سچا داخل کرنا اور نکال مجھکو سچا نکالنا تاکہ جب تو مجھکو داخل کرے تو میری نظر تیری طاقت اور قوت کیطرف
ہو اور جب مجھکو نکالے تو میری طاعت وانقیاد تیری طرف ہو اور میرے لئے اپنی طرف سے صاحب شوکت
مددگار مقرر فرما کہ میرے نفس پر اور میرے ساتھ دوسروں کی، دکھے اور میرے نفس کی مجھ پر مدد نہ کرے
نفس کے مشاہدہ پر میری اعانت کرے اور مجھ کو میری ظاہری حس کی معلومات سے بالکل فنا کر دے **ف**
سالک کے لئے جب مقام فنا میں رسوخ کامل ہو جاتا ہے یعنی اسکی لوح قلب سے غیر اللہ کا نقش من کل الوجوہ
محو ہو جاتا ہے تو اسکے قلب کی حالت یہ ہوتی ہے کہ ہر وقت مشاہدہ جلال وجمال حق میں مستغرق رہتا ہے اور کسی شئی
کی طرف اسکا التفات نہیں ہوتا اس کے بعد اگر حق تعالیٰ کو منظور ہوتا ہے کہ اسکو صاحب ارشاد بنادیں تو اسکو مقام
بقاء وفرق سے مشرف فرماتے ہیں حاصل یہ ہے کہ فنا کی حالت میں تو سالک کی تمام تر توجہ ذات حق کی طرف ہوتی
ہے اور مخلوقات اسکی نظر التفات سے بالکل غائب ہو جاتی ہے اور اپنی اور ہر شئی کی عدمیت اسکے پیش نظر ہوتی ہے جب
یہ حالت راسخ ہو جاتی ہے تو پھر اسکو التفات الی الخلق عطا ہوتا ہے لیکن اس التفات اور قبل از سلوک جو اسکے التفات
تھا دونوں میں زمین آسمان کا فرق ہوتا ہے پہلے جو التفات و توجہ تھی وہ استقلالاً مخلوق پر تھی اور مولیٰ حقیقی سے
غفلت تھی اور اسوقت توجہ اصلی اللہ تعالیٰ کی طرف ہے اور مخلوق کی طرف اس طور سے ہے کہ تمام مخلوقات
اسکے لئے جمال وجلال الٰہی کے دیکھنے کا آئینہ بنجاتا ہے اسوقت یہ حضرات مخلوق کے لئے واسطہ فیض رسانی
کے بنتے ہیں اور مخلوق سے ملتے جلتے ہیں اسی مقام کو شیخ بیان فرماتے ہیں کہ جب یہ حضرات حقوق کے آسمان
یا خواہشات کی زمین الخ یعنے مخلوق سے ملنے کے وقت جو حقوق انپر واجب ہوتے ہیں وہ مشابہ آسمان کے ہیں
کہ جیسے آسمان پر چڑھنا دشوار ہے اسیطرح ان حقوق کا ادا کرنا ہر شخص کا کام نہیں ہے اور خواہشات کی زمین
مراد ان کی نفسانی خواہشیں ہیں جو فنا کی حالت میں نظر التفات سے بالکل محو ہوگئی تھیں تو جسوقت ان حقوق

اُسکے عزم کی ناقہ قرار و سکون نہیں پکڑتی ہے ہمیشہ چلتی رہی یہاں تک کہ بارگاہ پاک اور دل لگی کے فرش پر

پہونچی اور وہ مفاتحہ اور مواجہہ اور مجالست اور محادثت اور مشاہدہ اور مطالعہ کا محل ہے **ف** عزم کو ناقہ سے تشبیہ دیکر فرماتے ہیں کہ اُسکے عزم کے ناقہ کو کہیں قرار و سکون نہیں ہوتا یعنے اسکے بعد سالک کو تم قسم کے حالات اپنی طرف کھینچنے والے پیش آتے ہیں لذت، فرح، سرور، انوار، کرامات، مکاشفات، حقائق اشیاء کا علم، علوم وہبیہ، اسرار تو اگر ان احوال میں سے کسی طرف اُسکو میلان ہو گیا تو اُسکے عزم کی ناقہ کو ایک جا قرار ہو گیا اور ترقی اُسکی رُک جاتی ہے اور اگر حق تعالیٰ کا فضل ہوا اور اسکی تکمیل منظور ہوئی تو اُسکے عزم کی ناقہ ان سب کو چھوڑتی چلی جاتی ہے اور کسی جگہ کو مقام نہیں بناتی یہانتک بارگاہ پاک میں اور مقام انس اور دل لگی میں پہونچی کہ یہاں دلوں کو سچا انس اور حقیقی دلبستگی اور واقعی لذت ہے اور یہ مقام مفاتحہ ہے یعنی بارگاہ عالی سے قلوب پر فیوض و برکات کے نزول کا افتتاح و ابتدا ہوتا ہے اور مقام مواجہہ ہے یعنی حق تعالیٰ کی طرف سے بندہ کی طرف رحمت کے ساتھ توجہ ہوتی ہے اور مقام مجالست ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی بندہ کے ساتھ حضوری ہوتی ہے اور مقام محادثہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بندہ کے ساتھ سرگوشی فرماتے ہیں یعنی معارف و اسرار و مناجات کے راز دنیا ز اسکے قلب پر مینہ کی طرح برستے ہیں اور مقام مشاہدہ ہے کہ بندہ اپنے باطن سے اپنے مولیٰ کا مشاہدہ کرتا ہے اور حواس ظاہرہ سے غائب ہو جاتا ہے اور مقام مطالعہ ہے کہ مقام مشاہدہ اُسکے لئے راسخ ہو جاتا ہے اور ہر آن و ہمہ وقت مطالعہ جمال و جلال میں مشغول رہتا ہے اور اسی کا نام وصول ہے۔

پھر وہ حضرت مقدس اُنکے قلوب کے طیور کا گھونسلا ہو گئے اُسی کو ٹھکانہ بناتے ہیں اور اُسی میں آرام پاتے ہیں **ف** یعنی بارگاہ پاک میں پہونچنے کے بعد وہ پاک بارگاہ اُن کے قلوب کے لئے ایسی ہو جاتی ہے جیسے پرندوں کے لئے آشیانہ ہوتا ہے کہ پرندے اُسی کو اپنا ٹھکانہ بناتے ہیں اور اُسی میں آرام پاتے ہیں دن بھر جا بجا اِدھر اُدھر رہیں مگر چین ان کو اپنے آشیانہ میں ملتا ہے اسیطرح سالک کا حال ہوتا ہے کہ ظاہراً مخلوق سے ملتا جلتا ہے لیکن چین اور اطمینان اُسکو اپنی اُسی حالت مشاہدہ سے ہوتی ہے اور اسکو مقام فنا اور مقام جمع اور عروج کہتے ہیں اور یہ سالک کا انتہائی سفر ہے کہ یہاں پہونچکر سلوک تمام ہو جاتا ہے۔

کسی عمل کو اپنی طرف نسبت نہ کرے اور سچا انکا لنا یہ ہے کہ نزول کی حالت میں اپنے رب کے سامنے تسلیم و
انقیاد اختیار کرے کہ جس مقام کیطرف اُسکو بھیجا ہے اسپر راضی ہو اور نفس پہلے مقام یعنی عروج کے
اندر رہنے کی حرص نکرے بلکہ جو مولیٰ کا م سپرد کرے اُسکو بدل و جان کرے چنانچہ شیخ اس مضمون کو فرماتے
ہیں یہ دعا و استعانت اسلئے کی ہے کہ میری نظر داخل ہونے کے وقت تیری ہی قوت اور طاقت کی
طرف ہو اور جب مجکو نکالے تو میری طاعت اور انقیاد تیری طرف ہو اپنے نفس کا دخل نہ ہو اور
میرے لئے اپنی طرف سے صاحب شوکت مددگار مقرر فرما اس سے مراد مدد آلہی کا سوال ہے جو ہر
وہم کامل کے حال پر مبند ول رہتی ہے اور وہ مددگار میرے نفس کے مقابلہ میں میری مدد کرے کہ میں
نفس کے کہنے پر نہ چلوں اور میرے ذریعہ سے دوسروں کی مدد کرے اور نفس کے مشاہدہ پر میری
اعانت کرے کہ میں اپنے نفس کی طرف کوئی فعل اور کوئی حرکت و سکون کی نسبت کروں سب کو اللہ
کی طرف سے جانوں اور مجھکو میری ظاہری حس کی معلومات سے بالکل فنا کر دے ظاہری حس کی معلومات
مخلوقات ظاہرہ ہیں ان کے ساتھ میرا تعلق نہ رہے نہ ان کو نفع پہونچانے والا جانوں اور نہ ضرر رساں
سمجھوں آمین رزقنا ہا اللہ تعالیٰ آمین۔

تیئیسواں باب قبض اور بسط کے بیان میں

بسط کی حالت میں تجھکو اسلئے رکھا کہ قبض میں تجھکو نہ رکھے اور قبض کی حالت میں تجھکو پہونچایا تاکہ
بسط میں نہ چھوڑے اور دونوں سے تجھکو نکالا تاکہ تو سوائے اپنے مولیٰ کے کسی کا نہ ہو **ف** قبض اور بسط
دو حالتیں ہیں جو سالک پر یکے بعد دیگرے وارد ہوتی رہتی ہیں۔ قبض تو یہ ہے کہ قلب پر کوئی وارد صفت
جلال و قہر کا ایسا پیش آوے جس سے قلب گرفتہ ہو جائے اور بشاشت اسکی جاتی رہے اور ذکر و طاعت
میں انشراح نہ رہے اور بسط یہ ہے کہ صفت جمال و رحمت کا ایسا وارد قلب پر غالب ہو کہ بشاشت
و انشراح کی کیفیت اسقدر ہو جاوے کہ تھامنے سے بھی نہ رکے اور قبض و بسط ایسے سالک کو پیش
آتا ہے جو ابتدائی حالت سے آگے بڑھ گیا ہو اور ابتدا میں خوف اور رجا ہوتا ہے قبض اور بسط اور خوف

اور اور خواہشوں کی طرف ان کا نزول ہوتا ہے تو یہ نزول ان کا اذن الٰہی سے ہوتا ہے یعنی اگر اذن نہ
ہو یا اُن کو اختیار دیا جاوے تو کبھی مقام فنا سے آنا پسند نہ کریں اور نیز یہ نزول بعد تمکین کے ہوتا ہے۔
یعنی جب مقام فنا میں پختگی ہو جاتی ہے اسوقت ہوتا ہے اور نیز یقین اور معرفت کے اندر پختگی کے بعد
ہوتا ہے اسلئے حقوق کی طرف بے ادبی اور غفلت کے ساتھ نزول نہیں فرماتے یعنی قبل از فنا جیسے
تھے کہ حقوق الناس ادا کرنے میں ادب ملحوظ نہیں تھا اور نیز مولیٰ تعالیٰ شانہ سے غفلت تھی اب وہ
بات نہیں رہتی بلکہ ہر وقت ہوشیار رہی اور ادب کو لئے رہتے ہیں اگر کوئی اُن کو ستاتا ہے اُس سے
انتقام نہیں لیتے اسلئے کہ مولیٰ حقیقی پر ہر وقت نظر قلب کی رہتی ہے جانتے ہیں کہ اُسی نے ہم پر اسکو
مسلط کیا ہے اور اگر کوئی شخص ان کے ساتھ ادب تعظیم سے پیش آتا ہے تو یہ اُن کے نفس کو پھلاتا نہیں ہے
غرض تمام حقوق کے ادا کرنے میں ان کو کسی وقت اللہ تعالیٰ سے غفلت نہیں ہوتی۔ اور اپنی خواہشات
کی طرف اپنی نفسانی خواہش اور فائدہ اُٹھانے کی غرض سے نزول نہیں فرماتے یعنی فنا سے پہلے تو حالت
یہ تھی کہ کھانا پینا پہننا بیوی سے مخالطت کرنا نفسانی مزہ کے سلئے تھا اور اسوقت یہ نہیں بلکہ ان
سب خواہشوں میں اللہ کی مدد سے اور اللہ ہی کے واسطے داخل ہوتے ہیں یعنی ان خواہشات کے افعال
کرنے کے وقت اللہ ہی سے مدد چاہتے ہیں اور اللہ ہی کے واسطے کرتے ہیں نفس کا مطلق حصہ نہیں ہوتا
اور اللہ ہی کی طرف سے کرتے ہیں اپنے نفس کی طرف سے نہیں اور ہر امر میں اللہ ہی سے توسل کرتے
ہیں پس اس مقام میں آکر سالک کامل مکمل ہو جاتا ہے اور یہ سالک کا دوسرا سفر ہوتا ہے اول سفر کو ترقی
اور عروج کہتے ہیں اور اُسکو نزول کہا جاتا ہے ان دونوں سفروں کو حضرت شیخ آیۃ کریمہ وقل رب ادخلنی
مدخل صدق واخرجنی مخرج صدق سے اقتباس فرماتے ہیں ترجمہ یہ ہے کہ کہہ لے میرے پروردگار داخل
کر مجھکو سچا داخل کرنا اور نکال مجھکو سچا نکالنا سچے داخل کرنے سے مراد ترقی کا سفر ہے اسلئے کہ اس سفر
سے سالک اللہ تعالیٰ کی بارگاہ پاک میں داخل ہوتا ہے اور فنا ہو کر اغیار سے فارغ ہو جاتا ہے اور سچے نکالنے
سے مراد سفر نزول ہے اسلئے کہ سالک اس سفر سے مخلوق کی طرف نکلتا ہے اور ان کو اپنے فیوض پہنچاتا
ہے اور سچا داخل کرنا یہ ہے کہ عروج کی حالت میں کہ سالک اللہ ہی کی قوت وصول کا مشاہدہ کرے اور

جب بسط زیادہ بڑھتا ہے اور غلبہ ہوتا ہی تو بعض کلمات زبان سے ایسے نکل جاتے ہیں جو بارگاہ عالی
کے ادب کے خلاف ہیں اسیواسطے شیخ فرماتے ہیں کہ بسط کی حالت میں ادب کے حدود کے اندر بہت کم لوگ
رہتے ہیں بخلاف قبض کے کہ وہ حالت چونکہ نفس کے خلاف ہی اسیلئے اسمیں عجز وانکسار وعبدیت قائم
رہتی ہے اور اپنے آپ کو قہر حق وغلبۂ حق کے مغلوب ہونے کا مشاہدہ رہتا ہے۔

بسط کی حالت میں تو نفس اپنا حصہ سرور کا لے لیتا ہو اور قبض کی حالت میں نفس کا کچھ حصہ نہیں ملتا

ف یہ مضمون ارشاد سابق کی علت ہی کہ ادب کی رعایت بسط میں اسلئے نہیں رہتی کہ بسط میں نفس کو سرور
اور فرح کا حصہ ملتا ہے اور جب نفس کو اسکی خواہش ملجاتی ہے تو غفلت اور نسیان کا پیدا ہونا اسکے
لوازم میں سے ہے اور نیز علوم اور احوال ومقامات اور اسرار دانی کے دعوے اور اپنا خاص لوگوں میں سے
ہونا اور اپنے حالات سے لذت حاصل کرنا پیش آتا ہے اور یہ سب باتیں شان عبدیت اور بندگی کے خلاف
ہیں بخلاف قبض کے کہ اسمیں نفس کو حصہ نہیں ملتا اسلئے اپنی حدود پر رہتا ہے اسیواسطے عارفین نے
قبض کی حالت کو بسط پر ترجیح دی ہے۔

بسا اوقات قبض کی تاریک رات میں وہ علوم ومعارف تجھکو دیے جو تو بسط کے روز روشن میں نہیں پا سکتا

چنانچہ ارشاد ہے تم نہیں جانتے تمہارا زیادہ نافع ان میں کونسا ہے **ف** چونکہ قبض نفس کو ناگوار اور بسط
خوشگوار ہے اسلئے سالک قبض سے گھبراتا ہو اور اسکو سبب بُعد کا جانتا ہی اور بسط کو پسند کرتا ہو اور اسکو قرب
جانتا ہی اسلئے قبض کی حکمت بیان فرماتے ہیں قبض کو تاریک رات سے تشبیہ اسلئے دی ہو کہ رات کے اندر
سکون ہوتا ہی قبض کی حالت میں نفس چونکہ منکسر ہوتا ہے اسلئے اسکو اپنے کمالات اور دعووں کی طرف
حرکت نہیں ہوتی اور روح میں حرکت ہو کر حق تعالیٰ کی طرف ملتجی ہوتا ہی اور بسط کو روز روشن اسلئے فرمایا کہ
جیسے دن کے اندر انتشار اور ادھر ادھر مخلوق کی آمد ورفت ہوتی ہے اسی طرح بسط میں بھی نفس کے اندر حرکت
ہوتی ہے اور اپنے اوصاف واسرار کے ظاہر کرنے کا خواہشمند ہوتا ہی فرماتے ہیں ای سالک قبض سے مت گھبرا
اسلئے کہ قبض کی حالت میں بسا اوقات وہ علوم ومعارف تجھکو عطا فرماتے ہیں کہ بسط میں ان کو نہیں پا سکتا
اور وجہ اسکی یہ ہے کہ قبض میں نفس منکسر اور ذلیل ہوتا ہے تو یہ تذلل وانکسار حق تعالیٰ کے فضل وکرم کا

ورجا میں فرق یہ ہے کہ خوف ورجا کبھی آیندہ بات کے تصور سے ہوتے ہیں اور قبض وبسط کی حالت موجودہ واردات کی وجہ سے ہوتے ہیں اس مقام پر شیخ رحمہ اللہ قبض اور بسط کی حکمت بیان فرماتے ہیں خلاصہ ارشاد کا یہ ہے کہ اے سالک بسط کی حالت تجھ پر اسلئے وارد کی اور قبض سے نکال لیا تاکہ تجھکو قبض ہی میں نہ رکھے اسلئے کہ اگر بسط نہ ہوگا تو قبض ہوگا کیونکہ سالک متوسط پر ان دو حالتوں میں سے ایک ایک رہتی ہے اور قبض ہی اگر ہے اور بسط نہ ہو تو قبض صفت جلال کا اثر ہے تو چند روز بعد اس حالت کا تحمل سخت دشوار ہوگا اور اگر وارد قوی ہوگا تو عجب نہیں ہے کہ سالک ہلاک ہو جائے چنانچہ ایسے قصے واقع ہوئے ہیں اسلئے قبض کے بعد بسط کی کیفیت عطا ہوتی ہے اور قبض اسلئے وارد فرمایا کہ بسط ہی بسط نہ رہے اسلئے کہ بسط میں نفس کا حظ ہے اور نفس کے موافق ہے تو اگر اسمیں استمداد ہوگا تو عبدیت کی صفت میں ضرور کمی آویگی اور اگر زیادہ یہ کیفیت رہی تو اور بھی زیادہ خطرہ کی بات ہے اور کامل پر یہ دونوں کیفیتیں نہیں ہوتیں بلکہ اسکی کیفیت قبض اور بسط کے درمیان درمیان رہتی ہے نہ یہ غالب نہ وہ غالب اسلئے فرماتے ہیں کہ قبض اور بسط سے تجھکو اسلئے نکالا کہ سوائے اپنے ہونے کے کسیکا نہ رہے اسلئے کہ قبض اور بسط دونوں حالتوں میں غلبہ ہوتا ہے قبض میں تو قلب ناگواری کی کیفیت سے نگین ہوتا ہے اور توجہ اسکے ازالہ کی طرف ہوتی ہے اور بسط میں خوش گواری اور بشاشت کا غلبہ ہوتا ہے تو قلب اس سے حظ لینے میں مشغول ہوتا ہے غرض دونوں حالتوں میں توجہ الی ذات الحق نہ ہوئی اسلئے کامل کی حالت معتدل ہوتی ہے کہ نہ اسکو قبض کہہ سکتے ہیں نہ بسط لیکن استقامت اور اعتدال حال کے حصول کا ذریعہ یہی قبض اور بسط ہیں کہ اس نشیب و فراز کے بعد قلب کے اندر ایک اعتدالی حالت قائم ہو جاتی ہے۔

بسط کی حالت میں عارفین بہ نسبت حالت قبض کے زیادہ خائف ہوتے ہیں حالت بسط میں ادب کے حدود تک صرف تھوڑے ہی آدمی ٹھہرتے ہیں ف بسط کی حالت چونکہ نفس کی خواہش کے موافق ہے اسلئے عارفین کو بہ نسبت قبض کے اس حالت میں اس بات کا اندیشہ ہوتا ہے کہ نفس اپنے مزہ میں لگ کر اپنا دل اور کرامات کو ظاہر کرنے لگے اور دعوے نہ کہا کرنے لگے اور پھر بعض مرتبہ

ان صفات کا اسکو خود بھی ادراک نہیں ہوتا اور اسکا میلان ہمیشہ اسفل اور معاصی کی جانب ہی اور
مومن کے قلب میں حق تعالیٰ کی طرف سے نور توحید و ایمان ہے جو انسان کو اخلاق حمیدہ اور طاعات
کی طرف کھینچتا ہے پس ظلمت سے مراد نفس کی صفات ہیں اور نور سے مراد نور قلب ہی گویا یہ ظلمت نفس کا
لشکر ہے اور نور قلب کا لشکر ہے ان دونوں میں باہم تنازع و مزاحمت رہتی ہی نفس اپنے لشکر ظلمت سے
قلب پر حملہ کرتا ہی اور اسکے مقتضیات پر عمل درآمد ہونے کو روکتا ہے اور قلب اپنے نور سے اسپر غالب
ہونا چاہتا ہے تو کبھی نفس غالب آ جاتا ہی اور بندہ سے معاصی کرا دیتا ہی اور طاعات سے روکدیتا ہی اور کبھی
قلب کے نور کا غلبہ ہوتا ہی اور نفس مغلوب ہو جاتا ہی اگر اس بندہ کے لئے اللہ تعالیٰ نے سعادت لکھی ہے تو انوار کے
لشکر سے اسکی مدد فرماتا ہی اور دنیا کو اسکی نظر میں خوار اور اسکا فنا ہونا ظاہر فرما دیتا ہے اور نیز نفس کے عیوب
اسپر کھل جاتے ہیں اور ظلمت اور اللہ تعالیٰ کے سوا دوسری اشیاء جو قلب میں جاگزین ہو رہی تھیں اور
نفس کی طرف سے ان کو مدد مل رہی تھی وہ قطع فرما دیتے ہیں اور انوار کا غلبہ ہو جاتا ہی اور رشد و شدہ اصل
مقصود حاصل ہو جاتا ہی اور اگر نعوذ باللہ قسمت میں شقاوت لکھی ہے تو ظلمت کے اندر زیادتی ہوتی چلی جاتی
ہے حتی کہ نور قلب میں کمی آتے آتے وہ نور بالکل معدوم ہو جاتا ہی اور دنیا کا غلبہ ہو جاتا ہی سالک کو چاہیئے
کہ جسوقت نفس اور قلب میں منازعت ہو تو حق تعالیٰ کی طرف رجوع کرے اور التجا کرے اور ذکر کی کثرت
کرے اور اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرے انشاء اللہ نفس کی دواعی کا غلبہ جاتا رہے گا اور قلب کے انوار کا غلبہ ہو جایگا

حقائق اور مغیبات کا مکشوف کر دینا نور کا کام ہے اور اسکا ادراک کرنا دل کی نظر کا کام ہے اور اسکی
طرف اقدام کرنا اور اعراض کرنا دل کا کام ہی۔ **ف** قوت باصرہ ظاہرہ سے آدمی خارجی نور کی مدد سے
دیکھ سکتا ہی مثلاً سورج نکلا ہوا ہو یا شمع و چراغ ہو اور اگر نہ سورج ہو اور نہ شمع وغیرہ ہو تو اس آنکھ سے
کچھ بھی نظر نہیں آتا اسیطرح قلب کی نظر کا حال ہی کہ جبتک نور کی مدد اسکو نہ ملے تو اس سے کوئی شئے
نظر نہیں آسکتی اور نور سے مراد نور یقین و ایمان ہی جو اللہ تعالیٰ اپنے خاص بندوں کو عطا فرماتا ہے
شیخ رحمہ کے ارشاد کا خلاصہ یہ ہی کہ نور یقین سے قلب پر اشیاء کی حقائق اور جو چیزیں دل کی نظر سے
پہلے غائب تھیں منکشف ہوتی ہیں مثلاً اس نور یقین کے حاصل ہونے سے پہلے دنیا کا فنا ہونا اور

سبب ہوجاتا ہی اور بعد اس حالت کے علوم و معارف کی دولت عطا ہوتی ہے آگے آیت کریمہ لاتدرون ایہم اقرب لکم نفعا یعنے بیٹے جو وارثوں کے حصے ٹھہرا دیئے ہیں ان کے موافق عمل کرو اپنی رائے کو دخل نہ دو واسطے کہ تم کو خبر نہیں کہ کونسا وارث تم کو نفع پہونچانے میں زیادہ قریب ہے قیاس و اعتبار کے طور پر اپنا مطلب ثابت فرماتے ہیں کہ جیسے وارثوں میں انسان کو یہ خبر نہیں کہ کون وارث میرے لئے زیادہ نفع پہونچانے والا ہے اور کون نہیں ہے حالانکہ یہ کھلی بات تھی اور احتمال ہوسکتا تھا کہ ہم اسکو جانیں تو قبض اور بسط تو بالکل باطنی حالات ہیں انمیں تو معلوم ہی نہیں ہوسکتا کہ ہمارے لئے قبض نافع ہے یا بسط بس بندہ کو لازم ہے کہ جو حالت پیش آوے اسکی نسبت کوئی اپنی رائے قائم نہ کرے اور بندگی و تسلیم کو کسی وقت ہاتھ سے نہ دے۔

چوبیسواں باب انوار اور اُن کے مراتب کے بیان میں

عبادت و ریاضت کے انوار قلوب مریدین اور ان کے اسرار کی اونٹنیاں ہیں **ف** قلب سے مراد صوفیہ کے نزدیک ظاہر قلب ہی اور سر سے مراد باطن قلب ہی اور اسکا احساس اہل ادراک و اہل بصیرت کو ہوتا ہے کہ قلب کے کئی حصے یا طبقے ہیں۔ خلاصہ ارشاد کا یہ ہی کہ عبادت و مجاہدہ سے جو انوار سالک کو حاصل ہوتے ہیں یہ مریدین و سالکین کے ظاہر قلب اور باطن قلب کے لئے اونٹنیوں کے مشابہ ہیں کہ جیسے اونٹنیاں مسافر کو اسکے مقصود پر پہونچا دیتی ہیں اسی طرح یہ انوار مرید کو اسکے مقصود یعنی بارگاہ عالی تک پہونچنے کا ذریعہ بن جاتے ہیں پس سالک عبادت و ریاضت کا التزام کرے اور اسکے اندر جو انوار و لذت پیش آویں ان کو مقصود نسمجھے بلکہ مقصود کا ذریعہ جانے اور مقصود کو اس سے آگے سمجھے۔ جیسے اونٹنیاں عین مقصود نہیں ہیں بلکہ مقصود تک پہنچانے کی وسیلہ ہیں۔

جیساکہ ظلمت نفس کا لشکر ہے ایسا ہی نور قلب کا لشکر ہے جب اللہ تعالی اپنے کسی بندہ کی امداد چاہتا ہے تو انوار کے لشکر سے اسکی مدد کرتا ہے اور اغیار اور تاریکیوں کی مدد قطع کر دیتا ہی **ف** نفس اصطلاح میں انسان کے اندر وہ قوت ہی جو اخلاق مذمومہ کی محرک ہی اور قلب اخلاق حمیدہ کا محل ہی۔ جاننا چاہیئے کہ انسان کا نفس خود بینی و خودپسندی اور جہل اور طبیعت کے عوارض میں اسقدر گھرا ہوا ہی کہ اپنے جہل اور

آیا ہی اور اللہ تعالیٰ کی صفات قدیم ہیں اسلئے یہ نور کبھی نہیں چھپتے ہاں اوصاف بشریہ کا غلبہ حجاب ہوتا ہے تو ان کا ادراک ضعیف ہوجاتا ہی باقی نور میں کوئی فرق نہیں آتا ہی مقصود یہ ہی کہ عاقل وہ ہی جو باقی رہنے والی شئی کو اختیار کرے اور فانی اور متغیر چیز کو چھوڑے۔

انوار کے طلوع ہونے کی جگہ عارفین کے قلوب اور اسرار ہیں **ف** معرفت اور علوم کے انوار کے طلوع ہونے کی جگہ عارفین کے دل اور دلوں کا باطن ہی کہ انکا دل بمنزلہ آسمان کے ہی جیسے سورج اور چاند کے طلوع ہونے کی جگہ آسمان ظاہری ہی اور ان کے قلوب کے انوار چاند سورج کے نور سے کہیں بڑھکر ہیں اسیواسطے حدیث میں آیا ہی کہ اگر ادنیٰ مومن کا نور ایمان ظاہر کر دیا جائے تو مشرق سے مغرب روشن ہوجائے اور چاند سورج کا نور ماند پڑجائے یا مٹ جائے یہ حال تو ادنیٰ مومن کے نور کا ہے عارفین کے انوار کا تو کیا پوچھنا ہے۔

اُس نور یقین کی مدد جو عارفین کے قلوب میں ودیعت ہی اُس نور سے ہے جو غیب کے خزانوں سے نازل ہوتا ہے ایک تو وہ نور قلب ہی جس سے مؤثر حقیقی تعالیٰ کے آثار مکشوف ہوتے ہیں دوسرا وہ ہی جس سے اُسکے اوصاف کمال تجھپر کھلتے ہیں **ف** جو نور یقین عارفین کے قلوب میں ودیعت ہی اُسکی مدد یعنی اسکی ترقی اور زیادتی اُس نور سے ہوتی ہی جو غیب کے خزانوں سے نازل ہوتا ہی خلاصہ ارشاد کا یہ ہی کہ عارف ہر وقت ترقی میں ہی اور اسکا نور ایمان بڑھتا رہتا ہی یعنی مراتب یقین کے بڑھتے رہتے ہیں اس لئے کہ یقین کے مراتب غیر متناہی ہیں اگر ہزار برس کی یا زیادہ کی عمر ہو تو مراتب یقین کے ختم نہ ہونگے اور اس نور کو خزانہ غیب سے مدد ملتی ہی یعنی حق تعالیٰ کی صفات ازلیہ سے نور کا فیضان ان کے نور قلب کو ترقی دیتا رہتا ہے جس سے یقین بڑھتا رہتا ہی اور جو نور ان حضرات کے قلوب میں ودیعت ہی اسکی دو قسمیں ہیں ایک وہ نور ہی جس سے مؤثر حقیقی تعالیٰ شانہ کے آثار اُس سے مکشوف ہوتے ہیں یعنی مخلوق کے حالات اُس سے معلوم ہوتے ہیں اسکو کشف صوری کہتے ہیں اور دوسرا وہ نور ہی کہ اس سے حق تعالیٰ کے جلال وجمال کے اوصاف کھلتے ہیں مثلاً اللہ تعالیٰ کا رحیم ہونا قہار ہونا وغیرہ یہ نور تجلی صفات سے ہوگا۔ اور اسکو کشف معنوی کہتے ہیں۔

آخرت کا باقی ہونا اور طاعت کا نافع ہونا اور معاصی کا مہلک ہونا ورجہ علم اور اعتقاد میں تھا اور بعد اس نور
یقین کے یہ علوم نظر قلب کے بالکل سامنے آگئے اور ان امور کا ایسا یقین ہوگیا جیسے آنکھ سے دیکھی شئ
کا ہوتا ہی تو یہ انکشاف اور ظہور اس نور کی وجہ سے ہوا جیسا رات کے وقت تاریکی میں کسی کو یہ معلوم ہو
کہ اس کمرہ میں فلاں فلاں شئ رکھی ہیں لیکن بوجہ چراغ یا سورج نہ ہونے کے آنکھ ان چیزوں کو دیکھ
نہیں سکتی جب لالٹین آئی تو سب چیزیں صاف نظر آنے لگیں پس نور کا کام تو یہ ہوا کہ ان چیزوں کو کھول
دے اور منکشف و ظاہر کردے اور ان کا ادراک کرنا یہ دل کی نظر کا کام ہے اگر نظر ہے تو مدرک ہونگی ورنہ نہیں
جب ادراک صحیح ہوگیا اب اچھی شئے کی طرف بڑھنا اور بُری شے سے روگردانی کرنا یہ دل کا کام ہے
مثلاً دنیا کا فانی ہونا اور آخرت کا باقی رہنا مکشوف ہوا تو انکشاف تو نور سے ہوگا اور ادراک بصیرت باطنہ
سے اور دنیا سے اعراض کرنا اور آخرت کی طرف بڑھنا یہ دل کا کام ہے اور جوارح و اعضاء دل کے تابع
ہیں جس طرف وہ بڑھے گا یہ بھی اُسکے ساتھ ہیں۔

ظاہری مخلوقات کو اپنے آثار کے نور سے روشن کیا اور قلوب کے باطن کو اپنے اوصاف کے انوار سے منور فرمایا

اس لئے ظواہر کے انوار چھپ گئے اور دل کی پوشیدگیوں کے انوار نہیں چھپے شاعر کہتا ہے ؎ خورِ نہار
چھپے رات میں بلا انکار ٭ دلوں کا مہر نہ غائب کبھی ہو لیل و نہار ٭ ف تمام مخلوقات چاند سورج ستارے
وغیرہ اللہ تعالیٰ کی صفات قدرت و حکمت کے آثار ہیں فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی صفات کاملہ کے
آثار کے نور یعنی چاند سورج ستاروں سے ظاہری مخلوقات یعنی زمین و آسمان کو روشن فرمایا کہ چاند سورج
ستاروں سے اللہ تعالیٰ کی مخلوقات کو دیکھتے ہیں اور جو چیزیں ہم کو نافع ہیں ان کو اختیار کرتے ہیں اور
جو مضر ہیں ان کو چھوڑتے ہیں اور دلوں کے باطن کو اپنے اوصاف جمال و جلال کے انوار سے منور
فرمایا تو دلوں کے اندرونی حصے علوم و معارف کے انوار سے عارفین کو مکشوف ہوتے ہیں اور جو اوصاف
باطنی ہیں ان کا مشاہدہ کرتے ہیں اور ان میں جو اوصاف حمیدہ ہیں ان کو اختیار فرماتے ہیں اور جو مذموم
ہیں ان کو چھوڑتے ہیں چونکہ زمین و آسمان کا نور حادث یعنی چاند سورج سے ہے اسلئے یہ انوار چھپ
جاتے ہیں اسلئے کہ حادث کے اندر تغیرات ہوتے ہیں اور دل کے باطن کا نور حق تعالیٰ کی صفات سے

وقات کبرا اور مخلوق سے مخالطت میں کمی کرتا ہے اور قلب کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو حق تعالیٰ کا فضل ہوتا ہے
اور دنیا [illegible] ہوجاتا ہے اور استعداد اسمیں انوار الٰہیہ کی ہو جاتی ہے بعض مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ
قلب کے اندر [illegible] استغراق پیدا ہوتا ہے اور فی الجملہ استعداد انعکاس انوار کی ہوتی ہے اور انوار غیبیہ سے ایسے قلب کا
مقابلہ [illegible] تو انوار آتے ہیں لیکن چونکہ قلب کے اندر ونی حصہ میں کدورت یعنی دنیا کی چیزیں بھری ہوئی
ہیں اسلیے وہ قلب اُن انوار کو نہیں سما سکتا پس وہ انوار جہاں سے آئے تھے وہاں ہی واپس ہو
جاتے ہیں اسلیے تم اپنے دل کو اغیار سے خالی کرلو اور اس آئینہ کا خوب تصفیہ کرلو اللہ تعالیٰ اوسکو
معارف و اسرار سے پُر فرمادیں گے

قلوب اور اسرار کے انوار کی قدر سوا عالم آخرت کے معلوم نہیں ہوسکتی جیسے آسمانی ستاروں کے
انوار سوا دنیا کے ظاہر نہیں ہوتے۔ **ف** جیسے سورج چاند ستاروں کے انوار ظاہر ہونے کی جگہ
دنیا ہے اسیطرح قلوب اور باطن قلوب کے انوار کے ظہور کا مقام عالم آخرت ہے دنیا میں وہ سب کی
نظروں سے پوشیدہ ہیں اسی واسطے اُن کی قدر کوئی نہ جانے اور نہ ہر کسی کو علم ہے تو سالک عاقل کو
چاہیے کہ [illegible] سے شہرت نہ ہو اور نہ اسکی پروا کرے اسلیے کہ دنیا ان انوار کے ظہور کا محل ہی نہیں ہے تو اگرچہ یہاں
ایسے حضرات زاویہ خمول و گمنامی میں ہوں لیکن آخرت میں ان کے انوار چمکیں گے اور وہاں ان کی قدر ہوگی

پچیسواں باب باعتبار عادت طبعی اور تعلق اللہ تعالیٰ سے بندہ کے قریب ہونے کے بیان میں

اللہ تعالیٰ تک تیرا پہونچنا محض ذوقی اور وجدانی طریق سے نظر [illegible] سا ہے اسکے مشاہدہ تک
پہونچنا ہے ورنہ ہمارا پروردگار اس بات سے کہ کوئی چیز اس سے متصل ہو یا وہ کسی سے متصل ہو برتر اور
بالاتر ہے **ف** خلاصہ ارشاد کا یہ ہے کہ بندہ کا اللہ تعالیٰ سے واصل ہونا اور وصول الی اللہ جیسے ہوتا
اسکے معنے ظاہر ہے کہ یہ نہیں ہیں کہ بندہ اللہ سے اس طرح ملجائے جیسے دو محسوس چیزیں آپس میں

خزائن غیب کے انوار میں سے ایک تو وہ انوار ہیں جنکو صرف ظاہر قلب تک پہونچنے کا حکم ملا اور
دوسرے وہ ہیں جنکو قلب کے اندر داخل ہونے کا حکم ملا اسی طرح عارفین کے قلوب پر خزانہ غیب کے
معارف واسرار الٰہیہ کے انوار وارد ہوتے ہیں جن سے ان کے قلوب روشن ہو جاتے ہیں ان انوار کی
دو قسمیں ہیں ایک تو وہ انوار ہیں جنکو بارگاہ عالی سے صرف قلب کے اوپر کے حصہ تک پہونچنے کا حکم ملا
وہ نور ظاہر قلب ہی تک رہتے ہیں باطن قلب تک نہیں پہونچتے اور دوسرے وہ انوار ہیں جنکو قلب کے
اندر داخل ہونے کا حکم ہوا وہ اندر داخل ہوتے ہیں جو انوار ظاہر قلب تک رہتے ہیں ان کا اثر یہ ہوتا ہے
کہ ان کے ذریعہ سے قلب اپنے نفس کا ادراک بھی کرتا ہے اور حق تعالیٰ کی ہستی کا بھی اور دنیا و آخرت دونوں
قلب کے پیش نظر ہوتی ہیں غرض اغیار کا وجود رہتا ہے اور حالت سالک کی یہ ہوتی ہے کہ کبھی تو وہ اپنے
نفس کے ساتھ ہوتا ہے اور کبھی اللہ تعالیٰ کی محبت ہوتی ہے اور کبھی آخرت کو چاہتا ہے کبھی دنیا کو اور جو
انوار قلب کے اندر داخل ہو گئے ہیں اور جملہ قلب میں پیوست ہو کر غالب ہو گئے ان کا اثر یہ ہے کہ سوا
ذات حق کے کوئی شے قلب کے پیش نظر نہیں ہوتی اسلئے سوائے اُسکے کسی کو نہیں چاہتا اور سوائے
اُسکے کسی کی بندگی نہیں کرتا اسی واسطے بعض عارفین نے فرمایا ہے کہ جب ایمان ظاہر قلب میں
ہوتو بندہ دنیا و آخرت دونوں کا محب ہوتا ہے اور کبھی اسکو حق تعالیٰ کے ساتھ محبت ہوتی ہے اور کبھی
اپنے نفس کے ساتھ اور باطن قلب میں جب ایمان داخل ہو جاوے تو اسوقت دنیا کو چھوڑ دیتا ہے
گا جب تجھ پر انوار وارد ہوسکتے ہیں اور تیرے دل کو تو غیر کے تصور سے بھرا ہوا پاتے ہیں تو پھر جس جگہ
سے آتے ہیں وہیں چلے جاتے ہیں اغیار سے دل کو خالی کر اللہ تعالیٰ معارف اور اسرار سے اسکو پر کر دیگا
فائدہ جاننا چاہیئے کہ انسان کا قلب لطیفہ غیبی ہے اور اسمیں معارف و اسرار و انوار الٰہیہ کے منعکس
ہونے کی استعداد رکھی گئی ہے لیکن انسان کی توجہ اس دنیائے فانی اور اسکی زیب و زینت اور
نیز عوارض طبعیہ کی طرف ہوتی ہے اور متخیلہ میں ان اشیاء کی صورتیں منقوش ہوتی ہیں وہی صورتیں
دل کے آئینہ پر بھی منعکس ہوتی ہیں اور اس سے اسکی استعداد اصلی بہت کم ہو جاتی ہے اور مثل اس آئینہ
کے ہو جاتا ہے جسپر گرد و غبار آ کر انعکاس کی استعداد نہ رہے جب سالک ذکر و شغل کرتا ہے اور خلوت

ہیں بلکہ تجلی صفات الٰہیہ کی وجہ سے مغلوب اور لاشئے کی طرح ہو جاتے ہیں لیکن بندہ کو ریاضت ومجاہدہ واعمال سے چارہ نہیں اسلئے کہ عادت اللہ یوں جاری ہے کہ سبب مجاہدہ کرتا ہے تو حق تعالیٰ کی تجلی اُسکے حال پر ہوتا ہے باقی اعمال اور مجاہدہ وریاضت علت نہیں سبب اصلی تجلی فضل ہے تو اعمال صالحہ اور مجاہدہ میں کمی نہ کرے لیکن اعتماد فضل پر رہے اسلئے کہ اگر اپنے عمل پر اعتماد ہوا تو یہی اس کے درگاہ سے روکنے والا ہے مقصود تو یہ تھا کہ اعتماد کسی شئے پر نہ ہو۔

تیرا قرب اس سے یہ ہے کہ اُسکے قرب کا مشاہدہ کرے ورنہ تو کجا اور اُسکا قرب کجا۔ **ف** تمام صفات کمال کی حقیقتاً حق تعالیٰ کے لئے ثابت ہیں اور بندہ کے لے مجازاً منجملہ ان کے صفت قرب کی ہے کہ اصل قرب اللہ تعالیٰ کو بندہ کے ساتھ ہے چنانچہ ارشاد ہے واذا سألك عبادی عنی فانی قریب اور بندہ کو جو قرب ملی سے ہوتا ہے اسکا مطلب صرف یہ ہے کہ بندہ دل کی آنکھ سے حق تعالیٰ کے قرب کا مشاہدہ کرے اور اسکا اثر بندہ پر یہ ہوگا کہ وہ بندہ بارگاہ الٰہی کے آداب کی ہر آن رعایت رکھے گا اور شریعت کے اتباع میں مستقیم ہوگا اور اگر قرب کے یہ معنے نہ ہوں بلکہ قرب کے اصلی معنے لئے جاویں کہ جیسے مخلوق میں باہم قرب ہے تو یہ وہاں نہیں ہو سکتا اسلئے کہ یہ قرب کی قسم خاصہ اجسام کا ہے حق تعالیٰ اس سے پاک ہے اور ایسے ہی قرب حقیقی ذکر جسکی کنہ اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے ابھی بندہ کو حاصل نہیں کہ وہ خاص صفت حق تعالیٰ کی ہے۔

اُسکی ربوبیت کے اوصاف کے ساتھ متعلق ہوا اور اپنی عبودیت کے اوصاف کے ساتھ حقیقتاً متصف ہو۔ **ف** ربوبیت یعنی رب ہونے کے اوصاف وخواص حق تعالیٰ کی صفات کمالیہ ہیں جیسے قدرت غلبہ عزت قوت علم حکمت وغیرہا اور عبودیت یعنی بندہ ہونے کے اوصاف فقر عجز ذلت افلاس جہل وغیرہا ہیں اسکے بعد سمجھو کہ مخلوقات مع اپنی ذات وصفات کے حق تعالیٰ کی صفات کے آثار ہیں وجود حقیقی حق تعالیٰ ہی کے لئے ہے اور دوسری اشیاء کے لئے وجود مجازی اور عاریتی ہے جیسے روشنی دراصل صفت آفتاب کی ہے اور دیوار کو مجازاً روشن کہا جاتا ہے پس حقیقتاً کسی شئے کے اندر کوئی صفت اصلی نہیں ہے صفات حقیقیہ کے ساتھ صرف تعلق ہے کہ یہ اشیاء اُن صفات کے آثار

ملتی ہیں اسلئے کہ اتصال اور انفصال اس معنے کے اعتبار سے خاصہ اجسام کا ہے اور اللہ تعالیٰ اس سے پاک اور برتر اور بالا ہے پس صوفیہ جس شئے کو وصول کہتے ہیں وہ یہ ہے کہ بندہ ذوقی اور وجدانی طریق سے نظر بصیرت سے بہ کمال ایسا مشاہدہ کرے کہ جسپر دلیل قائم کرنے کی ضرورت نہ ہو اور ایسا یقین حاصل ہو جیسے آنکھ سے دیکھی ہوئی شئے کا ہوتا ہے بلکہ اس سے بھی بڑھکر اسلئے کہ آنکھ بسا اوقات دیکھنے میں غلطی کرتی ہے اور اس علم کے زوال کا بھی احتمال نہیں اور اسی کا نام مشاہدہ اور وصول اور تجلی اور فیض رحمانی ہے اور یہ مشاہدہ دائمی ہمہ وقت صفت لازمہ قلب کی ہوجاوے جیسے دیکھنا آنکھ کی صفت ہے۔

اگر یہ ہوتا کہ تو اس تک بجز اپنی خرابیوں کے نیست کرنے اور دعووں کے مٹانے کے کسی طرح نہ پہونچ سکتا تو کبھی اس تک نہ پہونچ سکتا لیکن جب اس نے تجھکو اپنے تک پہونچانا چاہا تیرے وصف کو اپنے وصف کے آغوش میں چھپایا اور تیری نعت کو اپنی نعت کے پردہ میں ڈھانکا پھر تجھکو ان الطاف کیوجہ سے جو اسکی طرف سے تیری طرف متوجہ ہوئے نہ ان اعمال کی وجہ سے جو تیری طرف سے اسکی بارگاہ میں پیش ہوئے اپنے تک پہونچایا۔ **ف** جاننا چاہیے کہ وصول اور مشاہدہ جسکا ذکر پہلے ارشاد میں ہے یہ اسوقت بندہ کو میسر ہوتا ہے کہ اسکے نفس کی حالت ایسی ہو جیسے مردہ بیجان اور بے حس وحرکت ہوتا ہے کہ کوئی غرض اور کوئی ارادہ و خواہش اور کوئی دعویٰ اور کوئی خلق ذمیم اسمیں نہ رہے بالکل دست حق میں ایسا ہو جیسے مردہ بدست زندہ اور یہ امر بندہ کے اختیار میں نہیں ہے اور اگر حق تعالیٰ شانہ کے یہاں یہ مقرر ہوتا کہ جب تک بندہ اپنے اختیار سے اپنی خرابیوں اور دعووں کو ریاضت اور مجاہدہ سے نہ مٹا ئیگا تو ہم تک نہ پہونچ سکیگا تو کوئی واصل الی اللہ نہ ہوتا اسلئے کہ یہ خرابیاں نفس کے اندر جبلی ہیں ہاں جب اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں کہ کسی بندہ کو اپنی بارگاہ عالی تک پہونچائیں تو اپنی صفات عالیہ کی تجلی بندہ پر فرماتے ہیں اور اپنی صفات کو اسپر ظاہر فرماتے ہیں کہ جس سے بندہ کی صفات پوشیدہ ہوجاتی ہیں اور اسکی ہی صفات کاملہ کا ظہور ہوتا ہے تو بندہ کو اپنے الطاف ورحمت سے اپنے تک پہونچاتے ہیں اور یہ الطاف ورحمت اسکی ہی طرف سے ہیں اور اس بندہ کے اعمال ومجاہدات سے وصول نہیں ہوتا اور نہ ہوسکتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ نفس کی صفات ردیہ اور دعوے محو نہیں ہوتے

سے خالی ہونے کی ہدایت فرمائی ہے چونکہ نفس کو اپنے خیالی اوصاف سے بہت تعلق ہے اپنی عزت اپنی
قدرت اپنی طاقت پر اسکو ناز ہے اور ان ہی اوصاف کے خیالات اور اوہام میں شب و روز مبتلا اور ان باطل
آرزوں سے مست رہتا ہے اور ان سے خالی ہو جانے اور شل مردہ کے ہو جانے کے نام سے ہی گھبراتا ہے
اور خیال ہوتا ہے کہ جب یہ اوصاف اور اُسکے مقتضیات چھوٹ جائیں گے تو کام کیسے چلیگا اور کہتا
ہے کہ بس جی اسکا مطلب تو یہ ہوا کہ خودکشی کر لو اور تمام دنیا کے سارے مزے چھوڑ دو اسلئے ارشاد ہے کہ تم
اپنی عبودیت کے اوصاف میں اگر پختہ ہو جاؤ گے تو یہ نہیں ہوگا کہ حق تعالیٰ تم کو اسی حالت میں چھوڑ دے
اور تمہاری مدد نہ فرمائیں بلکہ پہلے تو تم اپنے وہمی اوصاف کی مدد سے کام لیتے تھے اور بسا اوقات ناکام
رہتے تھے اور جب تم ان اوصاف وہمیہ سے خالی ہو جاؤ گے تو حق تعالیٰ اپنے اوصاف حقیقیہ سے تمہاری
مدد فرمائے گا آگے اس مضمون کی چند مثالیں بیان فرماتے ہیں تم اپنی ذلت اصلیہ میں پختہ ہو جاؤ یعنے
اپنی جاہ اور عزت جو تمہارے دماغ اور قوت وہمیہ میں سما رہی ہے اسکو بالکل ملیا میٹ کر دو اور ذلت
جو کہ تمہارا اصلی امر ہے اسے سر سے پا تک رنگین بن جاؤ اللہ تعالیٰ اپنی صفت عزت و غلبہ سے تمہاری
مدد فرمائیگا اور اُسوقت تم کو عزت و غلبہ اُسکی صفت حقیقیہ سے حاصل ہوگی اور وہی سچی عزت ہے
کہ جسکو فنا نہیں ہے اسلئے کہ اُسکا مبدا حق تعالیٰ کی صفت ہے اور تم نے جسکو عزت خیال کر رکھا تھا وہ
فی الواقع عزت ہی نہ تھی بلکہ تمہارا وہم تھا اسی طرح اپنی صفت عجز کے اندر پختہ ہو جاؤ کہ سراپا عجز بنجاؤ
اپنے اندر قدرت ہونیکا وہم بھی نہ کرو اور یہ جو تمہارے دماغ میں اپنا قادر ہونا اور طاقتور ہونا آرہا ہے
اُسکو نکالدو ادنیٰ سے ادنیٰ کام بھی اپنے اندر بغیر مدد الٰہی کے طاقت نہ پاؤ تو جب اسمیں تم پختہ
ہو جاؤ گے تو وہ اپنی قوت سے کہ در اصل قوت وہی ہے اُس سے تمہاری مدد فرمائیگا پھر تمہاری قوت کی کوئی
انتہا نہ ہوگی اور دنیا کا کوئی قوی سے قوی بھی تمہارا مقابلہ نہ کر سکے گا اسی طرح تم اپنے ضعف و ناتوانی میں
پختہ ہو جاؤ کہ بغیر امداد الٰہی کے اُٹھنے اور بیٹھنے کی توانائی اپنے اندر نہ دیکھو تو وہ اپنی طاقت کاملہ سے
تمہاری اعانت فرمائیگا پس تم اپنے ان اوصاف سے خالی ہو جانے کے تصور سے پریشان نہ ہو اور
یہ نہ سمجھو کہ ہمارا کام کس طرح بنے گا بلکہ پہلے سے بہت اچھا بنے گا ؎ نیم جاں بستاند و صد جاں

ہیں لیکن انسان اس سے غافل ہو اور صفات کو اپنے لئے ثابت کرتا ہے چنانچہ سمجھتا ہے کہ میں موجود ہوں میں عالم ہوں میں غنی ہوں میں عزت والا ہوں حالانکہ موجود اور عالم اور غنی اور عزیز صرف ایک ذات ہے پس شیخ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اے مومن ربوبیت کے اوصاف کے ساتھ تیرا اسی قدر کا تعلق ہے کہ جسکو تو بھول رہا ہے اسکو دیکھ اور بھول کو دور کر یعنی جن صفات کا تو دعوی اپنے اندر کرتا ہے اسکو چھوڑ اور اپنے آپ کو اور اپنی صفات کو ان صفات کا اثر اور محض تابع جان تاکہ حقیقتاً اور اعمالاً اور عبودیت کے اوصاف کے ساتھ حقیقتاً متصف ہو یعنی عبودیت کے اوصاف فی الحقیقت اپنے اندر دیکھ مثلاً عزت حقیقیہ کے مقابلہ میں اپنی ذلت کا معائنہ کر اور غنی کے مقابلہ میں اپنی فقیری پیش نظر رکھ اور قدرت کے مقابلہ میں اپنا عجز مشاہدہ کر اور علم حقیقی کے سامنے اپنے کو جاہل جان۔

جو چیز تیری نہیں دوسرے کی ہے اسکا دعوی تیرے لئے حرام کر دیا تو کیا اپنے وصف کا دعوی تیرے لئے مباح کر دیگا حالانکہ وہ تمام عالم کا پروردگار ہے۔ **ف** پہلے ارشاد کے یہ مضمون بمنزلہ دلیل کے ہے مطلب یہ ہے کہ جو شے تمہاری ملک نہیں ہے بلکہ زید کی مالک ہے اسکا دعوی کرنا اوسکو اپنا بتانا تمہارے لئے حرام فرمایا ہے حالانکہ درحقیقت وہ زید کی ملک بھی نہیں زید کو مجازاً مالک کہا جاتا ہے حقیقی مالک سب اشیاء پر اللہ تعالی کی ہے تو جب غیر کی ملک مجازی کے بھی تم مدعی نہیں ہو سکتے تو اپنے اوصاف ربوبیت جیسے عزت وغنی وقدرت وعلم وغیرہ کا دعوی کرنا تمہارے لئے کیسے مباح کر دیگا حالانکہ وہ ہی تمام عالم کا رب ہے اور رب ہونے کے اوصاف اسی ایک ذات کے ساتھ خاص ہیں پس مومن کو چاہئے کہ اپنی حد تک رہے اور تمام صفات کمالیہ کا موصوف ذات واحد کو مشاہدہ کرے اور اپنے آپ کو سب کمالات سے خالی دیکھے اور بھولکر بھی کسی صفت کا حتی کہ وجود کا بھی اپنے لیے اثبات نہ کرے تاکہ شرک جلی وخفی سے رہائی ہو کر ایمان خالص نصیب ہو۔

تو اپنی عبودیت کے اوصاف میں پختہ ہو وہ اپنے اوصاف کے ساتھ تیری امداد فرمایگا تو اپنی ذلت میں پختہ ہو وہ اپنی عزت سے تیری اعانت کرے گا تو اپنے عجز میں پختہ ہو وہ اپنی قدرت سے تیری مدد کریگا تو اپنی ناتوانی میں پختہ ہو وہ اپنی طاقت وقوت کیساتھ دستگیری فرمائیگا **ف** ارشاد سابق میں اپنے جملہ اوصاف

فانی میں مشغول ہوگیا تو روح اول اول تو گھبرائے گی اور بتدریج اسکی قوت کم ہوتے ہوتے بہت ضعیف
ہوجائیگی اُسکو تو محض اس جسم کے ساتھ تعلق ہے وہاں کا کام تھا اب جبکہ تمامتر توجہ اس جسم ہی کے
موٹا کرنے میں انسان کی ہوگئی اور روح کو قوت نہ دی تو اور بھی ضعیف ہوجائے گی پس مومن کو لازم
ہے کہ اس عالم سے صرف اُسقدر حصہ لے کہ اُسکے جسم کو قائم رکھ سکے اور جسم کے لئے تدبیر اور فکر خود
کچھ نہ کرے اسلئے کہ مولیٰ تعالیٰ نے خود اسکے قائم رکھنے کی کفالت فرمائی ہے پس اس سے بے فکر
ہوکر تمامتر توجہ روح کی تقویت کی طرف کرے اور جسم کے تعلق کی وجہ سے جو کدورات اوسکو لاحق ہوگئیں
ان کو ذکر و طاعت و مجاہدہ سے دور کرے کہ اُسکو اس جسم سے خلاصی تام ملے تاکہ ہمیشہ کی زندگی نصیب ہو

خصوصیت کے ثبوت سے یہ ہی اوصاف کا معدوم ہونا لازم نہیں خصوصیت کی مثال دن
کی دھوپ ہے کہ افق میں ظاہر ہوتی ہے اور اسکی خانہ زاد نہیں ہے اسی طرح اُسکے اوصاف کی شعاعیں
کبھی تیرے وجود کی شب تاریک پر چمک جاتی ہیں اور کبھی تجھ سے روک دی جاتی ہیں پھر تجھکو تیرے
اصلی اوصاف کی طرف لوٹا دیتا ہے تو روشنی تیری ذاتی نہیں لیکن حضرت سبحانہ تعالیٰ سے تجھ پر وارد ہے۔

ف جاننا چاہیئے کہ حضرات اولیاء اللہ کے اوصاف عالیہ کئی قسم کے ہیں بعض اوصاف تو ان کی
ذات کو لازم ہیں مثلاً اخلاق ذمیمہ کبر عجب حقد وغیرہ سے خالی ہونا اور افتقار الی اللہ و تواضع و خشوع
و دوام ذکر وغیرہ سے آراستہ ہونا یہ تو ہر آن او ہمہ وقت ان کو لازم ہیں اور اوصاف بشری جیسے عجز
ضعف کسی صدمہ یا تکلیف سے متاثر ہونا وغیرہ ان اوصاف کی یہ صورت ہے کہ جس وقت ان پر اوصاف الٰہیہ کی
تجلی کا غلبہ ہوتا ہے تو ان اوصاف بشریہ کا ظہور غائب ہوجاتا ہے اور ان سے ایسے امور عظیمہ کا ظہور ہوتا ہے
کہ دوسروں سے نہیں ہوسکتا مثلاً صفت علم کی تجلی ہوگی تو ایسے ایسے علوم کا ظہور ان کی ذات سے
ہوگا کہ بڑے بڑے علما حیران ہونگے کہ یہ علوم کہاں سے ان کے پاس آئے یا مثلاً صفت قدرۃ کی
تجلی ہوگی تو اسکے مناسب آثار ظاہر ہونگے اور جسوقت تجلی اوصاف کا غلبہ نہ ہوگا تو وہ اوصاف بشریہ
سے ہوں گے چنانچہ ان حضرات کے قصے ایسے وارد ہیں کہ بعض وقت تو بہت دور دور کی بات جو نظر والے
ہونے سامنے ہیں سب بیان فرماتے ہیں اور کبھی پاس کی بھی خبر نہیں ہوتی ۵ گہے بر طارم اعلیٰ

در ره ... ہمت ... آن ...

تجھکو اپنے نفسانی صفات سے بچز مشاہدہ صفات کاملہ مولیٰ حقیقی تعالیٰ کے کوئی چیز نہیں نکال سکتی **ف** نفسانی صفات وہ ہیں کہ نفس ان صفات کے ہونے کا اعتقاد کرے مثلاً یہ کہ اپنے آپ کو کسی سے کسی صفت میں بڑا سمجھنا اور دوسرے کو کم جانتا یا اپنے کو غنی یا قدرت والا یا علم والا جاننا حتی کہ اپنے آپ کو موجود مستقل جاننا یہ سب صفات نفس کی ہیں اور یہ سب صفات موہوم ہیں ان کا وجود واقعی نہیں ہے اور جب تک یہ رہتی ہیں بندہ حضرت قدس میں باریابی نہیں پاسکتا اور یہ صفات عبادت و ریاضت سے نہیں نکل سکتیں بلکہ مولیٰ حقیقی اپنے فضل سے اپنی صفات کی تجلی بندہ پر فرما دیں اور نفس کو حقیقی صفات کا تماشا ہو تو اسوقت اپنی ان صفات موہومہ سے اسکی نظر علیحدہ ہوجاتی ہے مثلاً حق تعالیٰ کی عظمت و کبریائی کی صفت کا نفس کو اعتقاد تو ہے مگر اعتقاد اسکے کبر کو نہیں نکال سکتا۔ جبتک کہ صفت کبریائی کا عکس اسکے اوپر نہ پڑے جب اس صفت کی تجلی ہوا اور حال کا درجہ میسر ہو اسوقت کبر نکل جاتا ہے اسی طرح جب حق تعالیٰ کی صفت قدرت کا مشاہدہ ہوگا تو اپنا عجز پیش نظر ہوگا اور علم کی صفت کا جب مشاہدہ کریگا تو اپنا جاہل ہونا اسکو ثابت ہوگا اور ہستی حق جب مشاہدہ ہوگی تو اپنی ہستی و وجود موہوم کم ہو لیگا۔ غرض صفات کاملہ کے مشاہدہ کے بعد نفس مضمحل ہوجاتا ہے اور بندہ کو معیت اپنے رب کی نصیب ہوتی ہے۔

عالم سفلی تجھکو باعتبار تیری جسمانیت کے سما سکتا ہے اور تیری روحانیت کے اعتبار سے تجھکو نہیں سما سکتا۔ **ف** حاصل ارشاد کا یہ ہے کہ انسان دو چیزوں کا مجموعہ ہے جسم اور روح جسم تو اس عالم کی شیٔ ہے اور روح لطیفہ غیبی ہے اور عالم غیب کی شی ہے لیکن روح کو اس جسم کے ساتھہ تعلق ہے تو جسم چونکہ اس عالم کی شے ہے اسلئے اس عالم کی چیزوں سے اسکا بقا ہے مثلاً کھانا پینا وغیرہ اور روح اس عالم کی شے ہے اسلئے اسکی قوت اور بقا اس عالم کی چیز سے نہیں ہوسکتی بلکہ ذکر و طاعت سے ہوگی پس انسان کو جسمانیت کے اعتبار سے یہ عالم سما سکتا ہے اور روحانیت کے اعتبار سے نہیں سما سکتا اسلئے کہ روح میں اور اس عالم میں کوئی مناسبت ہی نہیں اور یہ عالم اسی شے کو سما سکتا ہے جسکو اس سے مناسبت ہو روح کے لئے یہ عالم بمنزلہ قید خانہ کے ہے پس اگر انسان بالکلیہ اس عالم

چھبیسواں باب مخلوقات سے اللہ تعالیٰ کے قریب ہونے اور اشیاء سے تعریف اور دلالت کے طور پر اُسکے ظہور کے بیان میں

تمام مخلوقات تاریکی ہے اور اُسمیں حق کے ظہور نے اُسکو منور کر رکھا ہے تو جسنے مخلوقات کو دیکھا اور اُسمیں یا اُسکے قریب یا اُس سے پہلے یا اُس سے پیچھے حق سبحانہ کا مشاہدہ نہ کیا تو اُسکی نظر بصیرت سے انوار کا وجود فوت ہوگیا اور معارف کے آفتاب آثار کے بادلوں میں اُس سے چھپ گئے۔

ف جاننا چاہیے کہ وجود یعنی ہستی نور اور عدم یعنی نیستی ظلمت اور تاریکی ہے اور تمام مخلوقات اپنی ذات کے اعتبار سے عدم محض ہیں یعنی مخلوقات کو صرف ان کی ذات کے اعتبار سے اگر دیکھا جاوے تو کوئی شے نہیں حق تعالیٰ کی صفات کے ظہور نے ان کو وجود بخشا ہے اور منور فرمایا ہے اسی وجہ سے یہ چیزیں وجود کے نور سے روشن و موجود نظر آتی ہیں پس فی الواقع موجود حقیقی ذات واحد ہے اور دیگر مخلوقات کا وجود آپ ہی کا فیض ہے حاصل یہ ہے کہ مخلوقات کے اندر وجود کی صفت ان کی خانہ زاد اور ذاتی نہیں ہے اسکے بعد سمجھنا چاہیے کہ جن حضرات کی نظر بصیرت حقیقت بیں ہوگئی ہے ان کے مشاہدہ کی صورتیں مختلف ہیں بعض تو ایسے ہیں کہ ان کی نظر جب مخلوقات پر پڑتی ہے تو اُس سے پہلے خالق کا مشاہدہ کرتے ہیں یعنی تجلی حق کے غلبہ سے مخلوق ان کی نظر سے غائب ہے اول ان کی نظر خالق پر ہوتی ہے اور اس سے استدلال کرکے مخلوق پر نظر ہوتی ہے اور بعض کی نظر اول مخلوق پر ہوتی ہے اور اُس سے استدلال کرکے خالق کا مشاہدہ کرتے ہیں اور بعض کے لئے مخلوق اُسکے جمال و جلال کا آئینہ بنا دیا گیا ہے وہ مخلوق کے اندر یا مخلوق کے ساتھ خالق کا مشاہدہ کرتے ہیں اور جسکو مخلوق کے دیکھنے سے خالق کے مشاہدہ کی کوئی قسم میسر نہ ہوا اور نظر صرف مخلوق ہی تک رہے اور آگے نہ بڑھے تو اُسکو نور معرفت کا کوئی حصہ نہیں ملا اور معرفت کے اسرار جنکی روشنی مثل آفتاب کے ہے مخلوقات ظاہری کے بادلوں سے اُسکے لئے چھپ گئے۔ باقی یہ سمجھ لینا چاہیے کہ یہ مشاہدہ کی قسمیں اور اُنکی

نشیمنم ہوگئے بر پشت پائے خود نہ بینیم ہ پس شیخ کے کلام میں لفظ خصوصیت سے مراد یہ آثار غطیبہ ہیں
کہ کبھی کبھی ان کا ظہور ہوتا ہے خلاصہ ارشاد کا یہ ہے کہ حضرات اولیاء اللہ کے اوصاف خاصہ (خاصہ
اسلئے کہ بشری اوصاف ہیں وہ اور دوسری مخلوق برابر ہے) کے ثبوت سے بشری اوصاف کا
معدوم ہوجانا ضروری اور لازم نہیں ہے یعنی تجلی کے غلبہ کے وقت جو اُنپر حالت ہوتی ہے اس سے یہ
لازم نہیں کہ اوصاف بشری بالکل زائل ہوجاویں ہاں ان کا ظہور اُسوقت تک نہیں ہوتا ان کی اس
حالت کی مثال دہوپ کی سی ہے کہ جو آفاق میں ظاہر ہوتی ہے جس سے تمام اُفق روشن ہوجاتا
ہے اور ظاہر نظر میں معلوم ہوتا ہے کہ روشنی اسکا ذاتی امر ہے حالانکہ وہ روشنی اسکی خانہ زاد
اور ذاتی نہیں اسیطرح کبھی کبھی حق تعالیٰ کی صفات علیہ کی شعاعیں ان حضرات کے وجود
خاکی کی رات پر چمک جاتی ہیں. تو اُسوقت آثار خاصہ کا ظہور ہوتا ہے کہ ان کی قوت علم۔ قدرت سمع
بصر ایسے آثار ظاہر ہوتے ہیں کہ دوسروں سے نہیں ہوسکتے اور جب وہ تجلی کی شعاعیں روکدی
جاتی ہیں تو پہر ان حضرات کو بشری اوصاف کی طرف واپس کردیا جاتا ہے جیسے اور ہیں ویسے
ہی وہ بھی نادان عاجز ضعیف مرض میں گھبرانے والے صدمات سے متاثر ہونے والے بھوک پیاس
سے مضطر ہوجانے والے نظر آتے ہیں پس یہ تجلی کا نور ان کا ذاتی اور لازمی اور اختیاری امر نہیں حضرت
حق سے کبھی کبھی اُنپر وارد ہوتا ہے یہاں سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ بعض لوگوں کا جو یہ خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ
کا قرب اور وصول اُسوقت میسر ہوتا ہے کہ اوصاف بشریہ بالکل زائل ہوجاویں اور ربوبیت کے
اوصاف بندہ کے اندر ثابت ہوجاویں یہ بالکل غلط اور گمراہی ہے بہت لوگ اس خیال سے
شرک میں پھنسا ... انبیاء اور اولیاء کو صفات خاصہ باری تعالیٰ میں شریک ٹھہراتے ہیں نعوذ باللہ
منہ. دیکھو خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بعض وقت بعض واقعات کا علم نہیں ہوا جیسے قصہ افک میں اور
بھوک کی شدت سے شکم مبارک پر پتھر باندھا اور کسیوقت ہزاروں کو خود کھانا کھلاتے تھے اور دور کے
واقعات بیان فرما دیتے تھے اور اولین و آخرین کے علوم ظاہر فرما دیتے تھے۔

ساتھ ظاہر ہے ف کوئی شے اسکے مشاہدہ کو کیسے روک سکتی ہے حالانکہ وہی ہر شے سے ظاہر ہے یعنی ہر شے اسکے وجود پر دال ہے پھر جو شے کہ دوسری چیز کی دلیل ہوتی ہے وہ اسکی ساتر اور حاجب کیسے بن سکتی ہے وہ تو اسپر دلالت کرنیوالی ہے نہ کہ مخفی کر دینے والی۔

کیونکر خیال میں آسکتا ہے کہ کوئی شے اسکے مشاہدہ کو روک سکے حالانکہ ہر ایک چیز میں اسکا جلوہ ظاہر ہے ف جاننا چاہیئے کہ تمام مخلوقات حق تعالیٰ کے اسماء و صفات کے آثار ہیں اور ہر شے کے اندر اس کی صفات چمک رہی ہیں پس حیات شے اسکے اسم حی کا جلوہ ہے اور موت اسکے اسم ممیت کا مظہر ہے اور عالم کے اندر اسکی صفت علم ہویدا ہے اہل عزت کے اندر اسکے نام معز کا اثر ہے غرض جس شے پر نظر پڑے اور جس شے کی طرف خیال جاویگا وہ اسی کی صفات کا مظہر نظر آوے گی پس وہ کونسی شے ہوئی جو اسکی آڑ بن جاوے اور اسکے مشاہدہ کو روک دے۔

کیونکر خیال میں آسکتا ہے کہ کوئی شے اسکے مشاہدہ کو حاجب ہو جاوے حالانکہ ہر ایک چیز کے لئے اسکی تجلی ظاہر ہے ف جاننا چاہیئے کہ تجلی حق ہر شے پر ہے اور ہر شے کو بقدر اس تجلی کے اس کی معرفت ہے اور اسی وجہ سے ہر شے اسکی پاکی بیان کرنے والی اور اسکے حکم کے سامنے سر جھکانے والی ہے گو اسکی تسبیح اور طاعت کو ہم نہ سمجھیں پس جب وہ ہر شے کے لئے متجلی ہے تو کوئی شے اسکے مشاہدہ کو کیسے روک سکتی ہے۔

کیونکر خیال میں آسکتا ہے کہ کوئی شے اسکی آڑ بنجاوے حالانکہ تمام موجودات کے وجود سے پیشتر وہ ظاہر ہو چکا ہے۔ ف کوئی شے اسکی آڑ اور حجاب کیسے بن سکتی ہے حالانکہ تمام موجودات کے وجود سے پہلے وہ ظاہر ہے یعنی ظہور اسکی صفت ازلی ابدی ہے مخلوق کے وجود سے پہلے بھی ظہور کی صفت تھی اور بعد میں بھی ہے اور مخلوق کا ظہور خود اسکے اسم ظاہر کا پرتو ہے پھر کوئی شے کیسے اس کی حاجب ہو سکتی ہے۔

کیونکر خیال میں آسکتا ہے کہ کوئی شے اسکے مشاہدہ کو مانع ہو حالانکہ وہ سب سے زیادہ ظاہر ہے ف پہلے آچکا ہے کہ مخلوقات درحقیقت معدوم ہیں اور وجود حقیقی باری تعالیٰ ہی کے لئے ہے اور

پوری حقیقت تفصیل ذوقی و وجدانی امر ہے۔

حق سبحانہ کا تجھکو اپنے مشاہدہ سے ایسی چیز کے ساتھہ محجوب کرنا جو اسکے ساتھہ موجود نہیں ہے اُسکے قہر و غلبہ کی بڑی دلیل ہے **ف** پہلے گذر چکا ہے کہ وجود حقیقی صرف ذات وحدہ لاشریک لہ کا ہے اور ماسوا اُسکے سب حقیقتاً معدوم ہیں اسلیئے کہ اگر وجود میں کوئی اور بھی شریک ہو تو یہ توحید کے خلاف ہے اسکے بعد سمجھنا چاہیئے کہ کوئی شے دوسری شے سے پردہ اور حجاب میں اُسوقت ہوا کرتی ہے جبکہ ان دونوں چیزوں میں کوئی تیسری شے حائل ہو مثلاً آفتاب ہماری نظروں سے اُسوقت غائب ہوگا کہ ابر یا افق اسکے اور ہمارے درمیان میں حائل ہو اور اگر کوئی شے درمیان میں نہ ہو تو آفتاب ہم کو ضرور نظر آوے گا پس شیخ رحمہ کے ارشاد کا خلاصہ یہ ہے کہ دیکھو خدا تعالیٰ کی عجیب قدرت اور اُسکے قہر و غلبہ کی یہ بڑی دلیل ہے کہ خلائق کو اپنے دیکھنے سے ایسی چیز کے ساتھہ محجوب کر دیا اور روک دیا کہ جس کا حقیقتاً کوئی وجود نہیں ہے بلکہ معدوم محض ہے اور وہ شے یہی مخلوقات ظاہرہ ہیں کہ لوگوں کی نظر میں ان پر ہی ٹہر جاتی ہے حالانکہ یہ معدوم محض ہیں اور جو موجود حقیقی ہے اس تک نظر نہیں جاتی ہے حالانکہ جب کوئی شے درمیان میں حائل نہیں ہے تو عقلاً مشاہدہ موجود حقیقی کا ہونا چاہیئے لیکن حق تعالیٰ کی قدرت اور قہر و غلبہ کا یہ عجیب کرشمہ ہے کہ کوئی چیز درمیان میں نہیں ہے اور پھر اپنے مشاہدہ سے لوگوں کو حجاب میں کر دیا۔ آگے شیخ رحمۃ اللہ علیہ اس مضمون پر دلائل متعددہ ذکر فرماتے ہیں کہ مخلوقات حق تعالیٰ کی ذات پاک کا پردہ اور حجاب عقلاً کسی طرح نہیں ہو سکتی۔

کیونکر خیال میں آسکتا ہے کہ کوئی شے اُسکے مشاہدہ کی آڑ ہو جاوے حالانکہ ہر ایک چیز کو عدم کی تاریکی سے اسی نے ظاہر فرمایا ہے **ف** یہ بات کیسے ہو سکتی ہے اور یہ کیسے خیال میں آسکتی ہے کہ کوئی شے مخلوقات میں سے حق تعالیٰ کے مشاہدہ کو روک دے اور اسکی آڑ بنجاوے حالانکہ اسی نے تو ہر شے کو عدم کی تاریکی سے نکالکر وجود کا نور بخشا ہے پھر وہی شے اسکی چھپانے والی کیسے بن سکتی ہے۔ دیکھو آفتاب سے دنیا کی ہر شے روشن اور منور ہے پھر وہی منور شے بحیثیت نورانی ہونے کے آفتاب کا حجاب اور اسکا ساتر کیسے بن سکتی ہے کیونکر خیال میں آسکتا ہے کہ کوئی شے اسکے مشاہدہ کا پردہ ہو جاوے حالانکہ وہ ہر ایک چیز کے

الباطل ان الباطل کان ذھوقا اور ارشاد ہے کل شئی ہالک الا وجھہ۔ اور لبید شاعر کا قول ہے جسکی تصدیق حضرت نبوی سے ہو چکی ہے۔ ع الا کل شئ ما خلا اللہ باطل * حِکَم کے شارح لکھتے ہیں کہ اگر اس کتاب میں کوئی مضمون سوائے اس مضمون کے نہ ہوتا تو یہی کافی شافی تھا۔

حق جل وعلا حجاب میں نہیں ہے صرف تو اپنی نفسانی صفات کی وجہ سے اُسکے مشاہدہ سے روکا گیا ہے کیونکہ اگر کوئی شے اُسکے لئے حجاب ہوتی تو اُسکو ڈھانپتی اور اگر اُسکے لئے کوئی ڈھانپنے والی چیز ہوتی تو اُسکے وجود کو احاطہ کرتی اور ہر ایک احاطہ کرنے والی شئے غالب ہوتی ہے حالانکہ اللہ تعالےٰ سب پر غالب ہے ف حق تعالیٰ شانہ اپنی ذات وصفات سے ظاہر ہے اور اسکا جلال وجمال ہر شئے اور ہر جگہ روشن ہے کسی نوع سے وہ پردہ میں نہیں ہے پس روک اور پردہ اُدھر سے نہیں یہ غفلت اور حجاب مخلوق کی جانب ہے کہ بصیرت باطنیہ کے سامنے نفسانی صفات حائل ہو رہی ہیں تو اگر اُسکا جلال وجمال مشاہد کرنا چاہو تو مجاہدہ وریاضت واعمال صالحہ وذکر وشغل واتباع شیخ کامل سے ان صفات نفسانی کے پردہ کو اُٹھا دو دیکھو پھر تم کو سوائے حق کے کچھ بھی نظر نہ آئے گا اور اُدھر سے حجاب کیسے ہو سکتا ہے اسلئے کہ اگر کوئی شئے اُسکے لئے پردہ اور حجاب ہو تو وہ شئے اُسکو ڈھانپنے کی اور جو چیز ڈھانپنے والی ہے وہ جس چیز کو ڈھانپتی ہے اُسکے لئے محیط ہوتی ہے جیسے چادر زید کو اپنے احاطہ میں لیتی ہے اور احاطہ کرنے والی شئے غالب ہوتی ہے تو اس سے یہ لازم آتا ہے کہ جو شئے خدا تعالیٰ کی حاجب اور پردہ ہو وہ اُسکو محیط اور اوسپر غالب ہو اور وہ اُسمیں سما جائے حالانکہ اللہ تعالےٰ سب پر غالب اور ہر شے کے لئے محیط ہے۔

نور عقل اور علم الیقین تجھ کو اُسکے قرب کا مشاہدہ کراتا ہے اور نور علم اور عین الیقین اُسکے وجود کے سامنے تجھکو تیرا عدم مشاہدہ کراتا ہے اور نور حق اور حق الیقین صرف اُسکے وجود کا مشاہدہ کراتا ہے نہ تیرے وجود کا اور نہ عدم کا ف سالک جب طالب مولیٰ میں مشغول ہوتا ہے اور تمام طاعات بجا لاتا ہے اور ذکر لسانی وقلبی حسب ہدایت شیخ کامل کے کرتا ہے تو اُسکے کشود کار اور قلب کی کشادگی کی صورت یہ ہوتی ہے کہ اُسکو اللہ تعالےٰ محض اپنے فضل سے ایک نور قلب میں القا فرماتا ہے کہ جسکو نور عقل

ہے ظاہر ہے کہ وجود عدم سے زیادہ ظاہر ہے پس حق تعالیٰ کا ظہور مخلوقات سے زیادہ ہے اور ظہور اُسکے لئے حقیقتاً ثابت ہے اور مخلوق کے لئے مجازاً و تبعاً اور ظہور ذاتی ظہور عرضی سے زیادہ ہوتا ہے اور شدۃ ظہور ہی کے سبب عقول اُسکا ادراک نہیں کرسکیں جیسے موش کور اپنی ضعف بصارت کی وجہ سے آفتاب کی روشنی کا ادراک نہیں کرسکتی تو اس سے دن کی روشنی کا ظہور کم نہ کہا جاوے گا۔

کیونکر خیال کیا جا سکتا ہے کہ کوئی چیز اُسکے لئے حجاب ہوسکے حالانکہ وہی اکیلا ہے اُسکے ساتھ کوئی موجود نہیں **ف** کوئی شے اُسکا حجاب کیسے ہوسکتی ہے حالانکہ وجود اسی ایک ذات پاک کا ہے اور ماسوا اُسکے سب حقیقتاً معدوم ہیں پس جب کوئی شے سوائے اُسکی ذات کے موجود نہیں ہے تو کوئی شے کیسے اُسکا حجاب بن سکتی ہے۔

کیونکر خیال کیا جا سکتا ہے کہ کوئی چیز اُسکے لئے حجاب ہوسکے حالانکہ ہر چیز کی بہ نسبت تجھ سے زیادہ قریب ہے **ف** حق تعالیٰ کا ارشاد ہے ونحن اقرب الیہ من حبل الورید یعنی ہم انسان کی رگ جان سے زیادہ قریب ہیں پس جب وہ ہم سے ہماری جان جو سب سے زیادہ ہمارے قریب ہے اُس سے بھی زیادہ قریب ہے تو کوئی دوسری شے اُسکی آڑ کیسے بن سکتی ہے اگر آڑ ہے تو ہمارا وجود ہے ؎ میان عاشق و معشوق ہیچ حائل نیست + تو خود حجاب خودی حافظا از میان برخیز +

کیونکر خیال کیا جا سکتا ہے کہ کوئی شے اُسکے لئے حجاب ہوسکے حالانکہ اگر وہ نہ ہوتا تو کسی چیز کا وجود نہ ہوتا۔ **ف** جبکہ ہر شے کا وجود اُسی کی ذات پاک سے ہے اور اگر وہ نہ ہوتا تو کسی چیز کا وجود نہ ہوتا تو کوئی شے کیسے اُسکا حجاب بن سکتی ہے۔

اے لوگو تعجب ہے عدم میں وجود کیونکر ظاہر ہوا اور قدیم کے ساتھ حادث کس طرح ثابت رہ سکے **ف** تعجب کی بات ہے کہ سوائے اُسکی ذات پاک کے سب باطل اور عدم محض ہیں اور وجود اسی کا ہے تو عدم میں وجود کا ظہور کیونکر ہوا اسلئے کہ وجود اور عدم تو آپس میں ایک دوسرے کی ضد ہیں پھر ان کا اجتماع کیسے ہوسکتا ہے اور تعجب ہے کہ قدیم کے ساتھ حادث کیسے ٹھہر سکتا ہے اسلئے کہ قدیم حق ہے اور حادث باطل ہے اور حق کے وجود کے ساتھ باطل کہاں رہ سکتا ہے چنانچہ ارشاد ہے قل جاء الحق وزھق

وجود میں اسکی شریک نہ تھی وہ اسوقت بعد ظہور مخلوقات کے بھی اسی صفت پر ہے یعنی وحدہ لاشریک
لہ ہے کوئی وجود میں اسکا شریک نہ پہلے تھا نہ اب ہے۔ مقصود یہ ہے کہ فنا۔ کامل جس صاحب لیاقت
کو میسر ہوا اسکی حالت یہ ہوتی ہے کہ وہ سوائے مولے کے کسی شئے کو اسکے ساتھ نہیں دیکھتا نہ اپنے
نفس کو اور نہ کسی اور کو تو اس فنا۔ کامل کے بعد جو اسکی یہ حالت ہوئی ہے کہ سوائے مولیٰ کے کسی کو نہیں
دیکھتا تو یہ بات نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے لئے یہ صفت اب ثابت ہوئی ہے وہ ہمیشہ سے ایسا ہی ہے لیکن
یہ سالک حجاب میں تھا اسلئے اسکے ساتھ دوسری شئے دیکھتا تھا اب وہ حجاب دور ہو گیا اس لئے
ادراک اسکا صحیح ہو گیا۔

بڑا سخت تعجب ہے کہ جس سے کسی طرح جدا نہیں ہو سکتا اس سے بھاگتا ہے اور جسکے ساتھ کسی طرح نہیں

رہ سکتا اسکو طلب کرتا ہے فی الحقیقت آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں بلکہ دل اندھے ہوتے ہیں جو
سینوں میں ہیں **ف** بڑے تعجب کی بات ہے کہ انسان اپنے مولیٰ حقیقی سے کسی وقت اور کسی طرح
جدا نہیں ہو سکتا جدائی محال ہے تو یہ ایسی ذات سے بھاگتا ہے یعنی اپنے نفس کا اتباع کرتا ہے اور جو
اعمال مولے سے اسکو قریب کریں ان کو چھوڑتا ہے اور جس شئے کے ساتھ کسی طرح باقی نہیں رہ
سکتا یعنی دنیا اور نفس اسکو طلب کرتا ہے اور یہ سخت حماقت ہے حقیقت میں ان لوگوں کی
آنکھیں تو اندھی نہیں خوب دیکھتے ہیں ہاں دل کی آنکھ پھوٹ گئی دل اندھے ہو گئے ورنہ یہ
برعکس معاملہ نہ کرتے۔

عباد اور زہاد بایں وجہ کہ ہر ایک چیز میں اللہ تعالیٰ سے محجوب ہیں ہر ایک چیز سے متنفر اور وحشت

میں اگر وہ ہر چیز میں اسکا جلوہ دیکھ لیتے تو کسی چیز سے متنفر نہ ہوتے **ف** عباد وہ لوگ ہیں کہ
اعمال صالحہ اور عبادت میں مشغول ہیں اور اسی کو ذریعہ قرب جانتے ہیں اور طریق محبت و معرفت
سے آشنا نہیں ہیں اور زہاد وہ لوگ ہیں جو دنیا اور دنیا کی تمام لذتوں کے تارک ہیں اسی کو حق
تعالیٰ کے قرب کا واسطہ سمجھتے ہیں اور اہل محبت و معرفت کا نہ اعمال پر بھروسہ ہے اور نہ کسی مباح لذت
کے ترک کو ذریعہ حصول مقصد کا سمجھتے ہیں۔ عابدین زاہدین مخلوق کے ملنے جلنے اور دنیا کی مباح

اور علم الیقین کہتے ہیں کہ اُس نور سے سالک اپنے رب کا قرب مشاہدہ کرتا ہے یعنی اُسکے قلب کو ذوقی ووجدانی طریقہ سے یہ امر ہر وقت پیش نظر ہوتا ہے کہ ہم اپنے مولے حقیقی کے سامنے حاضر ہیں اور اسکا اثر یہ ہوگا کہ نفس کی طاعت سے سرکشی جاتی رہے گی اور اُسکی کدورات واخلاق ذمیمہ کا غلبہ مٹ جائیگا اور حیا کا غلبہ ہوگا اور منہیات سے پرہیز اور اوامر کی بجاآوری میں مستعد ہوجائے گا جب اس حالت کا رسوخ ہوجاتا ہے تو اسکے بعد دوسرا نور قلب میں حق تعالیٰ عطا فرماتے ہیں کہ اُسکو نور علم اور عین الیقین بھی کہتے ہیں اس نور سے سالک سوائے حق تعالیٰ کے سب کو اور اپنے نفس کو معدوم اور لاشے دیکھتا ہے یعنی پہلے نور کے بعد تو حالت یہ تھی کہ سالک اپنے آپ کو حق تعالیٰ کے سامنے حاضر دیکھتا تھا جس سے یہ نکلا کہ اپنا وجود سالک کی نظر کے سامنے تھا اور اس نور کے بعد یہ کیفیت ہوتی ہے کہ اپنا اور ہر شے کا عدم اور ذات واحد کا وجود نظر کے سامنے ہوگا۔ اس مشاہدہ کا اثر یہ ہوتا ہے کہ مخلوق میں سے کسی شے پر بھروسا اور اعتماد اسکو نہیں ہوتا اور نہ مخلوق کی طرف التفات ہوتا ہے اس مقام پر پہونچکر تفویض اور توکل اور رضا برقضا اور تسلیم کا درجہ بندہ کو نصیب ہوتا ہے اسکے بعد تیسرا نور قلب میں آتا ہے اوسکو نور حق اور حق الیقین کہتے ہیں اس نور سے سالک صرف ذات مقدسہ کا مشاہدہ کرتا ہے اپنا اور کائنات عالم کا نہ وجود نظر میں ہوتا ہے اور نہ عدم یعنی اس نور سے پہلے اپنا اور ہر شے کا معدوم ہونا پیش نظر تھا جس سے یہ نکلتا ہے کہ اپنا علم ابھی تک فنا نہ ہوا ہے گو اس اعتبار سے ہے کہ میں معدوم ہوں تو ابھی تک فنا تمام میسر نہیں تھا فنا تو ناقص تھا اسلئے کہ اپنے فانی اور معدوم ہونے کا علم بھی پردہ ہے فنا کامل یہ ہے کہ فنا ہو اور فنا ہونے کا علم بھی نہ ہو چنانچہ اس تیسرے نور کے بعد یہ ہوگا کہ اس وقت سالک نہ اپنے نفس کو موجود دیکھتا ہے نہ معدوم محض ذات حق کے مشاہدہ میں محو ہوتا ہے اور کائنات عالم بھی اسکی نظر میں نہیں رہتی یہ فنا ہے فنا کامل۔ پھر اسکے بعد پھر بقا کا مرتبہ ہے یعنی اس مقام سے اُسکو التفات الی الخلق کی طرف واپس کیا جاتا ہے جسکا کچھ بیان پہلے گذر چکا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے تھا اور کوئی چیز اُسکے ساتھ نہ تھی اور وہ اب بھی ویسا ہی ہے جیسا تھا۔ ف

اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے ہے اسلئے کہ وہ قدیم ہے اور تمام عالم حادث ہے پہلے جیسا واحد و یکتا تھا اور کوئی بھی

نہیں پڑہتی اور مشاہدۂ حق سے محروم ہیں تو یہ پردہ اور حجاب کسی موجود واقعی کا نہیں اسلئے کہ موجود حقیقی تو سوائے اُسکے کوئی بھی نہیں ہے ہاں وہمی و خیالی موجود کے وجود نے اُن کو غفلت میں ڈال رکھا ہے کہ لاشی و عدم محض کو موجود جانکر موجود حقیقی کے مشاہدہ سے غافل ہوگئے اور عارف کی نظر میں سوائے ہستی حق اور اُسکی صفات کے آثار کے کوئی شے ہی نہیں تمام عالم کو وہ صفات حق کا سایہ اور اثر جانتا ہے اسلئے یہ عالم اُسکی نظر بصیرت کے سد راہ نہیں ہوتا جیسے درختوں کا سایہ دریا میں پڑتا ہو تو کشتی کے چلنے کو وہ مانع نہیں ہوگا ہاں جو کشتی بان ہی وہمی ہو اور درخت کے سایہ کو بھی درخت جانے وہ رک جائے گا آگے نہ بڑہے گا اور سمجھے گا کہ درمیان میں درخت حائل ہے کیسے آگے چلوں یا جیسے کسی نے ہوا کا سنا تا سنا اور اُسکو سمجھا کہ شیر دہاڑ رہا ہے اور اس خوف کی وجہ سے گھر سے نہ نکلا تو اُسکو روکنے والی کوئی موجود شے نہیں ہے بلکہ موہوم شے کے خیال نے روکا۔

مخلوقات میں اگر اُسکے جلوہ کی روشنی نہ ہوتی تو دکھائی نہ دیتے اگر اُسکی صفات کمال کا ظہور ہوتا تو تمام مخلوقات نیست و نابود ہو جاتی۔ **ف** کئی مرتبہ یہ مضمون گذر چکا ہے کہ تمام کائنات عالم فی حد ذاتہ معدوم ہیں اور موجود حقیقی ذات واحد ہے یہاں بھی اُسی مضمون کو دوسری طرز سے بیان فرماتے ہیں فرماتے ہیں کہ مخلوقات جو تم کو دکھائی دے رہے ہیں تو یہ وجود حقیقی کا پرتو ہے ورنہ اگر اس طرف سے انپر وجود کی تجلی اور انعکاس نہ ہوتا تو دکھائی ہی نہ دیتے یعنی موجود ہی نہ ہوتے اور اگر صفات کمال کا عالم میں بلا حجاب ان مخلوقات کے جو فی حد ذاتہ عدم ہیں ظہور تام ہوتا تو مخلوقات تجلی بلا حجاب کی تاب نہ لا سکتے اور بالکل نیست و نابود ہو جاتے چنانچہ کوہ طور پر تجلی ہوئی تھی تو وہ ریزہ ریزہ ہوگیا تھا اور موسے علیہ السلام بیہوش ہوگئے تھے۔ خلاصہ یہ کہ ایک تجلی تو ہے افاضہ و عطاء وجود کی وہ اگر نہ ہوتی تو مخلوقات کا وجود نہ ہوتا اور نہ ان پر نگاہ پڑ سکتی اسلئے کہ عدم محض نظر نہیں آیا کرتا تو یہ اُسی کی تجلی ہے جو عدم محض نظر آتا ہے اور ان کو موجود کہا جاتا ہے اور اگر بلا حجاب ان عدمیات کے تجلی ہوتی تو پھر ان مخلوقات یعنی عدمیات کا پتہ بھی نہ چلتا اسلئے حق کے آنے سے باطل اور ہالک کو تاب ٹھہرنے کی نہیں ہے۔

لذتوں سے نفرت کرتے ہیں اسلئے کہ وہ اُن کو اپنے مقصد کے اندر مخل جانتے ہیں اور عارف کی نظر میں سوائے ہستی حق کے کوئی شے نہیں ہستی ماسواحق کے سب فانی ہوجاتے ہیں نہ ان کی نظر میں کوئی شے موجود ہے نہ معدوم ذات واحد کے سوا کسی شئے کا مشاہدہ نہیں کرتے جو شئے ان کے سامنے ہوگی انہیں وہ حق اور صفات حق کا جلوہ دیکھیں گے اسلئے ان کو اس اعتبار سے نہ کسی شئے سے نفرت اور وحشت ہوتی ہے اور نہ کسی چیز سے اُنس اور تعلق ہوتا ہے مگر اسکا یہ مطلب نہیں ہے کہ اُن کے اندر میں اُنس محبت اور نفرت وکراہت کی صفت ہی نہیں رہتی یہ تو محال ہے اسلئے کہ یہ خلقی امر ہیں بلکہ ان کا اُنس ومحبت اور نفرت وکراہت اور جملہ صفات للہ اور فی اللہ اور من اللہ ہوجاتی ہیں اپنے نفس کا کوئی حصہ ان کے اندر نہیں رہتا بخلاف عباد اور زہاد کے کہ ان کو محبت وانس کسی نیک بندہ یا نیک عمل سے اسلئے ہوگا کہ وہ اُسکو اپنے نفس کے لئے نافع اور سبب قرب الٰہی جانتے ہیں اور تنفر و وحشت اسلئے ہوگا کہ اُسکو اپنے لئے ضرر رساں اور بعد کا سبب گمان کرتے ہیں اور عارف کے اندر اپنے نفس کی کوئی مصلحت نہیں ہوتی نفس کے تمام اغراض اور حظوظ اور تعلقات ملیامیٹ ہوجاتے ہیں اور نہ کسی شئے کا وجود اسکی نظر میں ہے اسلئے اُسکے نفس میں اپنے واسطے نہ کسی چیز سے تعلق ہے اور نہ کسی شئے سے وحشت پس ان حضرات کی تو وہ حالت ہوتی ہے جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے من احب للہ وابغض للہ واعطی للہ ومنع للہ فقد استکمل الایمان یعنی جو محبت کرے اللہ کے واسطے اور بغض رکھے اللہ کے واسطے اور دے اللہ کے واسطے اور روکے اللہ کے واسطے اس نے اپنے ایمان کو کامل کرلیا پس عابد زاہد بلا معرفت ومحبت کے اپنے نفس میں گرفتار رہتا ہے اور ہر شئے اُسکے لئے حجاب ہوتی ہے اسلئے اُس سے متنفر ومتوحش ہوتا ہے اور عارف کے سامنے کوئی چیز ہی نہیں جو کچھ ہے حق ہی حق ہے اسلئے وہ متنفر نہیں ہوتا۔

کسی ایسے موجود کے وجود نے جو واقعی اللہ تعالےٰ کے ساتھ موجود ہو اُس سے محجوب نہیں کیا لیکن ہاں وہمی وخیالی موجود کے وجود نے تجھکو اُس سے محجوب کردیا۔ **ف** ذات مقدسہ باری تعالیٰ سے جو لوگ محجوب اور پردۂ غفلت میں ہیں اور مخلوقات ومصنوعات سے اُن کی نظر آگے

ہے اور حق تعالیٰ کو علم تھا کہ میرے محب بندے بغیر میرے مشاہدہ کے صبر نہ کر سکیں گے اس لئے
اپنی ذات وصفات کا جلوہ اپنی مخلوقات کے پردہ میں دکھایا کہ نظر بصیرت سے بقدر حصہ کے ہر
مومن کو یہ مشاہدہ حاصل ہے چنانچہ اعتقاد ہستی خالق میں تو سب ہی شریک ہیں کہ یہ بھی ایک قسم کا
مشاہدہ ہے اور بعض پر زیادہ فضل ہوا کہ ان کو حالی اور وجدانی طریقہ سے نظر بصیرت سے ایسا
یقین عطا فرمایا کہ جو مثل مشاہدہ عیانی کے ہے کہ جس پر دلیل قائم کرنے کی اصلا ضرورت نہیں ہے اس سے
محبین کو تسلی ہو گئی اور اگر یہ نہ ہوتا تو فنا و ہلاک ہو جاتے۔ اور آخرت میں بلا حجاب مشاہدہ ہوگا۔

جبتک تو مخلوقات میں خالق کا مشاہدہ نہ کرے اُن کا تابع ہے اور جب تو اسکا مشاہدہ کرے
تو مخلوقات تیرے تابع ہیں **ف** جب تک مخلوقات میں حق تعالیٰ کی صفات وذات کا مشاہدہ نہ
کرے اور قلب کی نظر مخلوقات تک ہی رہے اُسوقت تک بندہ مخلوقات کا تابع ہے جو مال اولاد میں
میں مشغول ہیں وہ ان کے تابع ہیں اور ان کے ہی بندے بنے ہوئے ہیں اور جو جاہ میں مشغول ہیں
وہ اُسکے مطیع ہیں اور جو واردات وحالات باطنہ وکرامات وجنت ودوزخ کے اندر مشغول ہیں وہ
ان کے اندر منہمک ہیں اور اُن کے ہی خادم بنے ہوئے ہیں اور جب مخلوقات بندہ کے لئے جلوہ گاہ حق بن
جائے اور غیر اللہ کا وجود اُسکے متخیلہ میں نہ رہے تو مخلوقات اُس بندہ کے تابع ہو جاتے ہیں اور وہ
ان سے مستغنی ہو جاتا ہے مخلوق کے تابع ہونے کا مطلب یہ ہے کہ مخلوق کے دل میں اُسکی محبت ہو
جاتی ہے اور ہر شے اُس بندہ سے محبت کرتی ہے اور وہ کسی شے کو اپنے دل میں جگہ نہیں دیتا اور
سب سے علیحدہ ہو کر اللہ کا ہو رہتا ہے۔

مخلوقات میں مشاہدہ جمال حق کو تیرے لئے مباح فرمایا اور مخلوقات کے ذوات کے مشاہدہ پہ
توقف کی اجازت نہیں دی چنانچہ اس ارشاد میں کہ کہہ تو اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دیکھو جو آسمانوں
میں ہے تیرے فہم کا دروازہ کھولدیا اور یہ نہیں فرمایا کہ آسمانوں کو دیکھو کیونکہ اجسام کے وجود پر نہانی
ہو جاتی **ف** اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے اس بات کا حکم فرمایا ہے کہ مخلوقات میں ہمارے جلال و
جمال کی صفات کا مشاہدہ کرو کہ تمام عالم کیا کلیات اور کیا جزئیات حق تعالیٰ کی صفات جلالیہ وجمالیہ

اسوجہ سے کہ وہ باطن ہے ہر چیز کو ظاہر کر دیا اور اسوجہ سے کہ وہ ظاہر ہے ہر چیز کے وجود کو لپیٹ دیا۔ **ف** حق تعالیٰ کے اسما میں ظاہر اور باطن بھی ہے اور جیسے حق تعالیٰ کی ذات میں کوئی شریک نہیں ہے اسیطرح صفات میں بھی کوئی شریک نہیں پس اسم باطن اسبات کو چاہتا ہی کہ بطون یعنے پوشیدہ ہونے اور چھپنے کی صفت میں کوئی اُسکا شریک نہ ہو پس وہ باطن ہی اسلئے ہر چیز کو ظاہر کر دیا تاکہ چھپنے اور پوشیدہ ہونے میں کوئی اسکا ساجھی نہ ہوا ور ظاہر بھی اسکی صفت ہی یہ صفت اسبات کو چاہتی ہے کہ ظہور کی صفت میں بھی کوئی اُسکا ساجھی نہ ہو اسیواسطے اپنے سوا ہر چیز کو چھپا دیا اور ہر شئے کے وجود کو لپیٹ دیا یعنی وجود حقیقی میں کوئی شریک نہیں پس ظاہر حقیقی اور باطن حقیقی وہ ہی ایک ذات ہی اور دیگر اشیاء کا ظہور اور بطون مجازی اور ظلی ہے۔

اس دار دنیا میں تجھکو اپنی مخلوقات میں تامل کرنے کا حکم فرمایا اور عنقریب ذات کا ملہ دار آخرت میں تجھپر عیاں ہوگی **ف** اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوقات میں نظر اور تامل کرنے کا بندوں کو حکم فرمایا ہی تاکہ اس سے استدلال کرکے اُس کی ہستی کا اقرار کریں اور اوسکی صفات علم و قدرت و حکمت کو جانیں اور اعتقاد کریں اور اس اعتقاد کے راسخ ہونے کے بعد نظر بصیرت سے ان مخلوقات میں اُس کی صفات کے ظہور کا مشاہدہ کریں اور صفات میں فکر اور نظر کے بعد بصیرت سے ذات کا مشاہدہ کریں تو اس الدنیا میں فقط اسی قدر حصہ تجلی کا بندوں کو مل سکتا ہے کہ قلب کی آنکھ سے مشاہدہ ذات مقدسہ کا ہو۔ اور آخرت میں عنقریب ذات کاملہ کھلم کھلا کا انشاء اللہ تعالیٰ معاینہ نصیب ہوگا لیکن یہ رویت عیانی بھی دنیا کی تجلی کے بقدر نصیب ہوگی یعنی دنیا میں جسقدر تجلی جسکے حصہ میں ہے اُسی مقدار سے آخرت میں رویت عیانی ہوگی۔

حق جل وعلا نے جانا کہ تو بدون اُسکے مشاہدہ کے صبر نہیں کر سکتا تو اپنی مخلوقات کا تجھکو مشاہدہ کرایا۔ **ف** مومنین کو حق تعالیٰ کے ساتھ بڑی محبت ہی کما قال تعالیٰ والذین آمنوا اشد حبا للہ اور محبوب حقیقی سب کا اللہ تعالیٰ ہے اور سب اُسکے محب ہیں اور محب کو بدون محبوب کے دیکھے قرار نہیں آتا اور اس دنیا میں بلا حجاب حق تعالیٰ کی رویت دشوار ہے اسلئے کہ ہمارا وجود خاکی و عنصری اسکا متحمل نہیں

ف اس کلام میں شیخ رحمۃ اللہ علیہ معرفت فنا محبت کو بیان فرماتے ہیں کہ جسکو یہ تین مقام حاصل
ہوں اسکی علامت کیا ہے اور یہ تینوں مقام علی سبیل الترتیب ہیں یعنی اعلیٰ مقام معرفت کا ہے اور اس سے
کم فنا کا اور اس سے کم محبت کا ہے فرماتے ہیں کہ جس نے حق جل وعلا شانہ کی معرفت حاصل کی یعنی
حق تعالیٰ نے اپنے فضل سے اسکو عارف کامل بنایا تو اسکی شان یہ ہوتی ہے کہ کوئی شے مخلوق میں سے
اسکو مشاہدہ حق سے نہیں روکتی جیسے کہ عوام کو روکتی ہیں اور نہ یہ ہوتا ہے کہ وہ ہر شے کو معدوم دیکھے
کہ یہ شان اس شخص کی ہے جو مقام فنا میں ہو اور بقا کا مقام اسکو نہ ملا ہو اور عارف چونکہ ہر شے سے
فانی اور حق وصفات حق کے ساتھ باقی ہوتا ہے اور مخلوقات سب صفات کے آثار ہیں اس لئے سب
کو دیکھتا ہے لیکن اس کی نظر عوام کی طرح ان اشیا پر ٹھیری ہوئی نہیں ہوتی بلکہ وہ عالم کے
ہر ذرہ میں اس کی صفات کا مشاہدہ کرتا ہے اور جو فنا کے مقام میں ہے اسکی نظروں میں کوئی شے
نہیں ہوتی سب سے غائب ہوتا ہے حتیٰ کہ اپنے وجود سے بھی غائب ہو جاتا ہے دیکھو دنیا میں اگر کسی شی
کے ساتھ محبت ہوتی ہے تو اسکی نظروں میں ہر وقت وہی سمائی رہتی ہے دوسری شے با وجود سامنے
ہونے کے نظر نہیں آتی اور جس شخص نے اللہ تعالیٰ کو محبوب بنایا اور ابھی تک فنا تک نہیں پہونچا تو
اسکی نظر میں وجود دوسری اشیا کا تو ہوگا لیکن حق تعالیٰ پر وہ کسی شے کو اختیار نہ کرے گا اور اللہ
تعالیٰ کی مرضی کو سب چیزوں پر مقدم رکھے گا اور اپنے ارادہ و شہوت کو پس پشت ڈالدیگا پس یہ
علامتیں درحقیقت ان تینوں مقام کی ہے ۔

حق جل وعلا شانہ کو تجھ سے صرف نہایت قرب نے محجوب کر دیا۔ حق جل وعلا صرف اپنے نہایت ظہور
کے سبب محجوب ہو گیا اور اپنے نور کی عظمت کے سبب آنکھوں سے مخفی ہو گیا **ف** اس مقام پر
شیخ علیہ الرحمۃ نے تین وجہ حق تعالیٰ کی ذات پاک کے مدرک نہ ہونے کی بیان فرمائی ہیں اول تو قرب کی
شدت چنانچہ پہلے یہ مضمون گذر چکا ہے کہ قرب حقیقی مخلوق کے ساتھ صرف اللہ تعالیٰ کے لئے ثابت
ہے اور وہ قرب اس درجہ کا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر شے کے ساتھ اسکی ذات سے بھی زیادہ قریب ہے
اور ادراک کسی شے کا اسوقت ہوتا ہے کہ جب وہ شے من وجہ قریب اور من وجہ بعید ہو دیکھو اگر کوئی شے

کا ہر تو ہے اور مخلوقات کی ذات ہی پر اپنی نظر کے موقوف کر دیئے اور آگے نہ بڑھانے کا حکم نہیں دیا۔ اسلئے کہ ان کی ذات کا نظارہ و اسکے مشاہدہ کا حجاب ہی چنانچہ لوگ ان چیزوں کے نظارہ سے غفلت میں پڑے ہوئے ہیں اور حق کے مشاہدہ سے محروم ہیں اور دلیل اس مضمون کی یہ ہے کہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے قل انظروا ماذا فی السموات یعنے اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ کہئے کہ دیکھو وہ جو آسمانوں میں ہے کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے کہ جو آسمانوں میں صفات حق ہیں وہ دیکھو اور یہ نہیں فرمایا کہ خود آسمانوں کو دیکھو اس فرمانے سے تیرے لئے فہم کا ایک بڑا دروازہ کھولدیا اور تجھکو متنبہ اور خبردار کر دیا کہ مقصود نظر کا حکم فرمانے سے خود ان چیزوں کا مشاہدہ نہیں ہے بلکہ خالق کا مشاہدہ ہے اسلئے کہ اگر ان چیزوں کا مشاہدہ کرانا مطلوب ہوتا تو یہ اجسام کے وجود کی طرف رہنمائی ہوتی اور خالق اجسام کی طرف رہبری نہ ہوتی اور یہ اجسام اپنی ذات سے معدوم ہیں اور ذات حق کے حجاب ہیں ان کی نظر کرنے سے مقصود خالق تعالیٰ شانہ کی طرف رستہ دکھانا ہے نہ کہ خود ان کے وجود کی جانب کہ وہ وجود نظر حقیقت میں کوئی شے نہیں ہے۔

مخلوقات اسکے قول کن کے ساتھ ثابت اور اسکی احدیت ذات کے سامنے نیست و نابود ہیں۔

ف مخلوقات اپنی ذات سے کوئی وجود نہیں رکھتے ان کا وجود ظلی مجازی ہے کہ حق تعالیٰ کے کن (ہوجا) فرمانے سے اسکا ثبوت ہے اور اگر اس کی ذات کی احدیت و یکتائی کی طرف نظر کیجاوے اور مخلوقات کے مظاہر میں اسکے ظہور کی طرف نہ دیکھا جاوے تو مخلوقات بالکل نیست و نابود ہیں۔ مگر اسکا یہ مطلب نہیں ہے کہ مخلوق عین خدا ہوں یا خدا مخلوق میں حلول کرے نعوذ باللہ مخلوق مخلوق ہے اور خالق خالق ہے حقیقت یہ ہی کہ جب حال اور ذوق نصیب نہ ہو رسمی علوم اور نری عقل سے حق الامر کا واضح ہونا محال ہے اور جب ذوق کا کوئی حصہ اللہ تعالیٰ بندہ کو عطا فرمائے اسوقت سب صاف ہی۔

جسنے حق جلا وعلا کی معرفت حاصل کی اس نے ہر چیز میں اسکا مشاہدہ کیا اور جس نے فنا کا تحقق حاصل کیا وہ ہر چیز سے غائب ہوگیا اور جسنے اسکو محبوب بنایا اسنے کسی کو اسپر اختیار نہیں کیا

غیر کے بقا کی طرف تیرا نظر اٹھانا اور ماسوا کے فقدان سے تیرا وحشت ناک ہونا تیرے اس تک

نہ پہونچنے کی دلیل ہے **ف** اللہ کے سوا کوئی چیز ہو خواہ دنیا کا مال متاع وجاہ ہو یا باطنی حالات

وواردات وکرامات وکشف ہو ان میں سے کسی شے کی نسبت یہ چاہنا کہ یہ شے میرے پاس باقی

رہے ضائع نہ ہو اور دل کا اسطرف متوجہ ہونا یہ اسبات کی دلیل ہے کہ اس شخص کو دولت وصول

الی اللہ نہیں ملی اگر واصل ہو جاتا تو کسی شے کی تمنا اور کسی شے کے ساتھ انس اُس درجہ کا نہ ہوتا

نہ دنیا کی چیز کو چاہتا اور نہ واردات وحالات کے ورود پر ان کے باقی رہنے کی تمنا کرتا اسیطرح ان

چیزوں کے گم ہونے سے وحشت ناک اور مغموم ومضطر ہونا بھی واصل نہ ہونے کی دلیل ہے اسلئے

کہ اگر حقیقی دولت اسکو ملجاتی تو ان چیزوں کے جانے کی اسکو کچھ پرواہ نہ ہوتی جیسے کسی کے

پاس اشرفی بھی ہو اور کوڑی بھی اور کوڑی ضائع ہو جاوے اور اشرفی باقی ہو تو اُسکو کچھ بھی غم نہ

ہوگا اور اگر کوڑی جانے کا غم ہو تو عقلی طریقہ سے یہ اسکی دلیل ہو گی کہ اسکو اشرفی نہیں ملی پس

جو سالک وصول کا دعویٰ کرے وہ اس کسوٹی پر اپنے آپ کو پرکھے اگر اُسکے قلب کی یہ شان ہو کہ

اسکو کسی شے کے باقی رہنے کی طلب اور کسی شے کے گم ہو جانے سے وحشت نہ ہو تو وہ حقیقت

واصل ہے ورنہ نہیں۔

راحت وسرور کے اگرچہ مظاہر مختلف ہیں پر حقیقی نعیم اُسکے مشاہدہ اور قرب کا ہے اور مظاہر

عذاب کے اگرچہ مختلف ہیں لیکن حقیقی عذاب اُسکے حجاب ہونے کا ہے تو حقیقی عذاب اس سے حجاب

کا ہونا ہے اور حقیقی نعیم اس کریم ذات کی طرف نظر کرنا ہے **ف** جن چیزوں سے دل کو راحت وچین

وخوشی ہو وہ چیزیں سرور وراحت کے مظاہر ہیں اسلئے کہ وہ راحت وسرور کے ظہور کی جگہ ہیں اور

جن چیزوں سے تکلیف والم ہو وہ عذاب کے مظاہر ہیں۔ مطلب حضرت شیخ کا یہ ہے کہ چین

اور راحت اور سرور کی چیزیں دنیا اور آخرت کی بہت سی ہیں مثلاً دنیا میں بیوی اولاد مال دولت

جاہ وغیرہ اور آخرت میں جنت کی نعمتیں حور غلمان وغیرہا لیکن ان چیزوں کے برتنے اور انہیں

مشغول ہونے کے وقت حقیقی سرور اور چین اُس وقت ہے کہ حق تعالیٰ کا مشاہدہ بھی اسکے ساتھ ہو

تم سے کئی میل کے فاصلہ پہ ہے نہ تو اسکو دیکھ سکوگے اور جو آنکھوں کے بالکل قریب کرلوگے اُسوقت بھی نہ دیکھ سکوگے اسی طرح ادراک باطنی کا حال ہے پس جب حق تعالیٰ کو بندہ کے ساتھ اسکی ذات سے بھی زیادہ قرب ہے تو قوۃ مدرکہ خواہ چشم ظاہری لی جاوے یا ادراک باطنی ذات کے اندر آگئی پس ادراک کی کیا صورت رہی اسلئے حق تعالیٰ کی ذات پاک کو کوئی شخص بھی ادراک نہیں کرسکتا اور جو ادراک بندگان خاص کو حاصل ہوتا ہے تو جو کچھ اُن کے ادراک کے تحت میں آوے اللہ تعالیٰ کی ذات پاک اُس سے بھی زیادہ قریب ہے انکا ادراک ابھی بہت دور ہے پس شدت قرب سبب حجاب بن گئی۔ ایک وجہ تو حق تعالیٰ کے مدرک نہ ہونے کی یہ ہوئی۔ دوسری اور تیسری وجہ یہ کہ حق تعالیٰ کی ذات پاک کا ظہور ہر شے سے زائد ہوا اور اسکا نور ہر شے کے نور سے بڑھکر ہے شدت ظہور کے سبب سے ابصار اور بصائر دونوں اُس کی ذات پاک کا ادراک نہیں کرسکتیں دیکھو آفتاب پر نظر بسبب کثرت نور کے نہیں ٹہر سکتی حالانکہ اُس کی ایک بہت ادنیٰ مخلوق ہے تو خالق کے نور اور ظہور کی تو کیا انتہا ہے اور صوفیہ جسکو مشاہدہ اور قرب و ادراک و وصول کہتے ہیں اُسکی حقیقت پہلے آچکی ہے کہ اُسکا حاصل صرف یقین اُسکی ہستی کا اور مشاہدہ حالی اُسکے قرب کا ہی نہ کہ ادراک تام ذات کا کہ وہ محال ہے۔

حق جل وعلا کسی چیز سے کیونکر محجوب ہوسکتا ہے جو چیز حجاب ہوگی اُس میں ہی اُسکا جلوہ ظاہر اور موجود اور حاضر ہوگا۔ **ف** کسی شے کے مدرک نہ ہونے کی دو وجہ ہوتی ہیں یا تو شدت قرب و ظہور وہ تو حق تعالیٰ کی ذات پاک کے لئے ثابت ہی جیسے پہلے ارشاد میں بیان ہوچکا دوسری وجہ بُعد اور دوری وہ حق تعالیٰ کے لئے ثابت نہیں ہے اُسکو یہاں بیان فرماتے ہیں ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ شانہ کسی چیز سے پردہ میں اور دور کیسے ہوسکتا ہے حالانکہ جس شے کو تم اُسکا حجاب سمجھتے ہو اُس میں بھی اُسی کا جلوہ ظاہر اور موجود اور حاضر ہے پھر وہ شے حجاب کیسے ہوئی وہ تو بلکہ آئینہ اُسکے جمال وجلال کا ہوگئی اس سے معلوم ہوا کہ سالک جو خطرات و وساوس کو حجاب جانتا ہے یہ بوجہ قلت بصیرۃ کے ہے ورنہ اگر بصیرۃ صحیح ہو تو خطرات پریشان نہ کریں اور حجاب نہ معلوم ہوں۔ کہ یہ خطرات بھی اُسکی قدرت کا کرشمہ نظر آویں۔

اسلئے کہ غم والم نفس کے مقصود اور مزہ فوت ہونے کے سبب ہوتا ہی تو جو شخص اپنے مولیٰ کے معائنہ
میں ایسا محو ہو کہ اپنے نفس اور اُسکے مقاصد و مزوں کو بھول جاوے تو وہ ہر وقت خوش ہے
پس عارف کا دل نورِ معرفت سے روشن ہوتا ہے اور کسی حال میں دنیا اور دنیا کے مزوں کی وقعت
اُسکے قلب میں نہیں ہوتی اسلئے وہ ہر وقت مسرور ہے خواہ دنیا رہے یا نہ رہے اور مسرور و
خوش کا مطلب یہ ہے کہ دل اُسکا پریشان نہ ہوگا باقی یہ ظاہر ہے کہ اولاد کے مرنے سے یا خود
بیمار ہونے سے الم طبعی ہوگا یہ دوسری بات دونوں باتوں میں زمین و آسمان کا فرق ہی پس
عارف کی مسرت دائمی اور غیر عارف کی مسرت فانی ہے اور حقیقتًا وہ مسرت غم والم ہے۔ اگرچہ
اسکو اسکا ادراک نہ ہو ؎

فسوف تری اذا انکشف الغبار ✤ افرس تحت رجلک ام حمار

اگر لوگوں کی بے توجہی یا بدگوئی کے ساتھ تیری طرف متوجہ ہونا تجھکو تکلیف دے تو اپنے معاملہ
میں اللہ تعالیٰ کے علم پر اکتفا کر اور اگر تجھکو اُسکے علم پر قناعت نہ ہو تو اس اذیت پانے کی مصیبت
سے اُسکے علم پر قناعت نہ کرنے کی مصیبت تجھ پر سخت تر ہے ف مخلوق کی بدگوئی یا بے توجہی
یا مدح اور توجہ کسی کی طرف مضر اور نافع نہیں ہے تو اگر کسی طالب مولیٰ کی لوگ مذمت کریں اور
اُسکی طرف متوجہ نہ ہوں اور یہ امر اُس طالب کو تکلیف و رنج پہونچاوے تو اُسکو چاہئے کہ اپنے معاملہ
میں حق تعالیٰ کے علم پر اکتفا کرے یعنی یہ سمجھے کہ اگر اللہ کے علم میں میں اپنے عمل کے اندر مخلص
اور مقبول ہوں تو مجھے ان کی مذمت اور برائی کا کچھ بھی نقصان نہیں اور اگر میں اللہ کے
نزدیک حقیر اور مردود ہوں تو ان کی مدح اور توجہ میرے کس کام کی ہے اس علم کو اپنے قلب کے
اندر خوب جاگزیں کرلے پھر کچھ بھی تکلیف نہیں۔ اور اگر حق تعالیٰ کے علم پر تجھکو قناعت نہ ہو اور
مخلوق ہی کی توجہ کو بڑا مقصود جانتا ہو اور ان کی بے توجہی کو بڑی ناکامی سمجھتا ہو اور اس سے
ہر وقت تکلیف میں ہو تو اس تکلیف اور الم کی مصیبت کوئی مصیبت نہیں بڑی مصیبت تو قلب
کی یہ حالت ہونا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علم پر اسکو اطمینان اور قناعت نہیں یعنی اس صورت میں بھی

اور اگر مشاہدہ نہ ہوا اور ان ہی چیزوں سے لذت وغیرہ اُٹھایا تو بظاہر یہ چین ہے لیکن درحقیقت
عذاب ہی گو اس شخص کو اُسکا عذاب ہونا اُسوقت معلوم نہ ہو لیکن عنقریب معلوم ہو جاے گا
بعض مرتبہ تو دنیا ہی میں جب یہ چیزیں پاس سے جاتی رہتی ہیں یا خود ان چیزوں کے کام کا نہیں
رہتا معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ چیزیں عذاب جان تھیں کہ یاد آ آکر قلب کو اسوقت ایذا رساں ہیں
اور کوئی تدبیر اب اُن کے حصول کی نہیں ہے اور اگر فرضاً دنیا میں سکھ ساتھ بھی رہیں لیکن دنیا
سے چلنے کے وقت تو ضرور ہی چھوٹ جائیں گی اور اُسوقت پوری حسرت اور عذاب پہنچاویگی
بخلاف اُس صورت کے کہ جب ان چیزوں کے ساتھ مشاہدہ اور وصول الی اللہ کی دولت بھی
ہو کہ گو یہ چیزیں چھوٹ جاویں لیکن اصلی اور سچی دولت وسرمایہ راحت ہر وقت ساتھ ہے اور تکلیف
والم کی چیزیں دنیا و آخرت کی بہت سی ہیں مثلاً دنیا میں مرض فقر و افلاس تنگدستی وغیرہ اور آخرت
میں دوزخ سانپ بچھو آگ پیپ وغیرہ تو ان مصائب و تکالیف میں مبتلا ہونے کے وقت حقیقی
تکلیف اور پوری مصیبت اُسوقت ہے کہ ان تکالیف کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے بھی بندہ دور اور
حجاب میں ہو اور اگر ان تکالیف میں مبتلا ہو اور اللہ تعالیٰ کے مشاہدہ و وصول کی دولت حاصل ہو تو
یہ مصائب حقیقت میں مصائب نہیں گو بظاہر مصیبت ہے اسلئے کہ مدار تکلیف اور راحت کا
قلب پر ہے قلب میں اسکے وہ دولت ہو کہ اگر اس شخص کو یہ کہا جاوے کہ دنیا بھر کی راحت تجھکو
دیتے ہیں اور تیری مصائب کو دور کیا جاتا ہے لیکن یہ دولت باطنی ہم کو دیدو اس مبادلہ پر وہ
ہرگز راضی نہ ہوگا پس اصل عذاب اور تکلیف حق تعالیٰ سے بُعد ہے اور اصل چین و سرور اُسکی
ذات کریم کے مشاہدہ کی دولت ہے

با تو دوزخ جنت ست اے دلربا ✤ بے تو جنت دوزخ ست اے دلفزا

قلوب جو کچھ رنج والم پاتے ہیں یہ اسوجہ سے ہے کہ مشاہدہ سے محروم ہیں **ف** دنیا میں
جو رنج والم و فکر قلب کو ہوتا ہے اُسکی وجہ صرف یہ ہوتی ہے کہ وہ قلب اپنے رب کے مشاہدہ سے
محروم ہے۔ اور اگر مشاہدہ کی دولت اس کو حاصل ہو تو کبھی غم نہ ہو

ستائیسواں باب عارفین کے بعض حالات کے بیان میں

عارف وہ نہیں ہے کہ جب اسرار کی طرف اشارہ کرے تو حق تعالیٰ جل وعلا کو اپنی طرف اپنے اشارہ کی نسبت قریب تر پاوے بلکہ عارف حقیقی وہ ہے کہ جو حق تعالیٰ کے وجود میں فنا اور اسکے مشاہدہ میں محو ہو کر اپنے اشارہ ہی سے بے خبر ہو جائے **ف** اس مقام کی شرح سے پہلے چند امور سمجھنا چاہیئے اول یہ کہ جس بندہ کو فنا کا مرتبہ نصیب ہوتا ہے اسکے نفس کی حالت یہ ہوتی ہے جیسے مردہ بدست زندہ جیسے مردہ میں کوئی حرکت وسکون اور کوئی صفت نہیں ہوتی اور اگر دوسرا کوئی حرکت دیدے تو متحرک ہوتا ہے ایسے ہی اسکا نفس بدست حق ہو جاتا ہے کہ کسی صفت کو اپنے اندر نہیں دیکھتا حتے کہ اپنا وجود بھی نظر نہیں آتا تمام افعال اور تمام صفات کا فاعل اور موصوف ذات واحد کو دیکھتا ہے اور اسکی شان وہ ہوتی ہے جیسا حدیث میں آیا ہے بی یسمع وبی یبصر کہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ وہ بندہ میرے ساتھ سنتا ہے اور میرے ساتھ دیکھتا ہے دوسرے یہ سمجھو کہ جب کوئی شخص کسی بات کو ذکر کرتا ہے تو قوت مدرکہ میں تین چیزیں ہوتی ہیں اور ادراک کا تعلق تینوں سے ہوتا ہے اول وہ ذکر کرنے والا دوسرے خود ذکر تیسرے جس شے کا ذکر کیا ہے ان تینوں چیزوں کی طرف لحاظ ہوتا ہے تیسرے یہ بات سمجھنا چاہیئے کہ اول گذر چکا ہے کہ حق تعالیٰ کو بندہ کے ساتھ اسکی ذات سے بھی زیادہ قرب ہے اور کسی شے کو ذکر کرنا اس بات کو چاہتا ہے کہ ذاکر اور مذکور میں من وجہ مغائرت اور بعد ہو ورنہ ذکر ہی محال ہوگا مثلاً زید اپنے کسی حال کا ذکر کرے تو اس حال کو زید سے کچھ تو مغائرت وبعد ہے کہ اسکے ذکر کی نوبت آئی پس اس اعتبار سے سر توحید ذکر کرنا اس بات کو چاہتا ہے کہ اس شخص کا نفس فنا نہیں ہوا چوتھے یہ کہ صوفیہ رحمہم اللہ کی اصطلاح میں اشارہ سے مراد اسرار توحید کو ذکر کرنا ہے، حاصل مقام کا یہ ہے کہ اگر عارف کی حالت یہ ہو کہ جب وہ اسرار توحید کی طرف اشارہ کرے یعنی توحید کے اسرار جو اسکے قلب پر وارد ہوتے ہیں ان کو بیان کرے تو حق تعالیٰ کو اپنے اشارہ اور بیان سے قریب

ان کی بے توجہی اور مذمت کی تکلیف کی طرف توجہ نہ کرے اور اسکو مصیبت نہ جانے بلکہ بڑی مصیبت اسکو جانے کہ میرے قلب کی ایسی حالت کیوں ہے کہ اُسکو لوگوں کی مدح و مذمت کی پرواہوتی ہے۔ پس سالک کو چاہئے کہ مخلوق کی مدح و مذمت کی کچھ پروا نہ کرے اسلئے کہ وہ اللہ کے یہاں کوئی کام آنے والی یا ضرر کرنے والی شی نہیں ہے۔

جو دنیا میں موجود ہوا اور اُس کے لئے علوم و معارف غیبیہ کے دروازے مفتوح نہیں ہوئے وہ اپنی شہوات و لذات کے احاطوں میں مقید اور اپنی ذات کے چکر میں گھرا ہوا ہے **ف** جو شخص دنیا میں موجود اور پیدا ہوا اور اُسنے اپنے مولی کی طرف توجہ نہ کی اور غفلت میں پھنسا رہا اور علوم و معارف کے دروازے اُسکے دلپر کشادہ نہ ہوئے تو ایسا شخص اپنی شہوات و لذات کے احاطوں میں مقید ہے اور اپنی ذات کے چکر میں گھرا ہوا ہے توحید کے وسیع میدان کی اسکو خبر نہیں اُسکی گردش اور سعی و توجہ اپنے وجود کے اندر ہے تیلی کے بیل کی طرح ہے کہ صبح سے شام تک چلتا ہے اور جس نقطہ سے چلا تھا وہاں ہی رہتا ہے ایسے ہی اسکی تمامتر سعی اپنے نفس کے لئے ہے بخلاف اُس شخص کے جو اس چکر و گھیرے سے نجات پا چکا ہے کہ فضاء توحید میں وہ بڑھتا چلا جاتا ہے اور خیالات و اوہام اور اپنے نفسانی مزوں اور اپنے وجود کے تنگ اور تکلیف دہ کوچہ سے رہائی اُسکو ہوگئی ہے اور پاکیزہ اور مزہ دار زندگی اور سچی آزادی و حریت اُسکو مل گئی ہے اُسکے لئے کوئی دنیوی مصیبت وحادثہ پریشان کُن نہیں ہے وہ احوال و حوادث سے مغلوب نہیں بلکہ خود اُن پر غالب رہتا ہے وہ ایک مضبوط قلعہ کے مانند ہے کہ جسپر تند ہوائیں اور بارش وغیرہ کا کچھ اثر نہیں اسلئے کہ وہ صفات حق کے ساتھ باقی ہے اسکا بقا دنیا کی چیز پر منحصر نہیں رہا اور صفات حق باقی رہنے والی ہیں گو اُسکا وجود ظاہری صرصر حوادث سے پریشان ہو مگر اُسکا قلب (کہ آدمی قلب ہی سے ہے) کوہ استقامت ہے۔

احتیاج اور اُسی سے خوف و خشیت ہو اور دوسرے یہ کہ ربوبیت کے حقوق کی بجا آوری پوری ہمت سے ہو جاوے کہ ظاہر ہمارا طاعت کے ساتھ ہو اور باطن میں اُسکی طرف لو لگی ہوئی ہو اور حضوری دائمی میسر ہو۔ عارفین کو صرف یہی دو باتیں مقصود ہیں بخلاف اور لوگوں کے کہ وہ اپنے مزوں کے طالب ہیں چنانچہ کوئی دنیا کی چیزوں کا طالب ہے کوئی حور و قصور کا چاہنے والا ہے کوئی حالات واردات کشف و کرامات کو مانگتا ہے کوئی مقامات عالیہ کا خواہاں ہے۔ کوئی فقط رسمی علوم کے پیچھے پڑا ہوا ہے اور علوم حقہ سے اعراض ہے۔

عارف وہ ہے جسکی بیقراری کبھی زائل نہ ہو اور ماسوائے اللہ تعالےٰ کے اسکو کبھی قرار نہ آوے

ف عارف کو اپنے نفس اور صفات نفس سے آگاہی ہوتی ہے اور نفس کی حقیقت کو پہچانتا ہے اور جسقدر یہ معرفت اسکی بڑھتی ہے اُسی قدر حق تعالیٰ کی معرفت اسکو حاصل ہوتی ہے چنانچہ حدیث میں آیا ہے من عرف نفسہ فقد عرف ربہ پس وہ اپنے نفس کو دیکھتا ہے کہ وہ بالکل مجموعہ شرور و نقائص ہے اور اسکی غایت ہمت دنیا اور لذائذ دنیا ہے اسلئے عارف اپنے نفس کی یہ کیفیت دیکھ دیکھ کر ہر وقت حق تعالیٰ کی طرف بیقرار اور ملتجی اور اسکے شرور سے حفاظت الٰہی کے ساتھ امن ڈھونڈھنے والا رہتا ہے اور یہ صفت اسکی لازم غیر منفک ہو جاتی ہے اور نیز پہلے ارشاد میں آچکا ہے کہ عارفین کو بندگی مطلوب ہے اور کوئی شے مقصود نہیں اسلئے عارف کو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی شے کے ساتھ قرار نہیں آتا یعنے اسکے دل کو سہارا اور میلان کسی شے کے ساتھ نہیں ہوتا۔

زاہدوں کی جب مدح ہوتی ہے تو اسوجہ سے دل تنگ ہوتے ہیں کہ مدح کو خلق سے مشاہدہ کرتے ہیں اور جب کوئی عارفین کی مدح کرتا ہے تو خوش ہوتے ہیں اسوجہ سے کہ اسکو بادشاہ عالم حق جل وعلا شانہ سے مشاہدہ کرتے ہیں۔ **ف** زاہد کی نظر بصیرت کے سامنے غیر اللہ کا حجاب ہے اسی واسطے وہ دنیا کی ہر شے سے بھاگتا ہے اور ہر شے کو حجاب جانتا ہے پس اگر کوئی ایسے شخص کی مدح کرتا ہے تو چونکہ وہ مدح کو اُس شخص مادح کی طرف سے جانتا ہے اسلئے تنگ دل ہوتا ہے کہ کہیں اسکی مدح کی وجہ سے ہم فتنہ میں نہ پڑ جاویں اور یہ گمان ان زاہدین کا حق بھی ہے واقعی مدح فتنہ کا سبب ہے

ترہا وے یعنی جیسے کسی چیز کا بیان اور ذکر کرنے والے کی قوۃ مدرکہ میں تین چیزیں ہوتی ہیں
اول ذکر کرنے والا دوسرے وہ شے جسکا ذکر کیا تیسرے ذکر اور تینوں چیزوں کے اندر ادراک
میں بُعد اور فرق ہوتا ہے کہ ذکر کرنے والا یہ ہے اور وہ شے ذکر کی ہوئی دوسری شے توحید کے
اسرار بیان کرنے میں اسکی حالت یہ نہ ہوا سلئے کہ یہاں ذکر کی ہوئی شے حق تعالیٰ شانہ کی ذات
پاک ہے اور اسکو بندہ کے ساتھ اسکی ذات سے بھی زیادہ قرب ہے اور یہ ذکر کرنا من وجہ
مغائرت اور بُعد کو مقتضی ہے اگر اور چیزوں کے ذکر کی طرح اسکا ذکر بھی ہو تو معلوم ہوا کہ اس
شخص کو فنا کا کوئی حصہ نصیب نہیں ہے بلکہ حالت اسکی یہ ہو کہ حق جل وعلا شانہ کو اپنے اشارہ
اور ذکر سے زیادہ قریب مشاہدہ کرے اور ذکر کرنے کو بعید دیکھے تو یہ شخص ابھی فانی کامل اور عارف
کامل نہیں اسلئے کہ گو حق تعالیٰ کو اشارہ اور بیان سے زیادہ قریب دیکھتا ہے لیکن پھر بھی
اُسکے ادراک میں مدرک اور مدرَک کا فرق موجود ہے اور ابھی تک دوئی کے اندر مبتلا ہے۔ بلکہ عارف
حقیقی اور فانی مطلق جب ہوگا کہ حق تعالیٰ کی ہستی کے سامنے ایسا فنا اور اُسکے مشاہدہ میں ایسا
محو ہو کہ اشارہ اور بیان تو کرے لیکن اس اشارہ سے بے خبر ہو یعنے اپنی طرف اُس کلام کی
نسبت کسی اعتبار سے بھی مدرکہ میں نہ ہوا ور مردہ کی سی حالت ہو کہ وہ متحرک بحرکۃ الغیر ہوتا ہی
ایسے ہی یہ متکلم اور مشیر ہے لیکن دوسری قوت سے بول رہا اور اشارہ کر رہا ہے۔

عارفین کا عمدہ اور اعلیٰ مطلب اللہ تعالیٰ سے عبودیت میں سچائی اور ربوبیت کے حقوق کی پوری
بجا آوری ہے۔ **ف** عارفین اللہ تعالیٰ سے دو چیزوں کے سوا کچھ نہیں مانگتے ہیں نہ ان کو دنیا کی
نعمتیں مطلوب ہیں اور نہ جنت کا بالذات سوال کرتے ہیں اول مطلب تو انکا اپنے مولیٰ سے
یہ ہے کہ بندگی میں ہم کو سچائی نصیب ہو جائے اور عبودیت کے اوصاف میں ہم سچے ہوں اور عبودیت
و بندگی کے اوصاف یہ ہیں کہ نعمت میں شکر اور مصیبت میں صبر اور حب فی اللہ و بغض فی اللہ کی
صفت ہو اور اپنی تدبیر و اختیار کو اسکے اختیار کے سامنے نیست و نابود کر دینا اور ہر وقت قلب کو
اُسی کی طرف نگرانی و نگہداشت رہے اور تواضع و ذلت اُسکے دربار میں حاصل ہو اور اُسی کی طرف

سے جواب دے اگر اہلیت اُسمیں اس سوال کے جواب سمجھنے کی ہو تو جواب دے ورنہ الکا کہدے اسکے
اسکی تمیز نہیں ہے اور علوم و اسرار کو جو لینے یہ بیان کرتا ہے یہ بھی جہل کی دلیل ہے اسلئے کہ اسرار و علوم
اللہ تعالیٰ کی امانت ہیں ان کو ظاہر کرنا خیانت ہے اور نیز بیان کرنے اور عبارت میں لانے سے وہ کسی
کی سمجھ میں نہیں آسکتے بلکہ ان میں اور پیچیدگی پیدا ہو جاتی ہے اسلئے کہ وہ ذوقی و وجدانی علوم ہیں
عبارت سے انکا ادا کرنا محال ہے اور نیز بعض علوم ایسے ہوتے ہیں کہ ان کے ظاہر کرنے سے
ضرر اور فساد کا اندیشہ ہے اسلئے کہ جو اصلی مراد ہے اُس تک تو سامعین پہونچ نہیں سکتے اور جو سمجھینگے
وہ غلط ہوگا پس سالک کے لئے لازم ہے کہ سکوت اختیار کرے اور ہر بات کو ظاہر نہ کرے

ابتداء سلوک میں اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع ہونا انتہاء سلوک میں کامیابی کی علامت ہے۔

ف جیسے ہر علم و فن میں ایک ابتدا ہوتی ہے اور ایک انتہا اسیطرح سلوک میں بھی سالک کی
ایک ابتدا ہے اور ایک انتہا ابتدا تو سلوک اور سیر کی حالت ہے اور انتہا وہ ہے جسکو یہ حضرات
وصول و مشاہدہ سے تعبیر فرماتے ہیں مطلب ارشاد شیخ رح کا یہ ہے کہ جس کے ابتداء سلوک میں یہ حالت
ہو کہ ہر امر میں حق تعالیٰ کی طرف رجوع کرے اور اپنی حول و طاقت و عمل و ذکر و شغل و مراقبہ
وغیرہ کسی بات پر اسکا اعتماد نہ ہو تو اس علامت سے سمجھ لو کہ یہ شخص انتہاء سلوک میں کامیاب ہوگا اور
اسکا وصول واقعی وصول الی اللہ ہوگا اور یہ شخص مقبول ہوگا اور اگر ابتدا میں یہ علامت موجود نہ ہو
بلکہ اپنے عمل و اشغال پر معتمد ہو اور مغرور ہو اور سمجھتا ہو کہ یہی ذریعہ وصول کا ہے یا سلوک سے مراتب
عالیہ کا خواہشمند ہو تو گو کوئی شیخ اسکو منتہی بتادے اور سلوک کی انتہا بیان کرے مگر وہ رستہ
ہی سے واپس کر دیا جاویگا اور مراد کو نہ پہونچے گا پس سالک پر لازم ہے کہ ہر امر میں حق تعالیٰ سے
مدد لے اور اپنے مجاہدہ و ریاضت پر مطلق نظر نہ رکھے اور سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی چیز کا طالب نہ
بنے اور کسی ادنیٰ عمل میں بھی اپنی قوت کو دخیل نہ جانے اور یہ قاعدہ سلوک کی بنیاد ہے کہ اسی پر اسکا
دار و مدار ہے کہ اپنی قوت و حول سے بالکل خارج ہو جانا۔

جس کی ابتداء سلوک اور ما و کے الملتزم کے ساتھ منور ہوگی اسکی نہایت سلوک بھی انوار و معارف

اور عارفین کی نظر سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی پر نہیں ہوتی دنیا میں جو کچھ ہے وہ سب کو نظر حقیقت سے حق تعالیٰ کے افعال اور اُسکی قدرت کے عجائبات دیکھتے ہیں اسلئے اگر کوئی ان کی مدح کرتا ہے تو اُس مدح کو وہ اپنے مالک حقیقی کی طرف سے دیکھکر مسرور او منبسط ہوتے ہیں اور اسمیں ان کی اور ترقی ہوتی ہے اور چونکہ نفس اور اُسکے مزول سے فانی ہوجاتے ہیں اسلئے ان کو خود پسندی اور عجب کا اندیشہ نہیں ہوتا ان کا یہ خوش ہونا بھی اللہ ہی کے واسطے ہوتا ہے اسلئے ان کو ضرر بھی نہیں لیکن چونکہ ایسے عارفین کہ جنکے اندر سے شوائب نفس اسدرجہ زائل ہوگئے ہوں کہ کوئی اثر ادنیٰ بھی نہ رہا ہو دنیا میں نادر الوجود ہیں لاکھوں کروڑوں میں ایک ہی ہوتا ہے اور اگر کوئی ہو بھی اُس کا بھی نفس سے بالکلیہ ہمہ وقت وہر آن مامون رہنا مشکل ہے اسلئے حدیث شریف میں مدح مطلقاً سبب فتنہ وعجب کا ٹھرائی گئی ہے چنانچہ ایک شخص نے کسی کے منہ پر اُسکی تعریف کی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ویلك قطعت عنق اخیك ا و صاحبه یعنی تجھکو ہلاکت ہو تو نے تو اپنے بھائی کی گردن کاٹ دی۔

اٹھائیسواں باب فراست اور ایک شئے سے دوسری شئے پر استدلال کرنے کے بیان میں

جس کو تو ہر سوال کا جواب دینے والا اور ہر مشاہدہ کا ظاہر کرنے والا اور ہر علم کا بیان کرنے والا دیکھے تو اُس سے اُسکا جہل سمجھ لیجئے **ف** جس صوفی وسالک کی حالت یہ ہو کہ جو سوال اُس سے کیا جاوے اُسکا جواب دے کسی سوال کے جواب میں اپنی ناواقفیت ونادانی ظاہر نہ کرے اور جن علوم واسرار کو وہ اپنی بصیرت باطنہ سے مشاہدہ کرتا ہو اُن سب کو لوگوں سے بیان کردے اور ہر علم باطنی کو ظاہر کرتا ہو تو ان علامات سے سمجھ لو کہ یہ شخص جاہل اور احمق ہے اسلئے کہ ہر سوال کا جواب دینا اُسکا کام ہے جسکا علم تمام معلومات کے ساتھ محیط ہو اور یہ شان اللہ تعالیٰ عالم الغیب والشہادۃ کی ہے آدمی کا علم ہی کیا ہے اور نیز عالم پر یہ ضروری ہے کہ سائل کے حال کی رعایت

مقبولیت کی شرط و علت نہیں ہے بسا اوقات عمل میں لذت نہیں آتی اور نفس کو کچھ مزہ نہیں آتا اور وہ عمل اللہ تعالیٰ کے یہاں لذت و حلاوت والے عمل سے زیادہ مقبول ہو جاتا ہے

جب تو اپنی قدر اُسکے نزدیک معلوم کرنا چاہے تو یہ دیکھ کہ اُس نے تجھکو کس کام میں لگا رکھا ہے **ف** جو بندہ یہ معلوم کرنا چاہے کہ میری قدر اور رتبہ میرے رب کریم کے نزدیک کیسا ہے کہ میں اُسکے نزدیک مقبول ہوں یا مردود سعید ہوں یا شقی تو اُسکو چاہیئے کہ اپنی حالت میں غور کرے اور دیکھ لے کہ مجھکو اُس نے کس کام میں لگا رکھا ہے اگر نیک عمل اور اپنی عبادت و رضا جوئی میں لگا رکھا ہے تو سمجھ لے کہ یہ بندہ اللہ کے نزدیک مقبول اور سعید ہے اور اگر نافرمانی اور معاصی اور نا راضی میں مبتلا ہے تو سمجھ لے کہ مردود بارگاہ اور شقی ہے۔

طاعت کے فقدان پر غم کا ہونا اور اُسکے ساتھ طاعت کی طرف نہ اُٹھنا دھوکہ میں پڑنے کی علامت ہے۔ **ف** بعض لوگوں کو دیکھا جاتا ہے کہ وہ اسپر بہت مغموم ہوتے ہیں کہ ہمسے خدا تعالےٰ کی اطاعت نہیں ہوتی اور بہت آنسو بہاتے ہیں لیکن اسکے ساتھ یہ بات نہیں کہ اُسی وقت سے طاعت شروع کر دیں اور معاصی چھوڑ دیں ایسا غم کاذب ہے اور نفس کا دھوکہ ہے غم صادق اور تاسف و ندامت صادقہ وہی ہے جو طاعت پر برانگیختہ کرے اور ناکردنی امور کو چھوڑا وے۔

اللہ تعالیٰ کا تجھکو کسی حالت میں مستقیم رکھنا اور اُسکے ساتھ نتائج کا بھی حاصل ہونا تجھکو اُس حالت میں خدا تعالےٰ کے قائم کرنے کی علامت ہے۔ **ف** اللہ تعالیٰ نے جس بندہ کو جس حالت میں قائم فرما دیا وہ حالت خواہ دنیا کی ہو جیسے تجارت یا زراعت یا نوکری میں لگا رکھا ہے یا آخرت کی ہو جیسے تعلیم تدریس یا ترک اسباب کر کے گوشہ میں بیٹھنا ہے اور اس حالت کے ثمرات و نتائج بھی اُسکو حاصل ہیں یعنی دین کے کاموں میں اُس کام سے کوئی حرج نہیں ہوتا بلکہ تمام کام بخوبی ہوتے جاتے ہیں تو یہ اسکی علامت ہے کہ حق تعالیٰ کو تیرا اس حالت میں رہنا پسندیدہ ہے اور اپنی پسندیدگی سے اور تیرے لئے خیر جانکر اسمیں مشغول فرمایا ہے تو اب اس بندہ کو چاہیئے کہ خود اس حالت سے علیحدہ ہونے اور نکلنے کی خواہش نہ کرے بلکہ شکر کے ساتھ اسمیں رہکر اپنے مولیٰ کی بندگی میں لگا رہے۔

کے ساتھ روشن ہوگی **ف** سالک کا معاملہ ابتداءً تو اعمال و اوراد و ذکر کے ساتھ ہوتا ہے جس کا
تعلق جوارح اور ظاہر بدن کے ساتھ ہے اور انتہا میں معاملہ ظاہر سے باطن کی طرف چلا جاتا ہے
یعنی معارف و انوار سے قلب کا نور بڑھتا ہے اور شغل اسکا قلب سے ہوتا ہے مطلب یہ ہے کہ جو سالک
اپنی ابتدائی حالت کو منور کریگا کہ ابتدا میں اوراد کا پابند ہوگا اور طاعات کی بجا آوری میں کوتاہی
نہ کریگا اور اپنے وقت کو فضول نہ جانے دیگا تو اسکی انتہائی حالت نہایت آب و تاب کے ساتھ
نکلیگی یعنے انوار و معارف کے آفتاب اُسپر طلوع ہونگے اور جو ابتدا میں سست و کاہل ہو
اور پابندی ظاہری طاعات کی نہ کرتا ہو اُسکی انتہا بھی کمزور ہوگی غرض انتہا کا کامل ہونا ابتدا
کے کامل ہونے پر ہے جیسے دیوار کی اگر بنیاد درست ہے تو اوپر سے تمام دیوار مضبوط ہوگی ورنہ
جسقدر اُسمیں خامی ہوگی اُسیقدر اُسمیں خامی ہوگی۔

جسنے اپنے عمل کا ثمرہ لذت و حلاوت دنیا میں پا لیا تو یہ اُسکے آخرت میں قبول ہونے کی دلیل
ہے۔ **ف** عبادت کا بدلہ اور ثمرہ اصل تو آخرت میں ملیگا اور بہت سے بندوں کو دنیا میں بھی
ثمرہ عطا ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ عمل میں حلاوت و لذت قلب کو حاصل ہوتی ہے تو جو شخص اپنے عمل میں
لذت و حلاوت پاوے تو وہ خوش ہو کہ یہ بات اُس عمل کے آخرت میں قبول ہونے اور ثواب کے
ملنے کی دلیل ہے لیکن عمل کے اندر حلاوت و لذت کو مقصود نہ جانے کہ یہ اخلاص کے منافی ہے۔
عمل تو بندگی کے لئے ہے خواہ مزہ آوے یا کراہت و گرانی نفس کو ہو۔

طاعت پر دنیا میں ثمروں کا پانا آخرۃ میں طاعت کرنے والوں کے لئے اُنپر بدلہ ملنے کی مبارک
بادیاں ہیں **ف** جو بندے طاعات میں حلاوت و ثمرات و انوار پائیں وہ خوش ہوں اس لئے
کہ یہ ان کے لئے اللہ جلا و علا شانہ کی طرف سے مبارکبادی اور خوشخبری اسبات کی ہے کہ
تمہارے یہ اعمال مقبول ہیں اور آخرت میں اُپر بدلہ ملنے والا ہے لیکن یاد رہے کہ اس حلاوت
و لذت ہی کو مقصود نہ بنا دیں لذت آوے یا نہ آوے عمل کو نہ چھوڑیں اور نہ یہ سمجھیں کہ جب تک یہ لذت نہ
آوے اُسپر آخرت میں کوئی ثمرہ مرتب نہ ہوگا اسلئے کہ ثمرہ و نتیجہ صرف علامت مقبولیت کی ہے

پہونچتے ہی سمجھ میں آجاتی ہے اور اسکا اشارہ اُن کے نزدیک جلی اور ظاہر ہوتا ہے **ف** جو اسرار و معارف و حقائق اللہ کے بندوں کے دلوں پر اُسکی طرف سے وارد ہوتے ہیں وہ راز و امانت ہوتے ہیں اور امانت کو بغیر مالک کی اجازت کے کسیکو دینا جائز نہیں اسلئے وہ حضرات ان اسرار کے ساتھ لب کشا نہیں ہوتے اور کسی پر ظاہر نہیں فرماتے ہیں. ہاں جب اجازت اور حکم الٰہی ہوجاتا ہے اُسوقت جو بات ظاہر کرنیکی ہوتی ہے اُسکو ظاہر فرماتے ہیں تو جن حضرات کو حقائق و معارف کے ظاہر کر دینے اور بیان کرنے کی اجازت ہوتی ہے وہ ایسے حضرات ہوتے ہیں جن کا بولنا اللہ کے واسطے ہوتا ہے یعنی اپنے نفس کی بڑائی اسمیں مطلق نہیں ہوتی اور اللہ کے ساتھ ہوتا ہے یعنی اپنی حول و قوت سے نہیں بولتے بلکہ اللہ تعالیٰ کے سامنے بمنزلہ آلہ کے ہوتے ہیں کہ بولنے والا کوئی اور ہی ہوتا ہے وہ بے حس و قوت رہ جاتے ہیں تو ایسے حضرات کا کلام دو قسم کا ہے ایک تصریح یعنی مقصود کو رمز اور اشارہ سے بیان نہ کیا جاوے بلکہ صاف عبارت ہو دوسرے اشارہ جو صاف عبارت نہ ہو بلکہ مقصود کی طرف رمز اور اشارہ ہو تو تصریح کی شان یہ ہوتی ہے کہ خلق کے کانوں میں آتے ہی سمجھ میں آجاتی ہے زیادہ تقریر کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی اور اشارہ کی حالت بھی یہ ہوتی ہے کہ وہ سامعین کے نزدیک ظاہر اور واضح ہوتا ہے اور وجہ اسکی یہ ہوتی ہے کہ اُن حضرات کا بولنا چونکہ باذن اللہ ہوتا ہے اور نیز جو کچھ وہ بول رہے ہیں اسمیں وہ آلہ محض ہیں اصل میں وہ مضامین غیب سے بواسطہ اُن کے آرہے ہیں جیسے بارش کا پانی پرنالے سے ہوکر گذرے اور آرہے ہیں سامعین کے فیض اُٹھانے کے لئے اسلئے دل میں اُترتے چلے جاتے ہیں بخلاف اُس شخص کے کہ اُسکو بولنے کی اجازت نہ ہوا ور حقائق و معارف بیان کرے کہ اُسکی باتیں کچھ قلوب میں نہ اُتریںگی اور نہ اُس شخص کو بیان کرنے میں سہولت ہوگی تکلف سے کھینچ کھینچ کر مضامین لائیگا اور الفاظ و عبارت میں لاکر ادا کرے گا اور لوگوں کے فہم اُسکو قبول نہ کریں گے نہ متاثر ہونگے پس سالک کو لازم ہے کہ جب تک اُسکو اجازت بولنے کی نہ ملے ساکت رہے اور اجازت کی علامت یہی ہے کہ خود بخود غیب سے مضامین قلب میں آکر زبان اُن کے ساتھ چلنے لگے اور

نوافل عبادات کی طرف مسارعت کرنا اور واجبات کی بجا آوری سے سستی کرنا ہوائے نفسانی کے اتباع کی علامت ہے۔ ف بعض لوگوں کو دیکھا جاتا ہے کہ نفل عبادات کی بہت حرص کرتے ہیں اور اسمیں مشغول رہتے ہیں مثلاً وظائف بہت پڑھتے ہیں اور روزے نفل بہت رکھتے ہیں اور نوافل بہت ادا کرتے ہیں لیکن واجبات کے ادا کرنے میں سست ہیں مثلاً اُن کے ذمہ قرض ہے اور لوگوں کے حقوق ہیں وہ ادا نہیں کرتے یا حج فرض ہے اُسکے لئے ہمت نہیں کرتے یا زکوۃ مفروضہ گذشتہ سالوں کی ادا نہیں کرتے یا لوگوں کو ستایا تھا اُن سے معاف نہیں کراتے یہ نفس کا دھوکہ ہے اور یہ نفل کی حرص ہوائے نفسانی کا اتباع ہے اسلئے کہ نفس شہرت پسند ہے نفل میں شہرت زیادہ ہوتی ہے اور جب واجبات و فرائض ذمہ پر ہیں نفل عبادت کیا کام دے سکتی ہے اسلئے کہ نفل عبادت مثل تجارت کے نفع کے ہے اور واجبات و فرائض اصل سرمایہ ہیں جب اصل سرمایہ میں ہی کمی ہے تو نفع نفع ہی نہیں ہے۔ اسلئے واجبات و فرائض کی بجا آوری نوافل سے مقدم ہونی چاہیئے۔

جو کچھ انوار و معارف دلوں میں پوشیدہ ودیعت ہیں ان کے آثار و برکات ظاہری اعضا کے مشاہدہ میں ظاہر معلوم ہوتے ہیں ف کامل و صاحب باطن کی علامت یہ ہے کہ اسکے دل میں جو انوار و معارف اللہ تعالیٰ نے ودیعت کی طرح پوشیدہ رکھے ہیں ان کے برکات و آثار چہرہ اور ہاتھ پاؤں پر بھی عیاں ہونگے اور خود اسکے چہرہ کی حلاوت و برکت کہے گی کہ میرے اندر کچھ ہے پس جسکے اندر یہ علامت ہو اور متبع شریعت ہو اُس کا اتباع کرنا چاہیئے اور اُسکی صحبت کو غنیمت جاننا چاہیئے۔

انتیسواں باب وعظ و نصیحت و تلقین میں اُس کی تاثیر کی شرائط کے بیان میں

جسکو حقائق اور معارف سے اطلاع کی اجازت دی جاتی ہے اُسکی تصریح خلق کے کانوں میں

بھری ہوتی ہے تو کلام کے اندر بھی ظلمت کا لباس ہوگا اور اُسکا اثر بھی ویسا ہی ہوگا اور دلوں کے اندر نہ اُترے گا۔

حقائق اور معارف کا بیان یا تو علوم وجدانیہ کے کثرت فیضان کے سبب سے ہوتا ہے یا کسی مرید کی ہدایت کی غرض سے پہلا تو مبتدی سالکوں کا حال ہے اور دوسرا اہل تمکین اور محققین کا **ف** سالک مبتدی پر جب علوم و واردات کی بارش ہوتی ہے اور دل اُسکا ان کو سما نہیں سکتا اسلئے کہ تنگ ہوتا ہے تو وہ اُبل پڑتا ہے اور وہ علوم زبان سے اسکے نکلنے لگتے ہیں اور عارف کامل کا قلب بہت فراخ ہوتا ہے اُسکے قلب پر جسقدر بھی علوم آویں سب کو سما لیتا ہے اور ان علوم پر خود غالب رہتا ہے اسلئے وہ بیان نہیں کرتا ہاں اگر کسی مرید کو ہدایت کرنا ہوا اور اُسکو تعلیم منظور ہو تو حسب ضرورت بیان فرماتا ہے اول کی مثال تو اُس ہنڈیا کی ہے جو آگ پر رکھی ہے اور اُبل رہی ہے اور دوسرے قلب کی مثال پختہ شدہ ہنڈیا کی ہے کہ حسب ضرورت اپنے اختیار سے جسقدر چاہینگے نکالیں گے خود اُسمیں سے ہرگز نہ نکلے گا۔ اسلئے کہ پختہ ہے۔

علوم ومعارف کے مختلف بیان محتاج سننے والوں کی غذائیں ہیں اور سوائے اُسکے جو تو کھا سکتا ہے تیرے لئے اور کچھ نہیں ہے **ف** جیسے آدمی کے بدن کی غذا کھانا پانی ہے اسی طرح قلب اور روح کی غذا علوم اور معارف ہیں اسی لئے شیخ کا ارشاد ہے کہ علوم ومعارف کے مختلف بیانات حاجتمند سننے والوں کی غذائیں ہیں اور جیسے غذا ہر شخص کی وہ ہے جو اُسکے حال کے مناسب ہی ہر غذا ہر شخص نہیں کھا سکتا مثلاً قوی المعدہ شخص جو چاہے کھا سکتا ہے اور ضعیف المعدہ کم کھا سکتا ہے زیادہ کھائے گا تو نقصان ہوگا اور نیز مزاج جیسا ہوگا اُسکے مناسب غذا کھا سکتا ہے یہی حال غذائے باطنی کا بھی ہے کہ ہر علم ومعرفت کی بات ہر شخص کے مناسب نہیں ہے جسکے قلب کی جس طرح کی گنجایش ہے اُسکے موافق حصہ لیتا ہے اسلئے فرماتے ہیں کہ تیرے لئے اُسکے سوا کچھ نہیں ہے جو تو کھا سکتا ہے۔

یہ شخص آلہ و واسطہ محض رہ جائے ایسا ہی کلام مفید و مؤثر ہوگا۔

بسا اوقات حقائق اور معارف تجھ سے بے نور ظاہر ہوتے ہیں جب تجھکو اُن کے اظہار کا اذن نہیں ہوتا

ف جبکہ سالک کی حالت یہ ہو کہ اُسکو اظہار حقائق و معارف کی اجازت نہ ہو یعنی بولتے ہیں اُسکے ارادہ واختیار کو بھی دخل ہو آلہ و واسطہ محض نہ بنا ہو اور وہ نشان نہ ہوئی ہو جو پرنالے کو بارش کے پانی کے ساتھہ ہے اور باوجود اس عدم اذن کے بہرو ہ حقائق کا اظہار کرے تو وہ حقائق بے نور ہونگے اسلئے کہ اُن میں غیر اللہ کی ظلمت و تاریکی شامل ہو گی پس دلوں میں اُن حقائق کی کوئی روشنی و نور نہ آویگا اور نہ کسی قسم کی تاثیر ہوگی اور اگر کچھ ہوگی وہ پائدار نہ ہوگی اسلئے کہ وہ حقائق غیب سے نہیں آئی بخلاف اُس شخص کے جو مسلوب الارادہ ہوگیا اور پھر اُسکے قلب پر فیوض کی بارش ہوا ور وہ بارش اُس کی زبان کے پرنالے سے بھی کہ وہ جس آب و تاب و رونق کے ساتھہ آئے تھے اُسی نور و چمک کے ساتھہ قلوب میں آوینگے اور اندر اُترتے چلے جائیں گے۔

عارفین اور حکما سامعین کے نور ان کے اقوال سے پہلے پہونچتے ہیں تو جس جگہ انوار کی روشنی پہونچتی ہے وہیں اقوال بھی پہونچتے ہیں **ف** عارفین جب اللہ کے بندوں کو کوئی وعظ و نصیحت کی بات ہدایت کرنا چاہتے ہیں تو بولنے سے پہلے ان کے دل حق تعالی کی جناب میں متوجہ اور ملتجی ہو جاتے ہیں کہ اے اللہ اپنے بندوں کے دلوں میں استعداد عطا فرما تو اُسوقت ان کے دلوں کے نور باطنی ایک نور پیدا ہوتا ہے اور ان بندوں کے قلوب کو منور کر کے مستعد بنا دیتا ہے اسلئے اقوال سے پہلے لوگوں کے دلوں میں ان کے نور جا پہونچتے ہیں اسکے بعد وہ کلام فرماتے ہیں تو جن قلوب میں ان انوار کی روشنی پہونچی تھی وہاں ہی ان کے اقوال بھی اُترتے چلے جاتے ہیں اور اُن باتوں کا اثر ہوتا ہے۔

جو کلام کسی متکلم سے ظاہر ہوتا ہے ضرور اُسپر اُس قلب کا نورانی یا تاریک لباس ہوتا ہے جس سے وہ پیدا ہوا۔ **ف** زبان دل کی ترجمان ہے اور دل کے حال کو عیاں کرنے والی ہے تو جو کلام کسی متکلم کی زبان سے ظاہر ہوتا ہے تو اگر اُسکا دل نورانی ہے تو زبان سے جو کلام نکلے گا وہ بھی نورانی لباس سے آراستہ ہو کر ظاہر ہوگا اور دلوں پر اُسکا اُسی قسم کا اثر ہوگا اور اگر دل کے اندر کدورات و اغراض کی ظلمت

تو دوسرے وقت غفلت وشہوات وکدورات کی تاریکیاں قلب پر چھا جاتی ہیں اور یہ اسواسطے کہ اگر انوار وتجلیات ہی رہیں تو ان کی قدر اس بندہ کو نہ ہوگی اور نیز نور کا نور ہونا بھی اسکی ضد یعنی ظلمت ہی سے معلوم ہوگا اور جب قدر نہ ہوئی تو شکر مولیٰ کا ادا نہ ہوگا اسلئے بسا اوقات غفلت وشہوت کی تاریکی بھی چھا جاتی ہے تاکہ نور طاعت کی قدر ہو۔

جس نے نعمتوں کی قدر اُن کی موجودگی میں نہ پہچانی وہ اُن کے فقدان کے بعد اُن کی قدر پہچانے گا۔

ف بندہ پر حق تعالیٰ کی نعمتیں بیشمار ہیں ہر وقت اور ہر آن نعمتوں میں غرق ہیں لیکن اکثر اُن نعمتوں کی قدر نہیں جانتے اور ناشکری کرتے ہیں اور بعض تو مولےٰ حقیقی کا شکوہ کرتے ہیں اور اپنی حالت ہمیشہ بُری ہی ظاہر کرتے ہیں ایسے لوگ نعمتوں کی قدر اُسوقت جانتے ہیں جب وہ نعمتیں پاس سے جاتی رہتی ہیں، اُسوقت اُن نعمتوں کی قدر ہوتی ہے۔

شکر کے حقوق کی بجاآوری سے متواتر نعمتیں تجھکو غافل اور مدہوش نہ کردیں کیونکہ یہ تیری موجودہ قدر ومنزلت کو گرا دے گا۔ **ف** شکر کے ادا کرنے سے انسان کو دو چیزیں غفلت میں ڈالتی ہیں یا تو حق تعالیٰ کی نعمتوں کو قلیل اور حقیر جاننا اور یا اتنا کثیر سمجھنا کہ یہ خیال کرے کہ میں شکر کو پوری طرح ادا تو کر نہیں سکتا اسلئے عاجز ہوکر شکر کو چھوڑ دے اسی کی نسبت شیخ رح کا یہ ارشاد ہے فرماتے ہیں کہ ایسا نہ ہو کہ حق تعالیٰ کی متواتر نعمتیں تجھکو شکر کے حقوق کی بجاآوری سے غافل اور مدہوش کردیں کہ یہ سمجھ بیٹھے کہ اتنی بہت سی نعمتوں کا میں شکر نہیں ادا کرسکتا تو شکر کو چھوڑ بیٹھے کہ یہ بات تیری قدر ومنزلت موجودہ کو گرا دے گی اور تجھکو پستی کے اندر لے جائے گی اسلئے کہ حق تعالیٰ نے تو اپنے فضل سے تیری قدر کو اعلیٰ وارفع بنایا ہے اور تیری ایک نیکی کو دس ٹھرایا ہے اور تیرے تھوڑے سے عمل کو بہت کیا ہے جسکا مقتضیٰ یہ ہے کہ تو ہر وقت شکر اور عمل میں لگا رہے اور نیز یہ بات تیرے ایک بہت بڑے جہل کو بتلا رہی ہے کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تیرا خیال یہ ہے کہ جو کچھ میں کر رہا ہوں وہ اپنی قوت سے کر رہا ہوں حالانکہ یہ بالکل غلط ہے تیرے تمام افعال کا خالق حق تعالیٰ ہے تیرے ہاتھوں اور تیرے بدن سے وہ کام لیتے ہیں اور سب افعال کو اپنی ہی طرف نسبت فرماکر تجھکو بھی اُسکا [illegible]

تیسواں باب شکر کے بیان میں

جو شخص اللہ تعالیٰ کی طرف اُسکی مہربانیوں اور احسانات سے متوجہ نہ ہوا تو وہ آزمائش کی زنجیروں میں اُسکی طرف کھینچا جائے گا۔ **ف** جن بندوں کے نفوس کے اندر کرم اور عقل صحیح ہے وہ حق تعالیٰ کی نعمتوں اور احسانات نوع بنوع سے مغرور نہیں ہوتے اور غفلت و بطالت و حُب دنیا میں مشغول نہیں ہوتے بلکہ یہ نعمتیں ان کو منعم کی محبت بڑھا کر طاعت اور بندگی میں مشغول کر دیتی ہیں اور جو بندے ان احسانات اور نعمتوں سے اُسکی طرف متوجہ نہیں ہوتے بلکہ ان نعمتوں ہی کو اپنا مقصود بنا لیتے ہیں وہ آزمایش اور مصائب اور قسم قسم کی تکلیفوں میں مبتلا کئے جاتے ہیں اور یہ مصائب ان کے لئے بمنزلہ زنجیروں اور بیڑیوں کے ہوکر ان کو مولیٰ حقیقی کی طرف کھینچتی ہیں۔ بہرحال ان کو اللہ تعالیٰ اپنا بنا لیتے ہیں ان کے لئے یہ مصائب ہی نعمت بن جاتے ہیں۔

جو نعمتوں کا شکر بجا نہ لایا وہ اُن کے زوال کے درپے ہوا اور جو شکر بجا لایا اُسنے اُن کو گویا مضبوط شکیل میں باندھا **ف** جو شخص اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر نہیں ادا کرتا اور شکر یہ ہے کہ نافرمانی کو چھوڑ دے اور طاعت اختیار کرے اور تمام نعمتوں کا دینے والا ذات واحد کو جانے تو گویا وہ ان نعمتوں کے زوال کے درپے ہے اسلئے کہ ناشکری سے نعمت جاتی رہتی ہے اور جس نے نعمتوں کا شکر کیا اور اپنے منعم حقیقی کو پہچانا اُس کی نعمتیں باقی رہیں گی اور اُسنے گویا اُن نعمتوں کو بہت مضبوط بیڑی سے باندھ دیا کہ اب وہ کہیں نہ جائیں گی بلکہ اور بڑھیں گی چنانچہ ارشاد ہے لئن شکرتم لازیدنکم ولئن کفرتم ان عذابی لشدید یعنی ہم قسم کھا کر کہتے ہیں کہ اگر تم شکر کروگے تو میں تم کو ضرور زیادہ دوں گا اور قسمیہ کہتے ہیں کہ اگر ناشکری کروگے تو یاد رکھو کہ میرا عذاب البتہ بہت سخت ہے۔

گاہے تجھ پر تاریکیاں اسلئے بھیجیں کہ تجھکو اپنے انوار و تجلیات کے احسانات کی قدر معلوم کرائے **ف** بندہ کی اس دنیا میں یکساں حالت نہیں رہتی ہے کبھی طاعت کا نور اور تجلی اسپر وارد ہے

اور باطن کی بسر ہے۔

مراسلہ جو اپنے بعضے دینی بھائیوں کو مراتب شکر کے بیان میں لکھا

اگرچہ دل کی آنکھ دیکھتی ہے کہ اللہ تعالیٰ شانہٗ اپنے انعام اور احسان میں یکتا ہے لیکن شریعت مخلوق کے شکر کے ضروری ہونیکا بھی حکم فرماتی ہے۔ **ف** دل کی آنکھ جس سے حقائق امور کا ادراک ہوتا ہے وہ صاف دیکھ رہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نعمت دینے اور احسان فرمانے کی صفت میں واحد و یکتا ہے کوئی اسکا شریک نہیں یعنی نعمت دینے والا سوائے اُسکے کوئی نہیں ہے پس منعم اور محسن اُسکے سوا کوئی نہیں ہے لیکن شریعت جسکا مدار اس عالم کے اسباب و مسببات پر ہے وہ مخلوق کے شکر کے ضروری ہونیکا بھی حکم فرماتی ہے کہ جو نعمت رسانی کے وسائط ظاہرہ ہوں ان کا بھی شکر کیا جائے اگرچہ دینے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے چنانچہ حدیث شریف میں ہے من لم یشکر الناس لم یشکر اللہ جس نے آدمیوں کا شکر نہ کیا اسنے خدا کا بھی شکر نہ کیا۔

اور اس بارہ میں لوگ تین قسم کے ہیں ایک تو اللہ تعالیٰ سے غافل اپنی غفلت میں ڈوبا ہوا اُسکی ظاہری ادراک کا دائرہ قوی اور اُسکی نظر بصیرت جو اللہ تعالیٰ کی پاک دامنی کے فہم کا سرچشمہ ہے اندھی ہے اُس نے احسان کو مخلوق سے دیکھا اور پروردگار عالم سے اسکا مشاہدہ نہ کیا اگر اُس نے اپنے اہل اعتقاد سے ایسا سمجھا اُسکا شرک تو ظاہر اور جلی ہے اور اگر مخلوق کو صرف سبب خیال کیا اور سبب ہونیکی وجہ سے عطا کی مخلوقات کی طرف نسبت کی اُسکا شرک خفی ہے۔ **ف** بندوں کو جو نعمتیں حق تعالیٰ کی طرف سے ملتی ہیں تو اس بارہ میں تین قسم کے بندے ہیں ایک وہ بندہ ہے جو اللہ تعالیٰ سے غافل ہے اور اپنی غفلت میں غرق ہے کہ کسی طرح اسکو تنبہ نہیں ہے اور اُسکا ادراک صرف مخلوقات ظاہرہ کے اندر محدود ہے مخلوقات سے باہر ایک قدم بھی باہر نہیں اور اُسکی نظر بصیرت یعنی دل کی سمجھ کہ جس سے اللہ تعالیٰ کی پاکی سمجھی جاتی ہے اور حق تعالیٰ کی صفات کا علم اُس سے ہوتا ہے وہ بالکل اندھی ہے مر اُسکی حالت تو یہ ہے کہ وہ نعمت اور احسان کو مخلوق کی طرف سے جانتا ہے اور پروردگار عالم سے اسکو

عابد وشاکر و خاشع و ذاکر کے القاب سے معزز کرتے ہیں ورنہ تیری کیا اصل ہے کہ تو ایک ذرہ بھی ہلا سکے یہ تو حق تعالیٰ کا تجھ پر احسان ہے اور تیری قدر افزائی ہے پس شکر کو نہ چھوڑنا چاہیئے ۔

جب تجھکو طاعت اور طاعت کے ساتھ ماسوا سے استغناء عطا فرمائی تو تجھکو اپنی نعمتیں ظاہری اور باطنی پوری دیدیں ۔ ف اللہ تعالیٰ جب بندہ کو اپنی طاعت میں مشغول فرمائیں اور منہیات سے اسکو الگ رکھیں اور اس طاعت کے ساتھ یہ بات بھی نصیب فرمادیں کہ اپنے ماسوا سے استغنا ہو تو اس بندہ پر تمام نعمتیں ظاہری اور باطنی پوری پوری فائض فرمادیں اب کوئی نعمت ایسی نہیں جسکی یہ حرص کرے ظاہری نعمت تو یہی کہ اسکے جوارح کو اپنے کام میں لگا رکھا ہے اور باطنی نعمت یہ ہے کہ اسکے قلب کو اپنے غیر کی غلامی سے رہا کرکے اپنے میں مشغول کرلیا اب اس بندہ کو ان نعمتوں کا شکر ادا کرنا چاہیئے ۔

تجھکو بقدر کفایت دنیا اور جو تجھکو سرکش بناوے اس سے روکدینا اس کی تجھپر پوری نعمت ہے ۔ ف رزق کی زیادتی اکثر اوقات بندہ کو سرکشی اور غفلت کے اندر ڈالدیتی ہے اور بندہ نعمتوں میں مست ہوکر اپنے مولیٰ کو بھول جاتا ہے اسیطرح ضروریات سے کم ملنا بھی اسکے دل کو مشوش اور پریشان کرکے راہ مولے سے علیحدہ کرتا ہے اور اسکی مشغولی میں خلل انداز ہے اور بقدر کفایت ملنا کہ نہ اتنا کم ہے کہ ضروری حاجت بند ہو اور نہ اسقدر زیادہ جو سرکش بنادے یہ حق تعالیٰ کی پوری نعمت ہے پس اب اس بندہ کو لازم ہے کہ بفراغ قلب اپنے مولیٰ کی یاد میں لگے ۔

جب تجھکو ظاہر میں اپنے حکم کا فرمان بردار بنایا اور باطن میں اپنے قہر کا منقاد ٹھہرایا تو تجھپر بہت بڑا احسان کیا ۔ ف بندہ کو اللہ تعالیٰ نے اگر وہ نعمتیں عطا فرمائی ہوں تو اس سے بڑھکر کوئی نعمت نہیں اول تو یہ کہ ظاہری اسکا اپنے مولیٰ کا فرمان بردار ہو یعنی ظاہر بدن سے طاعات و عبادات میں مشغول رہتا ہو اور باطن کی حالت اسکی یہ ہو کہ قضا و قدر سے جو احکام اسپر وارد ہوں خواہ طبعاً گوارا ہوں یا ناگوار ان سب پر وہ راضی اور سر جھکانے والا ہو ان دو نعمتوں میں تمام دین و دنیا کی خوبیاں جمع ہوگئیں اسکے بعد کسی کی ضرورت نہیں اسلئے کہ بندہ کا کمال عبودیت سے ہے اور اس بندہ کو عبودیت ظاہر

یعنی رویت حق کے ساتھ مشاہدہ خلق) اسکا مغلوب ہی اور فنا یعنی وجود حق کے سامنے اپنے
اور سب کے وجود کا ہلاک اسپر غالب ہی اور بقا یعنی بعد فنا کے جو التفات خلق کی طرف عطا ہوتا ہی وہ اسکو
نصیب نہیں ہی اور غیبت اسکی حضور پر غالب ہی یعنی مخلوق نظروں میں نہیں رہی تو یہ بندہ شکر علی
النعمت میں کامل ہی اور یہ سوائے مولی تعالی شانہ کے کسیکا شکر ادا نہ کریگا اور خلق کا شکر جو واجب
ہے اسکو ادا کرنے سے یہ معذور ہوگا اس سے ادا ہی نہ ہو سکے گا اسلئے کہ اسکی نظر وسائط واسباب سے
بالکل اٹھ گئی۔ اسکی نظر میں سوائے مولی کے کوئی رہا ہی نہیں پھر شکر کس کا ادا کرے۔

اور تیسرا اس سے بھی زیادہ کامل بندہ جو توحید کی شراب پیکر بھی ہوشیاری میں ٹہرا اور اغیار
کی رویت سے غائب ہوکر بھی خلق کے احوال کا اسکو حضور زیادہ ہوا نہ اسکو رویت حق رویت خلق
سے روکتی ہے اور نہ رویت خلق رویت حق سے پردہ کرتی ہے نہ اسکی فنا بقا سے مانع ہے اور نہ
بقا فنا سے حاجب ہی ہر ایک حصہ والے کو اسکا حصہ اور ہر ذی حق کو اسکا حق پورا دیتا ہے **ف**
تیسرا بندہ وہ ہے جو دوسرے سے زیادہ کامل ہی کہ اسنے توحید کی شراب پی اور فنا اور ماسوا سے
فانی ہوکر مقام بقا میں پہونچگیا اور باوجود بیہوشی کے ہوشیاری میں ٹہرا ہوا ہے اور غیر اللہ کے
دیکھنے سے غائب ہوکر بھی خلق کے احوال کو دیکھتا ہے مخلوق اسکے لئے جمال حق کے دیکھنے کا
آئینہ بن گئی ہے رویت حق اسکو رویت خلق سے نہیں روکتی ہے اور نہ رویت خلق رویت حق کے
لئے سد راہ ہے اور نہ فنا اسکی بقا سے مانع ہے اور نہ بقا فنا سے حاجب ہے با ہمہ اور بے ہمہ اسکی
شان ہے عین مجلس اور محفل میں خلوت گزیں ہے اور عین خلوت میں محفل آرا ہے ہر ایک حصہ والے
کو اسکا حصہ اور ہر ذی حق کو اسکا حق پورا دیتا ہے یعنی خلق کا جیسا شکر واجب ہی وہ بھی ادا کرتا ہی
اور حق کا جیسا شکر واجب ہی اس سے بھی غافل نہیں ہے اسکا حال نہ تو اس غافل کا سا ہی کہ
خلق میں مبتلا ہوکر خالق سے بیخبر وغافل ہوگیا اور نہ اس فانی کا سا ہے کہ مشاہدہ حق میں لگ کر
خلق سے بالکل لاعلم ہوگیا ایسا شخص شکر کا کامل درجہ اور ہر پہلو ادا کرنے والا ہے کسی جہت سے
افراط و تفریط میں واقع ہونے والا نہیں ہے پس یہ دو شخص ہوئے ایک تو وہ جو مشاہدہ حق میں

نہیں دیکھتا مثلاً زید اُسکو تنخواہ دیتا ہے تو وہ زید ہی کو معطی جانتا ہے تو اگر اعتقاد بھی اُسکا یہی ہے کہ واقع میں دینے والا زید ہے تو یہ شخص تو ایمان سے نکلکر کفر میں داخل ہوگیا اور اُسکا شرک بالکل ظاہر اور کھلا ہوا ہے کہ اعطاء کی صفت میں مخلوق کو شریک ٹھہرایا اور اگر مخلوق کو محض سبب اور واسطہ جانتا ہے اور اصل دینے والا خدا تعالیٰ کو سمجھتا ہے اور اس سبب و واسطہ ہونیکی وجہ سے عطاء کو مخلوق کی طرف نسبت کرتا ہے مخلوق کو معطی حقیقی نہیں جانتا تو یہ شخص مومن ہے مگر شرک خفی میں مبتلا ہے اسلئے کہ مخلوق کو ایک درجہ میں عطا کے اندر دخیل سمجھ رہا ہے۔

اور دوسرا صاحب حقیقت ہے جو بادشاہ عالم حق جل وعلا کا مشاہدہ کر کے مخلوق سے بیخبر ہوا اور مسبب الاسباب کا مشاہدہ کر کے اسباب سے لاعلم ہوا یہ بندہ فی الحقیقت بارگاہ حق سبحانہ کی طرف منہ کئے ہوئے ہے اُس بارگاہ متعالی کی روشنی اُسپر غالب ہے حق سبحانہ کے رستہ کا چلنے والا ہے اُسکے انتہا پر پہونچ گیا ہے مگر یہ کہ یہ انوار و تجلیات کے دریا میں غرق ہے اسکی نظر بصیرت آثار کے دیکھنے سے اندہی ہے اسکی بیہوشی اسکی ہوشیاری اور مقام جمع یعنی رویت صرف حق سبحانہ مقام فرق (یعنی رویت حق کے ساتھ رویت خلق) پر اور اسکی فنا اسکی بقا پر اور اسکی غیبت اُسکے حضور پر غالب ہے ف دوسرا بندہ وہ ہے کہ اس عالم ظاہری سے اسکی نظر بصیرت علیحدہ ہو کر اسکی نظر حقیقت بین ہوگئی ہے اور بادشاہ عالم حق جل وعلا شانہ کا مشاہدہ کر کے مخلوق سے بیخبر ہوگیا مخلوق کی طرف بالکل التفات نہیں رہا اور دوئی کی بو سے نکلکر وحدت کے میدان میں پہونچ گیا مسبب الاسباب کے مشاہدہ سے اسباب سے لاعلم ہوگیا اسباب اسکی نظروں سے نکل گئے اس بندہ کا رخ بارگاہ حق کی طرف ہے اور حقیقت کی روشنی کا اسپر غلبہ ہے حق سبحانہ کے رستہ میں چلکر اس کی انتہا کو پہونچ گیا ہے تو یہ بندہ واہل غفلت کے اعتبار سے کامل ہے لیکن اکمل و افضل مرتبہ پر نہیں پہونچا اور صحو ہوشیاری کے مقام میں نہیں آیا ہے لہ انوار و تجلیات کے دریا میں غرق ہے اسلئے مخلوقات و مصنوعات کے دیکھنے سے اسکی نظر بصیرت اندہی ہے وحدت کے سوا کوئی شے اسکے سامنے نہیں ہے اسکی بیہوشی اسکی ہوشیاری پر غالب ہے اور مقام جمع یعنی مشاہدہ حق کا اسپر غلبہ ہے اور مقام فرق

یہ سنکر حضرت عائشہ خود کھڑی نہ ہوئیں اور بعد حمد الٰہی کے فرمایا کہ میرا اور تمھارا حال یوسف علیہ السلام
کے باپ کا سا ہے کہ بھائیوں نے جب آکر کہا کہ یوسف کو بھیڑیا کھا گیا اور کرتہ خون آلودہ سامنے
ڈالدیا تو یعقوب علیہ السلام نے فرمایا فصبر جمیل واللہ المستعان علی ما تصفون یہ کہکر بیٹھی ہی
تھیں کہ وحی کے آثار شروع ہوگئے جب حضور کو اس حالت سے افاقہ ہوا تو آپ کا چہرۂ مبارک
خوشی سے چمکنے لگا اور فرمایا کہ اے عائشہ خوش ہو اللہ تعالے نے تمھاری براءت فرمائی اور سورۂ
نور کی آیتیں ان الذین جاؤ بالافک عصبۃ منکم الخ جو اسیوقت نازل ہوئی تھیں جنمیں بہتان
لگانے والوں کو سخت وعید ہے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی پاکدامنی اللہ تعالےٰ نے بیان
فرمائی ہے حضور نے پڑھکر سنائیں اُسوقت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اے عائشہ
اٹھو اور حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا شکریہ ادا کرو کہ حضور کی بدولت تمہارا دامن مخلوق کے نزدیک
اس دھبہ سے پاک ہوا تو حضرت صدیقہ رضہ نے جواب دیا کہ خدا کی قسم میں سوائے اللہ تعالےٰ کے
کسی کا شکر ادا نہ کرونگی میں صرف اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرونگی پس اس قصہ سے مقام فنا اور
مقام بقا دونوں کا پتہ چلتا ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عائشہ رضی اللہ عنہا کو مقام اکمل یعنی
مقام بقا کی طرف رہنمائی کی اور مقام بقا میں آثار اور مخلوقات کی طرف جمال حق کے آئینہ ہونیکے
اعتبار سے التفات ہوتا ہے اور حق اور خلق دونوں کا حق اس مقام میں بندہ ادا کرتا ہے تو مقصود
یہ تھا کہ حق تعالیٰ کا شکر تو حقیقۃً واجب ہی کہ اصل نعمت تو اسی کی طرف سے تم کو ملی باقی چونکہ ذات
کے واسطہ سے ملی یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کا شکر بھی ادا کرو اسلئے کہ خلق کا شکر بھی واجب
ہے چنانچہ اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے کہ میرا اور اپنے والدین کا شکر ادا کرو اور رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جس نے لوگوں کی شکرگزاری نہ کی وہ اللہ تعالےٰ کا شکر بھی بجا نہ لایا اور حضرت
عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اُسوقت اپنی موجودہ حالت میں آثار اور مخلوق کے دیکھنے سے غائب
تھیں مخلوق ان کی نظروں میں نہ تھی اسلئے اُسوقت اُنہوں نے سوائے واحد قہار لاشریک لہ
کے کسی دوسرے کا شاہدہ نہ کیا اور بے تکلف فرمایا کہ سوائے اُسکے کسیکا شکر ادا نہ کروں گی

غرق ہے اور خلق سے بے خبر ہے یہ تو چونکہ حقیقت کا اسپر غلبہ ہے اسلیئے خلق کے شکر سے بے خبر ہوگا اور دوسرا کامل جو مشاہدۂ حق کے ساتھ ملتفت الی الخلق بھی ہے فنا کے ساتھ بقا میں بھی کامل ہے یہ حق اور خلق دونوں کا علیٰ حسب المراتب شکر کرے گا چنانچہ اگلے ارشاد میں دونوں کو ایک مثال سے واضح فرماتے ہیں اور وہ مثال بطور دلیل کے بھی ہے۔

چنانچہ جب عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بہتان سے پاکدامنی حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان پر نازل ہوئی تو ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اُن کو فرمایا کہ اے عائشہ اٹھو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا شکریہ ادا کرو عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ کی قسم میں کسی دوسرے کا شکریہ ادا نہ کرونگی میں صرف اپنے اللہ تعالےٰ کا شکر بجا لاؤنگی (ابو بکر رضی اللہ عنہ نے تو ان کو مقام اکمل مقام بقا کے (جو آثار اور مخلوقات کے ثابت ہونے کو مقتضی ہے) رہنمائی کی تھی (دیکھو) حق سبحانہ تعالیٰ فرماتا ہے میرا اور اپنے والدین کا شکر ادا کرو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں جس نے لوگوں کی شکر گزاری نہ کی وہ اللہ تعالےٰ کا بھی شکر بجا نہ لایا اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا اُسوقت اپنی موجودہ حالت میں محو اور آثار سے غائب تھیں اسلیئے اُنھوں نے سوائے واحد قہار کے کسی دوسرے کا مشاہدہ نہ کیا۔ **ف** حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا پر منافقین نے تہمت لگائی تھی جس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کئی روز تک غمگین رہے اور حق الامر کے جویاں رہے اول اول تو اسکی خبر حضرت صدیقہ رضؓ کو ہوئی نہیں جب خبر ہوئی تو بیحد رنج و غم طاری ہوا اور اسی غم میں بہت نحیف ہوگئیں اور پہلے سے کچھ بیمار بھی تھیں اور اسپر بھی حضور کی ویسی عنایت جو پہلے سے تھی اپنے اوپر نہ دیکھنے سے ہر وقت غم میں گھلتی تھیں اور حضور واقعہ کی تحقیق ہر ایک سے فرماتے تھے اسی غم میں حضرت صدیقہ رضؓ حضور سے اجازت لیکر اپنے والدین کے گھر تشریف لیگئیں ایک دن حضور بھی وہاں تشریف لیگئے اور حضرت عائشہ رضؓ سے فرمایا کہ اے عائشہ اگر تم سے گناہ ہوگیا ہے تو توبہ کرو اور اور بھی کلمات فرمائے حضرت عائشہ رضؓ نے اپنے ماں اور باپ سے کہا کہ میری طرف سے حضور کو جواب دو انھوں نے کہا کہ ہم حضور کے سامنے کیا بول سکتے ہیں۔

فضل اور اسی کی رحمت کے ساتھ چاہیئے کہ خوش ہوں اور یہ اللہ تعالیٰ کا فضل دنیا کی اُن چیزوں سے بہتر ہے جنکو یہ لوگ فراہم اور جمع کرتے ہیں پس یہ لوگ اپنے مولیٰ سے غافل نہیں ہیں اگرچہ حال ان کا ابھی اکمل و افضل حالت کے اعتبار سے ناقص ہے اسلئے کہ ان کے نفس کو التفات نعمت کے طرف ہے تمام تر توجہ منعم کی طرف نہیں ہے۔

تیسرے وہ لوگ ہیں جو نہ احسانات کے ظاہری تمتع اور نہ باطنی منت کے مشاہدہ میں مشغول ہوکر اپنے محسن سے غافل ہوئے بلکہ جمال محبوب کے دیدار نے جمیع ماسوا سے اُن کو محو کردیا اور ان کے دل کے مختلف ارادے اُس محسن حقیقی پر مجتمع ہوگئے وہ بجز اُسکے کسی دوسری چیز کا مشاہدہ نہیں کرتے ان پر اللہ تعالےٰ کا یہ ارشاد ہے قُلِ اللّٰہُ ثُمَّ ذَرْهُمْ فِي خَوْضِهِمْ يَلْعَبُونَ کہہ اللہ تعالیٰ پھر اُن کو ان کے باطل میں کھیلتا چھوڑ صادق ہے اللہ تعالےٰ نے حضرت داؤد علیٰ نبینا وعلیہ السلام پر وحی بھیجی اے داؤد میرے سچے بندوں سے کہہ دے کہ میرے ہی ساتھ خوش ہوں اور میرے ذکر کے ساتھ ہی دل ٹھنڈا کریں۔ اللہ تعالےٰ ہماری اور تمھاری فرحت اپنی اور اپنے انعام کی رضامندی کے ساتھ فرمائے اور ہم کو اپنے سمجھنے والوں میں سے بنائے اور غافلوں میں سے نہ کرے اور اپنے کرم و احسان سے ہم کو اہل تقوٰی کے رستہ پر چلاوے **ف** تیسرے وہ لوگ ہیں جو احسانات و نعمتوں کے ظاہری نفع اور مزہ میں لگ کر غافل نہیں ہوئے اور نہ باطنی منت میں لگے کہ ان نعمتوں کو اللہ تعالیٰ کی عنایتوں کی علامات سمجھیں اسلئے کہ اسمیں بھی غیر اللہ کی طرف التفات ہے بلکہ وہ تو محبوب حقیقی کے جمال کے دیدار میں ایسے مشغول ہوئے کہ سوائے مولیٰ حقیقی کے نعمت اور غیر نعمت سب ان کے قلب سے نکل گئی نہ تو وہ پہلے گروہ کی طرح صرف نعمت ہی کی طرف ملتفت ہیں کہ یہ تو وہ لوگ ہیں جو اپنے نفس کے مزہ میں لگ کر اپنے مولیٰ سے غافل ہوگئے اور نہ دوسرے گروہ کی طرح نعمت کی طرف اس حیثیت سے مشغول و مائل ہیں کہ وہ نعمت اللہ تعالےٰ کا فضل و احسان ہے کہ اس صورت میں یہ حضرات نعمت کی طرف متوجہ ہیں بلکہ وہ تو اپنے مولےٰ کے جمال میں محو ہیں اور ان کے دل کے مختلف ارادے اور خواہشیں محسن حقیقی کی ذات میں مجتمع ہوگئیں ہیں ان کی توجہ نعمت کی طرف کسی حیثیت سے نہیں ہے وہ بجز اُسکی ذات کے کسی دوسری چیز کا مشاہدہ نہیں کرتے ان

اور یہ حالت حضرت صدیقہ رضی کی اُسوقت تھی ورنہ اور اوقات میں وہ مقام اکمل کے مرتبہ علیاسے مشرف تھیں اور فنا و بقا دونوں سے حصۂ کاملہ رکھتی تھیں۔

مراسلہ مراتب شکر کے بیان میں

انعام اور احسان آلہی کے وارد ہونے میں لوگ تین قسم کے ہیں پہلے تو وہ لوگ ہیں جو احسانات کے ساتھہ خوش ہوتے ہیں اور اتراتے ہیں لیکن نہ ان کے دینے بھیجنے والے اور پیدا کرنے کی حیثیت سے بلکہ صرف اپنا نفع حاصل ہونے کے لحاظ سے یہ لوگ تو غافل ہیں ان پر اللہ تعالے کا ارشاد آخر جب ہماری دی ہوئی چیز پر اترائے تو ہمنے دفعتًا ان کو پکڑا پورا صادق ہے۔ **ف** بندوں پر جو اللہ تعالے کی نعمتیں اور احسانات ہیں اس بارہ میں لوگوں کی تین قسمیں ہیں ایک تو وہ لوگ ہیں جو نعمتوں میں مست ہیں اور ان پر اتراتے ہیں لیکن انکا یہ خوش ہونا اس حیثیت سے نہیں کہ جس ذات پاک نے یہ نعمتیں ہم کو بھیجی ہیں یہ اُسکا احسان ہوا اور اُسکی عنایات ہیں ان کا خوش ہونا اس لحاظ سے ہے کہ مزے اڑاتے ہیں اور نفع حاصل کرتے ہیں اپنے مزہ میں آکر مولی اور منعم حقیقی سے بالکل غافل ہیں اسپر تو اللہ تعالے کا یہ ارشاد حتیٰ اذا فرحوا بما اوتوا اخذناهم بغتةً یعنی جب ہماری دی ہوئی چیز پر اترائے تو ہم نے ان کو دفعتًا پکڑ لیا پورے طور سے صادق ہے۔ دوسرے وہ لوگ ہیں جنکا احسانات سے خوش ہونا ان کے بھیجنے والے کی منت اور اُن کے پہونچانے والے کے مشاہدہ کے لحاظ سے ہوا نپر اللہ تعالے کا یہ ارشاد تو کہہ اللہ تعالے کے فضل اور اُسکی رحمت سے سواہی پہ وہ خوش ہوں یہ اس سے بہتر ہے جو فراہم کرتے ہیں۔ راست آتا ہے **ف** دوسری قسمت کے بارہ میں وہ لوگ ہیں جو نفس نعمت سے نہیں خوش ہوتے ہیں۔ بلکہ اس لحاظ سے خوش ہوتے ہیں کہ جس ذات پاک نے یہ نعمتیں بھیجی ہیں یہ اُسکا احسان ہے اور اُسکا ہمپر فضل ہے اور اسی کا شکر ادا کرتے ہیں اُنپر اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد صادق ہے قل بفضل اللہ و برحمته فبذلك فليفرحوا هو خير مما يجمعون یعنی اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ فرما دیجئے کہ اللہ کے

الٰہی تیری تدبیر کے اختلاف اور تیری تقدیر کے سرعت نزول نے تیرے عارفین بندوں کو تیری
عطا پر مطمئن ہونے سے اور مصیبت میں تجھ سے نا اُمیدی سے روک دیا **ف** تدبیر کا اختلاف اُسکا
نوع بنوع کے ساتھ بدلنا ہے کہ بندہ کبھی فقیر ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اُسکے لئے غنی مقدر فرماتے
ہیں اور کبھی امیر ہوتا ہے تو اُسکے لئے فقیری مقدر کی جاتی ہے کبھی مریض ہوتا ہے تو صحت اُسکے
لئے مقدر ہوتی ہے کبھی تندرست ہوتا ہے تو مرض اُسکو آتا ہے اور تقدیری امور کا تیزی کے
ساتھ اترنا بھی یہی ہے کہ کبھی بندہ کا حال کچھ ہے کبھی کچھ ہے ان دونوں باتوں نے تیرے
عارفین بندوں کو تیری عطا پر مطمئن ہونے سے روک دیا چنانچہ جب ان حضرات کو دنیوی عطائیں
مال اولاد وغیرہ عطا ہوتی ہیں یا دینی عطائیں جیسے علوم اور معارف اور اسرار و مکاشفات وغیرہ
تو ان عطاؤں کی طرف ان کو التفات نہیں ہوتا اور نہ ان میں سے کسی عطا پر مطمئن ہوتے ہیں
اسلئے کہ خوب سمجھ گئے ہیں کہ یہ چیزیں آنے جانے والی ہیں انپر کیا دل ڈالا جائے اور نیز مصائب
میں تجھ سے نا اُمیدی کو بھی روک دیا کہ جب مصائب ان حضرات پر واقع ہوتے ہیں تو رحمت سے
مایوس نہیں ہوتے اسلئے کہ خوب جانتے ہیں کہ یہ مصیبت رہنے والی شے نہیں زائل ہو جاویگی

الٰہی مجھ سے وہ ہے جو میرے بدی اور کمینگی کے لائق ہے اور تجھ سے وہ ہے جو تیرے کرم
کو سزاوار ہے **ف** اے اللہ مجھ سے وہ ہی افعال صادر ہوتے ہیں جو میری کمینگی کے لائق ہیں۔
یعنے معاصی و غفلات اسلئے کہ انسان کی شان یہ ہے کہ رب کے حقوق اس سے ادا نہ ہوسکیں اور تیری
طرف سے وہ معاملات میرے ساتھ ہیں جو تیرے کرم کے سزاوار ہیں اور وہ عفو و مغفرت و درگذر
و ستاری ہے۔

الٰہی تو نے میری ناتوانی کے وجود سے پہلے اپنے آپ کو میرے ساتھ لطف و مہربانی سے
متصف فرمایا تو کیا اب میری ناتوانی کے وجود کے بعد مجھکو لطف و مہربانی سے محروم فرمائیگا **ف**
اے اللہ میری ناتوانی و ضعف کا اُسوقت وجود بھی نہ ہوا تھا کہ تیری ذات لطف و مہربانی کے
ساتھ موصوف تھی اسلئے کہ رحیم اور رؤف تیرے نام پاک ازلی ہیں تو کیا یہ احتمال ہوسکتا ہے

حضرت کے بارہ میں حق تعالیٰ کا یہ قول صادق ہے قل اللہ ثم ذرھم فی خوضھم یلعبون یعنی اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم تو کہہ میرا محبوب اللہ ہے پھر اُن کو اُن کے باطل میں کھیلتا چھوڑ۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علی نبینا وعلیہ السلام پر وحی بھیجی اے داؤد میرے سچے بندوں سے کہدے کہ میرے ہی ساتھ خوش ہوں اور میرے ذکر کے ساتھ ہی دل ٹھنڈا کریں دنیا اور دنیا کی لذتوں سے نہ خوش ہوں اور نہ اُس سے دل ٹھنڈا کریں اللہ تعالیٰ ہماری اور تمھاری خدمت اپنی اور اپنے انعام کی رضامندی کے ساتھ فرمائے اور ہم کو ان لوگوں سے بنائے جو آپکی ذات وصفات کو سمجھنے والے ہیں اور اہل غفلت سے نہ کرے اور اپنے کرم واحسان سے ہم کو اہل تقویٰ کے رستہ پر چلادے۔ آمین۔

مناجات حالِ اپنے پروردگار جل ذکرہ کے ساتھ مؤلف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مناجات کے بیان میں

الٰہی جب میں اپنے غنا کی حالت میں بھی محتاج ہوں تو اپنے فقر کی حالت میں کیونکر فقیر ومحتاج نہ ہونگا۔ **ف** اے اللہ میری صفت اصلی فقیری اور احتیاج ہے فقر اور احتیاج میرا ذاتی امر ہے جو کسی حالت میں مجھ سے علیحدہ نہیں ہوسکتا اور غنا میرا عارضی امر ہے پس جب غنی کی حالت میں بھی میں حاجتمند ہوں تو فقر کی حالت میں تو کیسے فقیر ومحتاج نہ ہونگا پس میں ہر حال میں تیرے در کا گدا اور محتاج ہوں۔

الٰہی جب میں اپنے علم کی حالت میں بھی جاہل ہوں تو اپنے جہل کی حالت میں کیسے سخت جاہل ونادان نہ ہونگا۔ **ف** آدمی کے اندر اصلی امر کے کمال کا نہ ہونا ہی کمال عارضی امر ہے پس جہل انسان انسان کی صفت اصلی ہے اور علم عارض ہے اور جو عارضی امر ہے وہ زائل ہونے والا ہے اسی بناء پر فرماتے ہیں کہ اے اللہ میں اپنے علم کی حالت میں بھی جاہل ہوں اسلئے کہ میرا علم کوئی شئے نہیں ہے جو کچھ ہے آپ کی صفت کا پرتو ہے تو جہل کی حالت میں کیسے سخت جاہل ونادان نہ ہونگا۔

اسکے دربار میں پہونچ بھی سکے اور فقر و مسکنت کے اندر دونوں باتیں مفقود ہیں اسلئے شیخ رہ پہلے کلام سے رجوع
کرکے فرماتے ہیں کہ جس چیز کا آپکی بارگاہ عالی تک پہونچنا محال ہو میں اُسکو کیسے وسیلہ بناؤں پس میرا فقر بھی
اس قابل نہ ٹھہرا کہ اُسکو تیری بارگاہ میں وسیلہ بناؤں اور نیز فقر کے ساتھہ وسیلہ بنانا اسبات کو مقتضی ہی کہ
اس فقر پر اس بندہ کو اعتماد ہو اور فقر اس بندہ کی صفت ہی تو اپنی ایک صفت پر اعتماد ہوا پس کامل فقر
یہ ہے کہ فقر ہو اور اُسکی طرف التفات نہ ہو۔

جب میرا حال تجھ پر مخفی نہیں تو میں تجھ سے اُسکا کیونکر شکوہ کروں بلکہ جب میرا کلام تیرے حکم سے تیری
بارگاہ عالی تک نکلا ہی تو پھر اسکو اپنا کلام ہونا کیونکر ظاہر کروں بلکہ جب میری امیدوں کی جماعت تیری
بارگاہ عالی میں چلکر پہونچی ہیں تو وہ کیونکر ناکامیاب ہو سکتی ہیں بلکہ جب میرے احوال کا مبدأ اور مرجع
تو ہی ہی تو وہ کیونکر عمدہ اور پسندیدہ نہ ہونگے **ف** ای اللہ جب میرا حال تجھ پر روشن ہی تو میں اُسکا شکوہ تجھ سے کیونکر
کروں اسلئے کہ شکوہ تو اُس سے کیا جاوے جسکو حال معلوم نہ ہو بلکہ جب میرا کلام میری زبان سے تیری بارگاہ
عالی میں تیرے ہی حکم سے نکلا ہی اور تو نے ہی میری زبان کو اُسکے ساتھہ بولتا کیا ہی تو میں اپنا کلام ہونا اُسکو
کیونکر ظاہر کروں اور کیسے کہوں کہ یہ میرا کلام ہی آگے اور ترقی کرکے کہتے ہیں کہ بلکہ جب میری اُمیدوں کی
جماعت تیری بارگاہ عالی میں پہونچی ہیں تو وہ اُمیدیں کیسے ناکامیاب ہو سکتی ہیں مجھکو بولنے کی ضرورت
ہی نہیں اسمیں اُمیدوں کو اپنی طرف نسبت کیا ہی اسلئے اس سے بھی ترقی کرکے فرماتے ہیں بلکہ جب میرے
تمام احوال کا مبدأ و مرجع تو ہی ہی تو وہ احوال کیونکر عمدہ اور پسندیدہ نہ ہونگے پھر میں کیوں نا اُمید ہوں۔

الٰہی باوجود میری بڑی نادانی اور ناعاقبت اندیشی کے تو مجھ پر کسقدر مہربان ہی اور باوجود میرے افعال کے
قبیح کے تو مجھ پر کسقدر رحم والا ہی **ف** ای اللہ باوجود اسکے کہ میں بڑا نادان ہوں اور ناعاقبت اندیش ہوں
کہ جو مصائب مجھپر آتے ہیں وہ مجھکو ناگوار ہوتے ہیں حالانکہ ان میں تیری مہربانیاں ہوتی ہیں پھر باوجود اسکے
تو مجھپر کسقدر مہربان ہی اور باوجود اسکے کہ میرے افعال قبیح ہیں جنکا مقتضی عقوبت ہی لیکن تو کسقدر
رحمت فرماتا ہے۔

الٰہی تو مجھ سے کسقدر نزدیک ہی اور میں تجھ سے کتنا دور ہوں الٰہی تو مجھپر کسقدر مہربان ہی پھر کونسی

کہ جب میری ناتوانی وضعف کا وجود ہوا تو مجھپر لطف ورحم نہ فرمائیگا ہرگز نہیں۔

آلہی اگر مجھ سے نیکیاں ظاہر ہوں تو تیرا فضل اور تیرا مجھ پر احسان اور اگر مجھ سے بُرائیاں ہوں تو تیرا عدل اور تیری مجھ پر حجت ثابت۔ **ف** اے اللہ اگر مجھ سے طاعات اور نیکیاں صادر ہوں تو یہ میری قوت اور میری طاقت سے نہیں بلکہ تیرے فضل سے ہیں اور اسمیں تیرا مجھ پر احسان ہے کہ مجھ سے نیکیاں ظاہر کرائیں میرا کوئی استحقاق تجھ پر نہیں۔ اور اگر مجھ سے برائیاں اور گناہ ہوں تو یہ تیرا عدل ہی ظلم ہرگز نہیں اسلئے کہ مالک کو اختیار کلی ہے کہ اپنی ملک میں جو چاہے کرے اور تیرا ان گناہوں میں تیری حجت مجھ پر قائم ہے کہ تو یہ کہے کہ اے بندے ایسا کیوں کیا اور مجھکو کچھ حجت نہیں ہے کہ میں کہوں کہ تیری تقدیر اور حکم سے میں نے کیا اسلئے کہ یہ عالی جاہل اور سرکش کا ہے اسلئے کہ مالک یہ کہہ سکتا ہے کہ مالک جو کچھ چاہے اپنی ملک میں کرے اُس سے کوئی نہیں پوچھ سکتا کہ تونے یہ کیوں کیا۔

آلہی جب تو میرا کفیل ہی تو مجھکو میرے نفس کو کیونکر سپرد کرتا ہی اور جب تو میرا مددگار رہی تو میں کیونکر ذلیل ہو سکتا ہوں اور جب تو مجھ پر مہربان ہی تو میں کب ناکامیاب ہو سکتا ہوں میں اپنے فقر و مسکنت کو تیری طرف وسیلہ پکڑتا ہوں اور جس چیز کا تیری بارگاہ عالی تک پہونچنا محال ہو میں کیونکر اُسکو وسیلہ بناؤں **ف** ای اللہ جب تو میرا کفیل وکارساز بنگیا تو اب مجھکو میرے نفس کے حوالہ کیسے کرتا ہی یعنی مجھکو میرے نفس کے حوالہ نہ فرما ورنہ میں تباہ ہو جاؤنگا اور ای اللہ جب تو میرا مددگار ہی تو میں کیسے ذلیل ہو سکتا ہوں یعنی ہرگز نہیں ہو سکتا اسلئے کہ ناصر اُسکا نام ہی اور اس اسم کا لامحالہ ظہور ہوگا تو پھر جب تیری نصرۃ ہوگی تو ذلت کہاں اور ای اللہ جب تو مجھپر مہربان ہی تو میں کب ناکامیاب ہو سکتا ہوں اسلئے کہ جسوقت بندہ کو رحمت کی حاجت ہوگی اُسکا ظہور ضرور ہوگا کیونکہ رحمت اُسکی صفت ازلی سرمدی ہی وہ کہیں جانیوالی نہیں پس جب بندہ اُسکا محتاج ہوگا تو وہ ضرور اُسکو ملیگی۔ ای اللہ میں اپنے اعمال واحوال کو تیرے دربار میں وسیلہ نہیں لاتا اسلئے کہ میرے اعمال واحوال سب لاشئ اور ناقص محض ہیں بس اپنے فقر اور مسکنت وافلاس کو تیری طرف وسیلہ لایا ہوں اور چونکہ وسیلہ ایسی شی کو بنایا کرتے ہیں کہ اُس وسیلہ اور جسکی طرف وسیلہ لیگئے ہیں اُسمیں کچھ علاقہ ہو اور وہ وسیلہ

احسان نے میری اُمید بندھائی اور مجھکو مایوس نہ ہونے دیا۔

الٰہی جس کی نیکیاں بھی برائیاں ہیں تو بھلا اُسکی برائیاں کیونکر برائیاں نہ ہونگی اور جسکے علوم وحقائق بھی محض دعوی ہیں تو بھلا اُسکے دعوے کیونکر دعوے نہ ہونگے **ف** اے اللہ جسکی نیکیاں بھی بوجہ ریا و عجب کی آمیزشوں کے برائیاں ہیں تو بھلا اُسکی برائیاں تو کیونکر برائیاں نہ ہونگی اور اے اللہ جسکے حقائق یعنی علوم و معارف دعوے ہیں (مستعمد اپنے علوم و حقائق کو اپنے نزدیک بوجہ تواضع کے دعوے فرماتے ہیں اور جب عظمت حق پیش نظر ہوتی ہے تو اپنے علوم و حقائق بیان کئے ہوئے سب دعوے او پندار نظر آتے ہیں) تو بھلا جو حقیقتا اُسکے دعوے ہیں وہ تو کیونکر دعوی نہ ہونگے

الٰہی تیرے حکم نافذ او مشیت غالب نے کسی صاحب مقال کے لیے مقال اور کسی صاحب حال کیلئے حال اطمینان کے قابل نہ چھوڑا **ف** ای اللہ تیرا حکم ہر شئی میں نافذ اور تیری مشیت ہر شئی پر غالب ہے پس اس حکم نافذ اور مشیت غالبہ نے کسی صاحب گفتگو کے لئے گفتگو پر اطمینان نہیں چھوڑا یعنی جس شخص کو علوم و حقائق و معارف کھلے ہوئے ہوں اور ان کو بیان کرتا ہو تو اس بیان پر اُسکو دھوکہ نہ کھانا چاہئے کہ میں بڑا محقق و عالم ہوں اسلئے کہ حق تعالی کی قہاریت اس درجہ کی ہے اور اسکی مشیت ایسی غالب ہے کہ وہ تمام حقائق کے چھین لینے پر قادر ہے اور ایسا واقع ہو چکا ہے اور کوئی صاحب حال اپنے عمدہ حال پر مغرور نہ ہو کہ بہت سوں کے حالات چھین لئے گئے ہیں۔

الٰہی میں بہت سی طاعتیں بجا لایا اور بہت سی حالتوں کو میں نے پختہ اور راسخ کیا مگر تیرے عدل نے ان پر میرے اعتماد کو ڈھا دیا نہیں بلکہ تیرے فضل نے مجکو ان پر اعتماد کرنے سے پھیر دیا **ف** ای اللہ میں بہت سی طاعتیں ظاہری بجا لایا اور اُن کی شرطیں و آداب پورے پورے ادا کئے اور بہت سی باطنی حالتوں کو ہیچ کدورات سے صاف کیا اور ان کے اندر اخلاص تام پیدا کیا جس سے میں سمجھا کہ میں ایک مضبوط قلعہ میں آ گیا اور ریا و نفاق و عجب سے محفوظ ہو گیا لیکن تیرے عدل پر جو نظر پڑی تو اس نے ان طاعات و حالات پر میرے اعتماد کے قلعہ کو منہدم کر دیا اسلئے کہ عدل کا مقتضی یہ ہے کہ تو جو چاہے کرے اور عمل کرنے والوں کے عمل کی کچھ پروا نہ کرے تو ممکن ہے کہ اس طاعت پر بھی تو مجھکو سزا دے

چیز مجھکو تیرے مشاہدہ سے یا حجاب ہو سکتی ہی **ف** ای اللہ تو مجھ سے کسقدر نزدیک ہی کہ میری جان سے بھی زیادہ مجھ
سے قریب ہے اور میں اپنی صفات انسانیہ کے حجاب کی وجہ سے تجھسے کتنا دور ہوں یعنی بہت دور ہوں ای
اللہ تو مجھ پر کس قدر مہربان ہی کہ کوئی آن تیری مہر سے خالی نہیں پھر کونسی چیز تیرے مشاہدہ سے روکنے
والی ہو سکتی ہی اسلئے کہ رحمت کا سبب ہر وقت مشاہدہ ہی تو پھر کون سی چیز کا حجاب باقی رہا۔

الٰہی بیشک اپنی کیفیات کے اختلاف اور حالات کے تبدل سے معلوم کر لیا ہی کہ مجھ سے تیری غرض
اور ارادہ یہ ہی کہ میں تجھ کو ہر چیز میں پہچانوں یہانتک کہ کسی چیز میں تیری معرفت سے جاہل نہ
ہوں **ف** ای اللہ میرے حالات جو مختلف ہوتے رہتے ہیں کہ کبھی مریض ہوتا ہوں کبھی تندرست
کبھی فقیر ہوتا ہوں کبھی غنی کبھی ذلیل ہوتا ہوں کبھی عزت والا کبھی قبض میں مبتلا ہوں کبھی بسط
میں کبھی کوئی شے پا لیتا ہوں کبھی گم کرتا ہوں ان اختلاف احوال سے مجھے معلوم ہو گیا کہ آپکا
ارادہ یہ ہے کہ میں تجھکو ہر چیز میں پہچانوں اور کسی حال میں اور کسی چیز میں تیری معرفت سے جاہل
نہ رہوں اسلئے کہ اگر ایک حالت میری رہتی جسکو میں پسند کرتا تو میری معرفت ناقص رہتی مثلاً
تندرست اور غنی ہی رہتا مرض اور فقر پیش نہ آتا تو اسکی معرفت حالی نصیب نہ ہوتی کہ وہ مرض
اور مصیبت کو زائل کرنے والا بھی ہی اسی طرح اگر مریض ہی رہتا تو یہ معرفت نہ ہوتی کہ وہ صحت عطا
فرمانے والا بھی ہی علی ہذا اور حالات کو سمجھنا چاہیئے۔

الٰہی جب کبھی میری بدی نے میری زبان بند کی تیرے کرم نے مجھکو گویا کر دیا اور جب کبھی میرے
برے اوصاف نے مجھکو مایوس کیا تیرے احسان نے میری اُمید بندھائی **ف** اے اللہ میرے گناہوں نے
میری طلب کی زبان بند کر دی اسلئے کہ طلب دوستی اور محبت سے ہوتی ہی اور دوستی و محبت مولیٰ سے
طاعت سے ہوتی ہی اور میرے پاس سوائے نا کارگی اور نالائقی کے کوئی طاعت نہیں اس لئے طلب کے
لئے زبان بند ہو گئی لیکن تیرے کرم نے زبان کو بولتا کر دیا ہے اسلئے کہ جب مجھکو یہ معلوم ہوا کہ تیری
ذات کریم ہے تو اس کرم نے جرأت دلائی۔ اے اللہ مجھکو میرے برے اوصاف نے اسبات سے مایوس
کر دیا کہ مجھکو تیرے بستر پر استقامت اور پختگی نصیب ہو لیکن جب کبھی یہ مایوسی پیش آئی تیرے

جو تیرے وجود پر کسی دلیل کی دلالت کی حاجت ہو اور تو کب بعید ہی جو مخلوقات تجھ تک پہونچاویں **ف** جو لوگ حق تعالیٰ کے وجود پر مخلوقات سے استدلال کرتے ہیں اُن سے شیخ رحمۃ اللہ علیہ تعجب فرماکر کہتے ہیں کہ ای اللہ جو چیز اپنے وجود میں تیری محتاج ہی کہ اگر تو موجود نہ کرتا تو وہ شے موجود نہ ہوتی وہ شے تیرے وجود پر کیسے دلیل ہو سکتی ہی اسلئے کہ دلیل ہمیشہ مدلول سے زیادہ ظاہر ہوا کرتی ہی تو کیا تیرے ماسوا کا ظہور اسقدر ہی کہ وہ ظہور تجھے حاصل نہیں یہانتک کہ وہ شے تیری ظاہر کرنیوالی بنی اور تجھپر دلیل بنی ہرگز نہیں تیرے سے زائد ظہور ہر حیثیت سے کسکا ہو سکتا ہی اور تجھپر دلیل قائم کرنیکی ضرورت ہی کیا ہی اسلئے کہ دلیل تو غائب پر ہوتی ہی اور تو غائب ہی کب ہے جو تیرے وجود پر کسی دلیل کے دلالت کرنیکی حاجت ہو اور تو بعید ہی کب ہی کہاں ہی کہ مخلوقات تجھ تک پہونچاویں تو تو ہر شے سے زائد حاضر و ظاہر ہے اور ہر شے سے زیادہ قریب و نزدیک پھر کیسی دلیل اور کہاں کا استدلال۔

الٰہی وہ آنکھ جو تجھکو اپنے اوپر نگہبان اور محافظ نہ دیکھے اندھی ہو اور اُس بندہ کی تجارت جس نے اپنے لئے تیری محبت کا حصہ نہیں لیا ٹوٹے ہی میں رہے **ف** ای اللہ وہ دل کی آنکھ جو تجھکو اپنے اوپر نگہبان و محافظ نہ دیکھے اندھی ہو جائے جس شخص نے خدا تعالیٰ کو اپنے اوپر نگہبان اور محافظ نہیں جانا وہ درحقیقت اندھا ہی حضرت شیخ کی دعا کا مطلب یہ ہی کہ خدا کرے وہ اندھا ہی رہے اور جب بندہ نے اپنی تجارت یعنی اپنے افعال و اعمال میں تیری محبت کا حصہ نہ لیا خدا کرے اسکی تجارت میں نفع نہ ہو ٹوٹے ہی میں رہی۔ اور فی الواقع وہ سخت خسارہ میں ہی۔ مگر اُسکو نظر نہیں آتا۔

الٰہی تو نے آثار کیطرف رجوع کرنیکا حکم فرمایا تو مجھکو اپنے انوار کے لباس اور نظر بصیرت کی رہنمائی کے ساتھ انکی طرف پھیر تاکہ جس طرح تیرے حکم سے میں انکی طرف نظر کرنے سے قلب محفوظ اور انپر اعتماد کرنے سے ان سے بلند ہمت داخل ہوا تھا اسی طرح اُن سے تیری بارگاہ عالی کی جانب پھروں تو ہر چیز پر قادر ہی **ف** ای اللہ آپ تک پہونچنے اور مشاہدہ کے بعد آپنے مجھکو مخلوقات یعنی اہل و عیال و مال کی طرف رجوع کرنے اور انکی طرف ملتفت ہونیکا حکم فرمایا ہی تو ایسا نہ ہو کہ انکی طرف رجوع کرکے میں تجھسے محجوب ہو جاؤں اسلئے مجھکو تو اس طور سے ان کی طرف پھیر کہ تیرے انوار کے لباس میں ہوں یعنی میرے چاروں طرف تیرے انوار ہوں کہ مخلوق میں میں تجھکو ہی دیکھوں اور میری بصیرت کی نظر میری رہنمائی کرتی رہے تاکہ میں غیر میں مشغول نہ ہو جاؤں جیسا کہ ابتدا میں

آگے ترقی فرماتے ہیں کہ بلکہ تیرے فضل نے مجھکو اُن طاعات پر اعتماد کرنے سے ہٹا دیا اب میرا اعتماد اپنی طاعت پر نہیں بلکہ تیرے فضل پر ہے۔

الٰہی تو جانتا ہی اگرچہ یقیناً مجھ سے طاعت کی بجا آوری پر مداومت نہیں ہوئی لیکن طاعت کی محبت اور عزم پر مداومت رہی ف ای اللہ تو جانتا ہے کہ میں طاعت کی بجا آوری میں قاصر رہا ہوں اور اسپر ہمیشگی کسی وقت نہیں ہوئی لیکن طاعت کی محبت اور اُسکے عزم پر مداومت رہی ہی اور یہ بھی تیرا فضل ہی ورنہ بہت سے شخص اس سے بھی محروم ہیں۔

الٰہی جب تو قاہر ہے تو میں کیونکر پختہ عزم کروں اور جب تو حکم فرمانے والا ہے تو میں کیسے پختہ عزم نہ کروں ف ای اللہ جب تو ہر شے پر قادر اور غالب ہی تو میں طاعت کے کرنے اور معاصی کے چھوڑنے پر کیسے اپنے عزم کو پختہ کروں ممکن ہی کہ میں عزم کو پختہ کروں اور تو اسکو توڑ دے اور جب طاعت کرنے اور معاصی کو چھوڑنے کے عزم کا حکم فرمانے والا ہے تو پھر میں کیسے عزم نہ کروں پس میں حیران ہوں کہ کیا کروں اور تدبیر سے عاجز ہوں کہ نہ کسی بات کا عزم کر سکتا ہوں اور نہ عزم کو چھوڑ سکتا ہوں پس مجھکو سوائے تسلیم اور تجھ پر اعتماد کرنیکے کوئی چارہ نہیں اسی واسطے عارفین کسی شے کا عزم نہیں کرتے اور اپنے معاملہ کو تفویض فرماتے ہیں اور اسیواسطے کہتے ہیں کہ عارف کا دل ہی نہیں۔

الٰہی احوال مخلوقات میں میرا تردد تجھ تک پہونچنے میں دوری کو مقتضی ہے تو مجھکو ایسی خدمت پر جو تیری بارگاہ عالی تک پہونچا دے ہمہ تن مجتمع فرما دے ف ای اللہ مخلوقات کے احوال میں میرا دل بھٹکتا ہے کہ کبھی کسی مخلوق سے تعلق ہوتا ہی اور کبھی کسی سے اور کبھی مقامات و مکاشفات کے پیچھے پڑتا ہے کبھی واردات کے کہ یہ بھی مخلوق ہی ہے اس بھٹکنے نے مجھکو تیری بارگاہ سے دور کر رکھا ہے تو مجھکو ایسی طاعت پر ہمہ تن جمع کر دے جو تجھ تک پہونچا دے اور میرے قلب کو مخلوقات کے تعلق ہی قطع کر دے۔

الٰہی جو میرا اپنے وجود میں تیری محتاج ہے اُس سے تیرے وجود پر کیونکر استدلال ہو سکتا ہی کیا تیرے ماسوا کا ظہور اسقدر ہو سکتا ہے جو تجھے حاصل نہ ہو یہانتک کہ وہ تیرا ظاہر کرنے والا بنے تو کب غائب ہے

میں مجھکو پختگی اور تحقیق عطا فرما کہ جیسے وہ حضرات مقام فنا و بقا میں راسخ القدم ہوگئے ہیں مجھکو بھی ایسا ہی
کردے اور اہل جذب کہ جنکو تونے بغیر مجاہدہ و ریاضت اپنی طرف کشش فرمایا ہی اُن کا رستہ مجھکو نصیب کر

الٰہی مجھکو اپنی تدبیر کے ساتھہ میری تدبیر سے اور اپنے اختیار کے ساتھہ میرے اختیار سے بے پرواہ فرما اور
مجکو میری بیقراری کے مرکزوں پر ٹھہرا ف ای اللہ اپنی تدبیر کے ساتھہ میری تدبیر سے بے پرواکردے
یعنی اپنی تدبیر سے میرے کام بنا اور میری تدبیر سے مجھکو چھڑا دے اسلئے کہ میری تدبیر کرنے میں اپنے
نفس کے احوال میں مشغولی ہی جو تیری حضوری سے دور ڈالنے والی ہی اور ای اللہ اپنے اختیار کے ساتھہ
مجھکو میرے اختیار سے بے پروا کردے یعنی میرے تمام امور میں آپ ہی کا اختیار ہو میرا کچھہ اختیار نہ ہو اسلئے
کہ اگر بندے اپنا اختیار چلایا تو یہ ربوبیت کے ساتھہ منازعت کی صورت ہی اسلئے کہ تدبیر اور اختیار خاص الٰہی
کی صفت ہی بیقراری کے مرکز سے مراد وہ صفات ہیں کہ جس صفت پہ بندہ قرار پائے اور وہ صفات
بیقراری اور التجا کے ہیں جیسے ذلت اور عجز اور فقر مرکز ان کو اس اعتبار سے فرمایا کہ مطلب یہ ہی کہ ای اللہ
مجھکو ان صفات پر جمادے کہ میں کبھی ان صفات سے جدا نہ ہوں اور ہر وقت اپنے فقر اور عجز اور ذلت کو پیش
نظر رکھوں ۔

آلٰہی مجھکو میرے نفس کی ذلت حرص و طمع سے نکال اور قبر میں میرے اترنے سے پہلے مجھکو میرے شک
اور شرک سے پاک فرما تجھی سے اپنی ہوائے نفسانی اور وساوس شیطانی پر مدد مانگتا ہوں تو میری مدد کر
اور تجھی پر بھروسہ کرتا ہوں کسی دوسرے کے سپرد نہ فرما اور تجھہی سے سوال کرتا ہوں مجھکو نا امید نہ کر اور تیرے
فضل و کرم کی رغبت کرتا ہوں مجھکو محروم نہ فرما اور تیری ہی بارگاہ عالی کی طرف منسوب ہوں مجھکو دور نہ کر
اور تیرے ہی دروازہ پر کہڑا ہوں مجھکو نہ دہکیل . ف نفس کی ذلت و طمع سے مراد یہاں یہ ہی کہ نفس کو
غیر اللہ کی طرف طمع ہو اس سے نکالنے کو طلب فرماتے ہیں شک سے مراد دل کی تنگی ہی جو کسی ناگوار امر کے پیش آنے
سے ہو جب اس قسم کی تنگ دلی پیش آویگی تو دل تاریک ہوجاویگا اور پاکی اُسکی یہ ہی کہ یقین کی قوۃ کا ورود
ہو کہ اُس سے قلب کہلتا چلا جائے اور سینہ فراخ ہوجائے اور اپنے مولی حقیقی سے فرحت و خوشی کو پائے
اور شرک یہ ہی کہ دل کو سبب سے غفلت ہو اور اسباب کے ساتہ اُسکا تعلق ہو اور وجہ اسکی یہ ہوتی ہی کہ شک کی

سالک میں میرا قلب اُن سے محفوظ رہا اور نہ ان پر اعتماد کرنے سے بلند ہمت رہکر تیری بارگاہ میں داخل ہوا اُنکی طرح اب بعد فنا و مشاہدہ کے اُن سے تیری ہی بارگاہ عالی کی جانب پھروں یعنی ہر شے میں تیرا ہی مشاہدہ کروں تو ہر چیز پر قادر ہے لہٰذا اس میری حاجت برآری پر بھی تجھکو قدرت ہے۔

الٰہی یہ میری خواری تیرے سامنے ظاہر اور یہ میری حالت تجھپر غیر مخفی تجھ سے ہی تیری بارگاہ عالی تک پہونچنا طلب کرتا ہوں اور تیرے ہی ساتھ تیری بارگاہ عالی تک رہنمائی چاہتا ہوں تو میری اپنے تک اپنے نور کے ساتھ رہنمائی فرما اور سچی عبودیت میں اپنے سامنے مجکو ٹھہرا **ف** ای اللہ میری ذلت اور خواری جو میرا ذاتی امر ہے تیرے سامنے ظاہر ہوا اور میری حالت تجھپر پوشیدہ نہیں ہے ذلت اور خواری اپنے نفس کی جسکو منکشف ہو گئی ہو حقیقت میں عین عزت ہے اور جسکو اپنی خواری کا علم نہیں اور اپنے نفس کو عزت والا جانتا ہے حقیقت میں خواری ہے اے اللہ میں تجھ سے ہی تیری بارگاہ عالی تک پہونچنا طلب کرتا ہوں یعنی اپنے عمل و حال کو اسمیں کچھ دخل نہیں جانتا اور تیرے ہی ساتھ تیری بارگاہ عالی تک رہنمائی چاہتا ہوں یعنی اوروں کیطرح مخلوقات سے تجھپر استدلال نہیں کرتا کہ مخلوق تجھ تک رہنمائی کرے تجھکو ہی تیری ذات پر دلیل بناتا ہوں ایک عارف سے کسی نے پوچھا کہ تم نے کس چیز سے رب کو پہچانا انہوں نے فرمایا عرفت ربی بربی یعنی میں نے اپنے رب کو اپنے رب ہی سے پہچانا تو میری اپنی ذات تک اپنے نور کے ساتھ رہنمائی فرما یعنی نور معرفت میرے قلب میں ڈالدے کہ اسکے ہی راہ یاب ہوں اور سچی بندگی میں مجھکو اپنے سامنے ٹھہرا اس طور سے کہ ربوبیت کے اوصاف مجھپر ظاہر نہ ہوں بلکہ بندگی اور عبودیت کے اوصاف سے متصف ہوں اور وہ اوصاف ذلت اور عجز اور مسکنت ہیں۔

الٰہی اپنے پوشیدہ علم کی مجکو تعلیم فرما اور اپنے محفوظ نام کے راز کے ساتھ محفوظ رکھ الٰہی اہل قرب کے محقق مقامات میں مجھکو تحقیق اور پختگی عطا فرما اور اہل جذب کا رستہ مجھکو چلا **ف** پوشیدہ علم سے مراد اسرار الٰہیہ کا علم ہے جو حضرات اولیا کو عطا ہوتا ہے اسی کی طلب ہے اور محفوظ نام سے مراد اللہ تعالیٰ کے اسماء پاک ہیں کہ جو اہانت و ابتذال سے محفوظ ہیں اور ان کے راز سے مراد ان اسماء کے انوار و تجلیات ہیں اللہ پاک کے اسماء پاک کی تجلیات کے ذریعہ سے تمام مکروہات سے اپنی حفاظت طلب فرماتے ہیں اے اللہ اہل قرب کے مقامات

وہ کسی شے کے طلب کرنے سے شرمائیگا ہر وقت مشاہدہ میں محو رہے گا۔

تو وہ ذات پاک ہے جسنے اپنے دوستوں کے دلوں میں معارف کے انوار یہانتک روشن کئے کہ انھوں نے
تجھے پہچانا اور تیری وحدانیت کا اعتراف کیا اور تو وہ پاک ذات ہے جس نے اپنے دوستوں کے دلوں سے اغیار
کے تعلق یہانتک قطع کئے کہ انھوں نے تیرے سوا کسیکو محبوب نہ بنایا اور تیرے سوا کسیکو بیقرار ہوکر سہارا
نہ ٹھہرایا تو ہی ان کا مونس ہوا جو عالم کے تعلقات وکدورات نے ان کو متوحش اور پریشان کیا اور تو ہی نے انکی
رہنمائی کی یہانتک کہ حق کے لستے انکے لئے منکشف ہوگئے۔ **ف** ای اللہ تو ایسی پاک ذات ہے کہ تو نے
اپنے دوستوں کے دلوں میں اپنی معرفت کے نور اسقدر روشن کئے کہ انھوں نے تجھکو پہچانا اور تیری وحدانیت
کا اقرار اور مشاہدہ کیا اور تو وہ پاک ذات ہے کہ جسنے اپنے دوستوں کے دلوں سے غیر اللہ کے نقش کو اسقدر مذائل کیا
کہ سب کی محبت انکے دلوں سے نکل گئی کہ انھوں نے تجھکو ہی محبوب بنایا اور تیرے سوا کسیکو سہارا نہیں ٹھہرایا اور جب
دنیا کی چیزوں مال واولاد وغیرہ کے تعلقات وکدورات نے ان کو متوحش و پریشان کیا تو ہی اُن کا مونس
بنا اور تو نے اپنے نور سے انکی رہنمائی کی یہانتک کہ حق کے راستے ان کو کھل گئے اور حق انکو صاف نظر آنے لگا۔

جسنے تجھکو نہ پایا اُسنے کیا پایا اور جس نے تجھکو پایا اُسنے کیا نہ پایا جو تیرے بدلے کسی دوسرے سے راضی
ہوا ناکامیاب ہوا اور جس نے تیری بارگاہ عالی سے دوسری طرف منتقل ہونا چاہا نقصان میں پڑا **ف**
جسنے آنکھ سے اور دل سے صرف مخلوقات ہی کو دیکھا اور دل سے خالق کا مشاہدہ نہ پایا تو اُسنے کیا پایا کچھ
نہیں پایا اسلئے کہ مخلوقات فی نفسہا عدم محض ہیں تو اُسکے ہاتھ کچھ نہ آیا اور جسنے دنیا کی نعمتیں نہ پائیں لیکن
تیرا مشاہدہ اُسکو نصیب ہوگیا تو اُسنے کیا کھویا یعنی سب کچھ پالیا اور جو تیرے بدلے کسی دوسری شے سے
راضی ہوا مثلاً دنیاوی لذتوں میں لگ گیا یا احوال باطنیہ اور کرامات ومکاشفات کی لذت میں مشغول ہوگیا
وہ ناکامیاب ہوا اور جسنے تیری بارگاہ عالی سے دوسری طرف منتقل ہونا چاہا مثلاً دنیا کو چاہا یا ثواب اور
مقامات عالیہ کی طلب میں لگا وہ نقصان میں پڑا اور اسکی ایسی مثال ہوئی کہ بادشاہ کی ہمنشینی چھوڑکر چپراسی
کی خدمت اختیار کرے

الٰہی تو نے اپنا احسان کم نہیں کیا تو پھر کس طرح تیرے سوا کسی دوسرے کی امید کی جاوے اور تو نے

تاریکی کا جب غلبہ ہوتا ہی اور یقین کا نور کم ہوتا ہی تو اُسوقت قلب اسباب کی طرف متوجہ ہوتا ہی اسلئے کہ اُسوقت
نور یقین تو ہوتا نہیں کہ جس سے توحید کو دیکھے لامحالہ اسباب ہی کی طرف ملتجی ہوتا ہی پس فرماتے ہیں کہ ای
اللہ قبر میں جانے سے پہلے مجھکو شک اور شرک سے پاک فرما دیجئے آگے دعا کا مضمون صاف ہی۔

الٰہی جب تیری رضا اس سے بھی پاک اور منزہ ہی کہ تجھسے اُسکے لئے کوئی علت اور سبب ہو تو مجھسے میرا
کوئی عمل یا حال اُسکی علت کیونکر ہو سکتا ہی الٰہی جب تو اپنی ذات کاملہ میں اس سے بھی غنی ہی کہ تجھکو تجھسے
نفع پہونچے تو مجھ ناقص ناکارہ سے کیونکر غنی نہ ہوگا **ف** جاننا چاہیئے کہ رضا حق تعالی کی صفت ہی اور اللہ
تعالی کی تمام صفات قدیم ہیں اور قدیم علت سے پاک ہی پس مطلب یہ ہی کہ ای اللہ جب تیری رضا بوجہ صفت
قدیمہ ہونیکے اس سے بھی پاک اور منزہ ہی کہ اُسکی علت کوئی ایسی شئے ہو کہ جو تیری ہی طرف سے صادر ہو تو بھلا
میرا کوئی عمل یا حال اُسکی علت کیسے ہو سکتا ہی پس آپکی رضا میرے عمل و حال پر موقوف نہیں بلکہ خود عمل
و حال کا سبب رضا ہی کہ اگر رضا کا تعلق میرے ساتھ ہوگا تو میرا عمل و حال پسندیدہ ہوگا ورنہ نہیں اسی طرح
غنی بھی حق تعالی کی صفت ہی اور علت سے پاک ہی پس فرماتے ہیں کہ ای اللہ تو اپنی ذات کاملہ میں جبکہ
اس سے بھی غنی ہے کہ خود تجھکو تیرے سے کوئی نفع پہونچے تو مجھ ناقص اور نکمے سے تو کیونکر غنی نہ ہوگا یعنی
میرے عمل و حال کی بالکل کچھ احتیاج نہیں ہے۔

الٰہی قضا و قدر مجھ پر غالب آئی اور ہوائے نفسانی نے شہوت کی مضبوط رسیوں میں مجھکو جکڑ لیا تو میرا مددگار
ہو کہ میری بھی مدد کرے اور میرے واسطہ سے میرے متعلقین کی بھی مدد فرمائے اور اپنے فضل و کرم سے
اسقدر غنی کر کہ تیرے مشاہدہ جلال و جمال کے ساتھ اپنی طلب سے بھی مستغنی ہو جاؤں **ف** ای اللہ
قضا و قدر مجھپر غالب آئی کہ جب کسی طاعت کا عزم کرتا ہوں یا کسی معصیت کے ترک کا ارادہ کرتا ہوں وہ ارادہ
میرا توڑ دیا جاتا ہی اور ای اللہ ہوائے نفسانی نے شہوت کی مضبوط رسیوں میں مجھکو باندھ لیا کہ شہوات نفسانیہ
سے نہیں نکل سکتا پس میرا کوئی چارہ کار نہیں ہی آپ ہی میری مدد فرمائیے اور میرے واسطہ سے میرے احباب اور
متعلقین کی جو مجھ سے اللہ کے واسطے تعلق رکھتے ہیں مدد کیجئے اور اپنے فضل و کرم سے مجھکو ایسا مشاہدہ
تیرے جمال و جلال کا نصیب ہو کہ اپنی طلب سے بھی مستغنی ہو جاؤں اسلئے کہ جس شخص کو مشاہدہ دائمی نصیب ہے گا

اچھا ہی اور اس قرض کا بدلہ پھر ہمکو ہی آخرت میں ملنے والا ہی اسکی ذات کو اسکا کوئی نفع پہونچنے والا نہیں ہی اور قرض کے عنوان
سے بیان فرمانا اپنی بندوں کے ساتھ حق تعالی کی عجیب لطف مہربانی کو بتلا رہا ہی جیسے بچہ کو خود ہی کوئی شی دیں اور اس سے کہیں کہ
اگر تم ہمکو قرض دو تو ہم تمکو اس کے عوض دو شے دینگے اگرچہ وہ عاقل ہے تو فورا دیدے گا ۔

الٰہی مجھکو اپنی رحمت کیساتھ طلب فرما کہ تجھ تک پہونچوں اور اپنی منت کے ساتھ مجھکو کھینچ کہ تیری طرف متوجہ ہوں الٰہی اگرچہ
میں تیری نافرمانی کروں پھر بھی تجھ سے میری امید منقطع نہیں ہوتی جیسے اگرچہ طاعت بجالاؤں پھر بھی تیرا خوف مجھ سے جدا
نہیں ہوتا الٰہی تمام عالم نے مجھکو تیری طرف دھکیل دیا اور تیرے لطف کرم کے علم نے تیرے دروازہ پر ٹھہرا دیا **ف** ای اللہ مجھکو
اپنی رحمت سے اپنی بارگاہ قرب میں طلب فرما اس لیے کہ میرا اپنا کارروائی اعمال سے تجھ تک نہیں پہونچ سکتا اور نہ عمل کبھی کا بغیر رحمت کے تجھ تک
پہونچانیوالا ہی اور اپنے احسان سے مجھکو کھینچ کہ پھر میں خواہ مخواہ تیری طرف متوجہ ہوں اور تجھ سے اعراض کرنیکی قدرت نہ ہو ای اللہ
اگرچہ میں تیری نافرمانی کروں لیکن پھر بھی میری امید تجھ سے منقطع نہیں ہوتی اس لیے کہ جانتا ہوں کہ تیرا احسان کسی علت پر موقوف نہیں
اسیطرح اگرچہ طاعت بجالاؤں مگر پھر بھی تیرا خوف مجھ سے جدا نہیں ہوتا اسلیے کہ جانتا ہوں کہ تو چاہے کہ طاعت کرنے پر بھی اگر سزا
دے تو بیجا ہی ظلم نہیں اسلیے کہ تو مالک ہے ای اللہ جہان کی جس شی کی طرف میں گیا سب نے مجھکو تیری ہی طرف دھکیل دیا یعنی ہر شی بزبان
حقیقت پکار کر کہتی ہی کہ میں فانی ہوں مجھ سے تعلق نہ کر اپنے مولے سے تعلق پیدا کر اور میں نے جب یہ جان لیا کہ تو لطف کرم فرمانے والا ہی
تو اس علم و معرفت نے مجھکو تیرے دروازہ پر ٹھہرا دیا ۔

الٰہی تو میری امید ہی تو پھر میں کیونکر نامراد ہوں اور میرا سہارا تجھ پر ہی میں کیونکر ذلیل ہوں الٰہی تو نے مجھے ذلت میں گاڑ دیا تو میں کیونکر
عزت پا سکتا ہوں اور تو نے مجھکو اپنی طرف نسبت کیا تو میں کیونکر صاحب عزت نہ ہوں الٰہی تو نے مجھکو فقر و احتیاج میں ٹھہرا دیا تو میں کیونکر
محتاج نہوں اور تو نے مجھکو اپنی جود کے ساتھ غنی کیا تو کیونکر محتاج ہوں **ف** ای اللہ تجھ سے ہی میری امید ہی تو پھر میں کیونکر نامراد
ہوں یعنی ضرور بامراد ہونگا اور تجھ پر میرا سہارا ہے تو میں کیونکر ذلیل ہو سکتا ہوں ای اللہ تو نے مجھکو اصل ہی ذلت میں گاڑ دیا اس لیے کہ ممکن کی اصل عدم ہی
تو میں اصلی اور مستقل عزت کیسے پا سکتا ہوں کہ وہ تو تیرا ہی خاصہ ہے اور تو نے مجھکو اپنی طرف نسبت کیا کہ اپنا بندہ بنایا اور اپنے ساتھ تعلق
عطا فرمایا تو اس اعتبار سے میں کیونکہ تیری عزت سے صاحب عزت نہوں پس میں اپنی ذات کے اعتبار سے ذلیل ہوں اور تیری عزت دینے
سے اور تیری صفت عزت کے پرتو سے عزیز ہوں ای اللہ تو نے مجھکو اصل سے فقر و احتیاج میں ٹھہرا دیا کہ فقیری و حاجتمندی میرا اصلی
امر ہی تو میں اصل ذات سے کیسے محتاج نہوں اس لیے کہ ممکن ہوں اور ممکن ہر وقت اپنی ہر صفت میں اپنے پیدا کرنے والے اور تھامنے

اپنی بندہ نوازی کی عادت کو نہیں بدلا تو تیرے غیر سے کیونکر سوال کیا جاوے **ف** اے اللہ تونے اپنا
احسان بندوں کے ساتھہ کم نہیں کیا بلکہ تیرے احسان کا دریا ہمیشہ سے ایک حالت پر جاری ہی تو پھر کیوں
تیرے سوا دوسرے سے اُمید کیجاوے اور تونے اپنی بندہ نوازی کی عادت کو نہیں بدلا اسلئے کہ تیری صفت
میں تغیر و تبدل نہیں تو تجھکو چھوڑ کر پھر کیوں دوسرے سے سوال کیا جاوے۔

اے وہ ذات جس نے اپنے دوستوں کو اپنی انس جان بخش کی شیرینی کا ذائقہ چکھایا تو وہ اُس کے

سامنے محبت کے ساتھہ عاجزانہ کھڑے ہوئے اور اے وہ ذات جس نے اپنے دوستوں کو اپنی ہیبت کا
لباس پہنایا تو وہ اسکی عزت کے ساتھہ عزت والے ہوکر قائم ہوئے **ف** محبوب کے جمال کے مشاہدہ سے
جو سرور قلب کو ہو وہ انس ہی اُسکو شیرینی سے تشبیہ دیکر فرماتے ہیں کہ اے وہ ذات جس نے اپنے دوستوں کو
اپنی انس جان بخش کی شیرینی کا ذائقہ چکھایا یعنے ان کو سب سے بے تعلق کر کے اپنا اُنس بخشا اسکا اثر یہ ہوا
کہ وہ اُسکے سامنے محبت کے ساتھہ عاجزانہ کھڑے ہوئے اور اے وہ ذات جس نے اپنے دوستوں کو اپنی ہیبت
کا لباس پہنایا یعنی اپنے اولیاء کو عظمت شان و جلالت شان عطا فرمائی کہ جو کوئی ان کو دیکھتا ہے
مرعوب ہو جاتا ہے اور اُسکا اثر یہ ہوا کہ وہ اُسکی عزت کے ساتھہ عزت والے ہوکر قائم ہوئے یعنی انھوں نے
دوسری شے سے عزت حاصل نہیں کی بلکہ اُسی کی صفت عزت سے معزز ہوکر اُسکے سامنے کھڑے ہیں

تو ذکر کرنے والوں کے وجود سے پیشتر اپنے احسان سے اُنکا یاد کرنے والا ہی اور عبادت کرنے والوں کی

توجہ سے پہلے احسان کی ابتدا کرنے والا ہے اور سوال کرنے والوں کے سوال سے پہلے بخشش کے ساتھہ

سخاوت کرنیوالا ہی اور نہایت بخشش کرنے والا پھر جو کچھ ہم کو ہبہ کیا ہے اُسکا قرض مانگنے والا ہے۔
ف اے اللہ تیرے ذکر کرنیوالوں کا وجود بھی نہ تھا اُن کے وجود سے پہلے ہی اپنے احسان سے انکا یاد
کرنے والا ہی کہ ان کو وجود کی نعمت بخشی اور عبادت کرنیوالوں کی توجہ سے پہلے احسان کی ابتدا کرنیوالا
ہے عبادت کرنیوالوں کا وجود بعد میں ہوا اور سوال کرنیوالوں کا وجود بعد میں ہوا تو جود و سخاوت کیساتھہ
پہلے ہی سے موصوف ہی اور تو نہایت دینے والا ہی اور پھر جو کچھ ہم کو ہبہ کیا ہے اُسکا قرض مانگنے
والا ہے چنانچہ ارشاد فرمایا ہے من ذا الذی یقرض اللہ قرضا حسنا یعنے کون ہی جو اللہ کو قرض

عرض ضروری از شارح عفی عنہ

بعد الحمد والصلوٰۃ گزارش ہے کہ یہ نااہل و ناکارہ اتمام النعم ترجمہ تبویب الحکم کی شرح لکھنے کی بالکل استعداد نہیں رکھتا۔ ایسے مضامین کی شرح لکھنا ان حضرات کا کام ہے جو اس فن سے واقفیت رکھتے ہوں۔ اس ناکارہ نے اپنے مولا و مرشد و سیلہ یومی و غدی حضرت مولانا خلیل احمد صاحب مدظلہ العالی کے امر عالی کا امتثال کیا ہے اور شرح کی مدد سے الٹا سیدھا جو سمجھ میں آیا لکھدیا۔ غالباً بلکہ یقیناً اسمیں بہت غلطیاں ہونگی۔ اہل بصیرت جہاں غلطی پائیں اصلاح فرمالیں اور عیب پوشی سے کام لیں۔ اور اگر حضرت مدظلہم العالی کی برکت سے کسی کو اس شرح سے کچھ نفع پہنچے تو دعائے خیر سے یاد فرمائیں ۔۔

۱۲ ربیع الثانی ۱۳۳۳ھ ہجری یوم چہارشنبہ　　　محمد عبید اللہ عفی عنہ

فہرست مقدمہ و مطالب کتاب اکمال الشیم شرح اتمام النعم ترجمہ تبویب الحکم

والا کا محتاج ہی اور تونے اپنے جود کے ساتھہ مجھکو غنی کیا کہ مجھکو غیر کے تعلق سے بے نیاز کیا اور اپنے قرب کی نعمت بخشی تو میں کیونکر محتاج
تو وہ ذات ہی کہ بجز تیرے دوسرا کوئی معبود نہیں ہر چیز کو اپنی معرفت عطا فرمائی تو کوئی چیز تجھہ سے ناواقف نہوئی تو وہ ذات ہی کہ تو نے
مجھکو ہر شے میں اپنی معرفت عطا فرمائی تو میں نے ہر چیز میں تیری تجلی ظاہر دیکھی ہی تو سب پر ظاہر و آشکار ہی ای وہ ذات جو اپنے رحمان
ہونیکے ساتھہ اپنے عرش پر مستوی ہوا کہ وہ عرش آپکی رحمانیت میں اس طرح غائب ہوا جیسے تمام عالم اُسکے عرش میں غائب ہے۔

ف تو وہ ذات ہی کہ بجز تیرے دوسرا عبادت و پرستش کے لائق نہیں تونے ہر شیٔ کو اپنی معرفت عطا فرمائی ہی کہ کوئی چیز تجھہ سے
ناواقف نہیں ہی ہر شیٔ اپنے مرتبہ کے موافق جیسی معرفت اُسکو عطا ہوئی تجھکو پہچانتی ہی تو وہ ذات ہی کہ تو نے مجھکو ہر شے میں اپنی معرفت
عطا فرمائی کہ ہر شے میرے لئے تیرے جمال کا آئینہ ہوگئی پس میں نے ہر چیز میں تیری تجلی ظاہر دیکھی پس تو ہر شے کیلئے ظاہر و آشکارا ہی ای وہ
ذات جو اپنے رحمان ہونیکے ساتھہ اپنے عرش پر مستوی ہوا یعنی اپنی رحمت کی وسعت سے عرش پر غالب اور قاہر ہوا کہ رحمت نے اُسکو
اپنے اندر سما لیا اور رحمت نے اُسکو گھیر لیا اور وہ عرش اُس رحمت میں ایسا غائب ہوگیا جیسے تمام عالم اُس عرش میں غائب ہی کہ تمام
عالم عرش کے سامنے کوئی شیٔ نہیں ہی

آثار کو تونے آثار سے مٹایا اور اغیار کو انوار کے احاطوں کی چہار دیواریوں سے نیست و نابود کیا ای وہ ذات جو اپنی عزت کے پردوں
میں آنکھوں کے ادراک سے محجوب ہوا ای وہ ذات جس نے اپنی صفات کمالیہ کے ساتھہ عارفین کے قلوب پر تجلی فرمائی پھر اُسکی بے نہایت
عظمت باطن قلوب پر متحقق ہوگئی تو کیونکر چھپ سکتا ہی تو ظاہر و آشکارا ہی اور تو کیونکر غائب ہوسکتا ہی تو نگہبان اور حاضر ہی
اور اللہ تعالیٰ توفیق دینے والا ہی اور اُسی سے اعانت طلب کرتے ہیں ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم وصلی اللہ
علی سیدنا محمد وآلہ واصحابہ وسلم ف پہلے آثار سے مراد تمام آسمان اور زمینیں اور لوح و قلم وغیرہ ہیں اور دوسرے
آثار سے مراد عرش عظیم کہ اُسکے مقابلہ میں یہ سب مخلوقات لاشیٔ محض ہیں اور یہی مراد مٹانے سے ہی اور اغیار سے مراد عرش عظیم ہی کہ اُنکو
ایسے انوار رحمت سے جو احاطہ میں آسمانوں کے مشابہ ہیں مٹایا یعنی رحمت کے انوار میں اُنکو سما لیا حاصل یہ ہی کہ حق تعالیٰ کی رحمت اسقدر
عام اور شامل ہی کہ عرش و فرش سبکو شامل ہی اور وہ ایسا قوی عزت و سلطنت الٰہی کہ آنکھوں سے اُسکا ادراک محال ہی دنیا میں تو مطلقاً
ادراک ان آنکھوں سے نہیں ہوسکتا اور آخرۃ میں احاطہ کے طور پر ادراک محال ہی اور وہی ذات ہی کہ جس نے عارفین کے دلوں پر اپنی
صفات کمالیہ مثل جلال و جمال کی تجلی اور عکس نازل فرمایا اس تجلی سے اُنکے دلوں میں اُسکی بے نہایت عظمت متحقق ہوگئی تو کیسے چھپ
سکتا ہی حالانکہ تیرا جمال و جلال ہر شے سے ظاہر ہی اور تو کیونکر غائب ہوسکتا ہی حالانکہ تو ہر شے پر نگہبان اور ہر شے کے ساتھہ حاضر ہی فقط
الحمد للہ شرح اتمام النعم بتاریخ ۱۱ ربیع الثانی ۱۳۳۳ھ یوم سہ شنبہ کو تمام ہوئی اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے اسکو نافع فرمائے